
جنات اور جادو
حقیقت اور علاج
www.KitaboSunnat.com
ھدایت اللہ سلمانی
ادارہ مطبوعات سلیمانی

جنّات اور جادو

حقیقت اور علاج

ہدایت اللہ سلمانی

ادارہ مطبوعات سلیمانی
رحمان مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور ۲

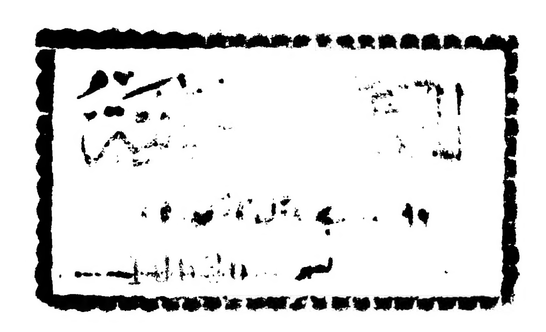
ناشر: حافظ طلحہ وحید سلیمانی

مطبع: اے این اے پرنٹرز

طبع دوم: مئی ۱۹۹۸ء

تعداد: ۱۱۰۰

سستا ایڈیشن: ۶۰/- روپے



بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (سورۂ یوسف: ۱۱۱)

"ان لوگوں کے قصوں میں عقل مندوں کے لیے سامان عبرت ہے' اور یہ کوئی بناوٹی باتیں نہیں بلکہ اس سے پہلے جو حق آ چکا ہے اس کی تصدیق ہے اور مفصل بیان اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

حقیقت افسانہ سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے
اور اسی لیے زیادہ موثر بھی
بخلاف افسانہ کے
خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ اور معیاری ہو
مگر قاری اسے مفروضہ ہی خیال کرتا ہے
لیکن حقیقت اتنی موثر ہوتی ہے کہ
قاری واقعہ کے ایک ایک جزو کو
یوں محسوس کرتا ہے
جیسے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے
وقوع پذیر ہو رہا ہے
اس لیے ایک ایک بات
اس کے دل پر نقش ہوتی چلی جاتی ہے
کیونکہ اسے یقین ہے کہ
یہ سب کچھ سچ ہے
چند ایسے ہی سچے واقعات
قارئین کرام کی خدمت میں
پیش کیے جارہے ہیں۔

ترتیب

بے گناہ مجرم	۱۳
بزرگی کا حال	۱۸
طلائی آویزہ	۲۱
قربانی کا بکرا	۲۵
عبدالرشید کی ٹانگ کا درد	۳۰
تعویذی بلا	۳۳
جنات سے جنگ	۳۴
شہرہ آفاق عامل	۳۸
مفت کے چاول	۴۰
مسور کی دال	۴۴
آسیب آب	۴۸
شکست رشتہ تسبیح شیخ	۵۱
ایک لاکھ جنات کے پیر جی	۵۶
ڈاکو یا ڈاکٹر	۶۰
ایہہ ہور سید اوہ ہور سید	۶۳
مرشد کھال کھینچ	۶۶
اسماعیل اوڈ کی آپ بیتی	۶۸
صوفی عبداللہ کا صبر	۷۱
گمشدہ نوٹ	[illegible]
چھ پیسے کا تالہ اور چار چور	۷۷
ختنہ کرنے والے جنات	[illegible]
قبر کا طمانچہ	۸۳
داستان سلیم ارائیں	[illegible]

گوشت کالوتھڑا	۸۸
شربت اور چائے	۸۹
برکت علی گجر	۹۱
بہروپیا	۹۴
وسیلہ اعمال	۹۸
عجز اور فخر	۱۰۲
اینٹوں کی بارش	۱۰۷
لاتوں کے بھوت	۱۱۱
پاپوش کفر شکن	۱۱۷
حافظ محمد لکھوی کی ڈاچی	۱۱۹
تتمہ	۱۲۳
قصہ ہارت و ماروت	۱۳۲
مدنی یہودی جادوگروں کا قصہ	۱۳۳
کذبات ثلاثہ	۱۳۸
حلول	۱۴۵
عمل حب	۱۵۷
صوفی بے چارہ	۱۵۷
کالا علم اور نوری علم	۱۵۹
حب زوجین کا صحیح عمل	۱۶۱
مسمریزم	۱۸۳
علامہ اقبالؒ کی مجلس میں روح کی آمد	۱۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین' والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الصادق الامین' و علی الہ و اصحابہ اجمعین' اما بعد ' نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے بلغوا عنی ولو ایۃ (او کما قال) میری خواہ ایک ہی بات یا کلمہ ہو وہ دوسروں کو پہنچا دو' اور اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں سنریھم ایاتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق O (سورۃ الشوری آیت ۵۳) ہم ان (لوگوں) کو اپنی نشانیاں ان کی جانوں میں اور آفاق میں عنقریب دکھائیں گے تاکہ ان پر خوب واضح ہو جائے کہ یہ اللہ کی کتاب (ہی) حق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین O یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم O (سورہ المائدہ آیت ۱۶) اور تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور (وہ) ایک کتاب واضح (ہے) کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو' جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتاتے ہیں (یعنی جنت جو صحیح سلامتی کا مقام ہے وہاں جانے کے صحیح عقائد و اعمال بتلا کر (ان کو اپنی توفیق سے) کفر و معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر (ایمان اور اطاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں اور (ان کو) ہمیشہ راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ (معارف)

قارئین کرام! فی زمانہ ہم لوگوں کے عقائد و اعمال جتنے خراب ہو چکے ہیں ان کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے مسلمانوں کی تعداد یا مادی اسباب کی کوئی کمی نہیں دعوے اور بڑھکیں اور نام و نمود کی بے حد فراوانی!---- مگر حال یہ ہے کہ غیروں سے پٹائی ہو رہی ہے۔ متفقہ فریاد کرنے کی بھی ہمت نہیں اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور مقابلے کا تو کبھی خواب یا تصور بھی نہیں آیا ہو گا۔ غیر تو غیر ہی ہیں ہم اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے سے بھی باز نہیں آتے ایمان اور سلامتی والی پاکیزہ زندگی جو صاف سیدھی اور کتاب و سنت پر مبنی

ہو اس کی ہمیں کوئی پرواہ یا فکر نہیں ایک دو رواجی مسلمانوں کے سے کام کر لیے اور جنت کی سیٹ پکی! عقائد و اعمال غیروں اور دشمنوں کے اختیار کیے ہوئے ہیں' اور اخلاق و معاملات و معاشرت میں بھی دینی رہنمائی کی ضرورت نہ احساس' بلکہ اپنی مرضی چلتی ہے' اور پھر جب غلط اعمال و عقائد کی شامت سر پر آپڑتی ہے تو علاج بھی غلط اور معالج بھی غلط! میر صاحب کی طرح "جس نے بیمار کیا اسی سے دوا لیتے ہیں" مگر ضمیر ان کو ساتھ ساتھ صحیح طرز عمل کی نشاندہی ضرور کرتا رہتا ہے' خواہ اس کی مانیں یا نہ مانیں (اتمام حجت ضرور ہوتی رہتی ہے' کہ مطابق فرمان ربانی لوگوں کو ہم اپنی نشانیاں ان کی جانوں میں اور خارجی عوامل میں دکھاتے رہیں گے کہ حق ان پر خوب واضح ہو جائے (مفہوم) اور پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے رضائے الٰہی کے متلاشیوں کے لیے اپنی بین اور روشن کتاب نازل فرمائی۔ جس سے سلامتی (دونوں جہانوں کی) حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کے مختلف طریقے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فرد سے ہر معاملہ مختلف ہے اور اس کی ہدایت کے لیے اور اللہ کی رضاء کے مقام کے حصول کے لیے راستے بھی متعدد ہیں مگر یہ سب راستے سنت نبوی ﷺ کے پل کے نیچے سے گزرتے ہیں۔ جس طرح کہ ایک باپ کے کئی بیٹے ہوں' مگر ہر بیٹے سے اس کا تعلق منفرد ہو گا۔ یا ہمارے متعدد دوست ہیں' مگر ہر دوست سے تعلق کی نوعیت ہر ایک سے جدا ہو گی۔ غلط عقائد و اعمال کے اندھیروں میں کتاب و سنت کے صحیح اعمال کے نور سے اللہ کریم لوگوں کی ہر زمانہ میں کیسے رہنمائی فرماتے ہیں۔ آئندہ پیش خدمت واقعات کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے' کہیں کہیں واقعات کی توجیہ و تحقیق کے سلسلے میں کئی ضروری مباحث بھی آگئے ہیں امید ہے کہ جو لوگ تعصب کی عینک اتار کر تلاش حق اور رضائے الٰہی کی نیت سے مطالعہ فرمائیں گے ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ نفع حاصل کریں گے۔ اپنی علم فہم اور عقل و عمل کی بے بضاعتی کے اعتراف کے بعد التماس ہے کہ اہل تحریر کی خامیوں کی اصلاح سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے اور اگر کسی کو بفضلہ تعالیٰ کوئی بھی کچھ خیر نصیب ہو تو اس سعی میں شامل سب حضرات کے لیے مجموعی دعائے خیر فرمائیں گے۔ اللہ کریم ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور صحیح دین پر عمل پیرا ہونے کی توفیق و سعادت عطا فرمائے اور ہمہ وقت ہم پر اپنی دائمی نظر رحمت قائم رکھے۔ (آمین!)

وما ذالک علی اللہ بعزیز

حدیث مبارک بلغوا عنی ولوایہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے ارشادات اور ان پر ایمان و یقین والے اعمال کی برکات اور ان کے خلاف اعمال کے نتائج بد کے کچھ واقعات و مشاہدات پیش خدمت ہیں۔ چونکہ اکثریت آجکل گمراہ کن عاملین کی ہے لہذا پہلے چند غلط عاملین کے کچھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو بندہ کو اپنی زندگی کے اس پچیس سالہ دور میں پیش آئے۔ اکثر اشخاص اور مقامات کے نام احتیاطاً تبدیل کردیئے گئے ہیں۔

"بے گناہ مجرم"

غالباً ۱۹۹۰ء کا واقعہ ہے کہ بندہ کے پاس علاقائی شہر سے مستری لطف اللہ صاحب تشریف لائے' ماشاءاللہ نمازی پرہیزی آدمی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی عینک کا ایک شیشہ بہت موٹا ہے جو موتیا کے اپریشن کے بعد ہی تجویز کیا جاتا ہے۔ بندہ نے پوچھا بندہ کے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے! کہنے لگے "جونہی میں وہاں اندر داخل ہوا تو ایک شعلہ سا بھڑکا اور میری آنکھ اور سر میں درد شروع ہو گیا' میرا خیال ہے کہ کوئی شر اشرار (جنات) کا وہاں ٹھکانا ہو گیا ہے۔ اس کے علاج کے لئے میں حاجی رفیق صاحب کے پاس گیا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے تو یہ کام چھوڑ دیا ہے لہٰذا تمہارے پاس بھیج دیا" بندہ نے عرض کیا' مستری صاحب! آپ کس علاقہ یا جنگل کے مکان کی بات کر رہے ہیں؟ کہا' اجی اپنی ہی دوکان کی بات ہے' عرض کیا "آپ تقریباً چالیس سال سے اس دوکان میں دن رات مسلسل آتے جاتے ہیں۔ پہلے تو کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا' تو اب وہاں جنات کیسے آ گئے؟ میرے نزدیک تو یہ آپ کے آپریشن چشم کا ہی کوئی معاملہ ہے' یا آپ کی دوسری آنکھ میں بھی موتیا پوری طرح اتر آیا ہے ہمارے خاندان میں دو افراد کو تقریباً ایسے ہی واقعات پیش آئے کہ رات کو اچانک بلبوں کا پودا سا نظر آیا اور سر میں درد ہوا اور نگاہ بند ہو گئی' لہٰذا آپ کسی آنکھوں کے ڈاکٹر سے رجوع کریں' اور باقی رہی یہ جنات کی بات تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تو ان (جنات) کا بابا (ابلیس) ہمارے بابا (آدم علیہ اسلام) کے ماتحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ اسے بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ (اظہار اطاعت) کا حکم دیا' لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کی امداد ہمارے ساتھ ہے' اس نافرمان ابلیس کی اولاد (جنات) کے ساتھ نہیں' آپ ان وساوس کو چھوڑیں' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سیدھی سادی شریعت پر حتی المقدور عمل کریں' اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں' نبی کریم ﷺ کی سنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر وقت پیش نظر رکھیں بس دونوں جہانوں کی

کامیابی اسی میں ہے" فرمانے لگے میں تو خود ان توہمات کا قائل نہیں ہوں مجھے تو ایک صاحب نے گمراہ کر دیا پھر اپنا ایک عجیب واقعہ سنایا کہ یہ بھٹو دور (صدی کے آٹھویں عشرہ) کی بات ہے' ان دنوں ٹی وی پر بڑے پر کشش اور "عوامی" پروگرام آیا کرتے تھے' ہمارے شہر میں صرف چند ہی ٹی وی سیٹ تھے' ہمارے گھر بھی بیٹھک میں ٹی وی تھا' محلّہ کے مرد بچے بھی آکر دیکھتے' اسی بیٹھک میں ایک الماری میں ہماری دوکان کا کیش رکھا ہوتا تھا۔ ایک دن صبح کو میں نے دوکان پر جاتے ہوئے کیش سنبھالا کل ۲۶۰۰۰ روپے تھے دو تین گھنٹے بعد ضرورت پڑی تو دیکھا کہ چھ ہزار روپے کم تھے تالا لگا ہوا تھا گھر میں خواتین کو پوچھا تو سب نے بیک آواز جواب دیا' کہ ابھی تو ہم میں سے وہاں کوئی بھی صفائی کرنے کے لئے گئی ہی نہیں۔ اس پر بڑی حیرانی و پریشانی ہوئی' اپنے لڑکوں کو جا کر بتلایا تو انہوں نے بھی گھر آکر مزید پوچھا تو کچھ پتہ نہ چلا' میرے بحمد اللہ کئی بیٹے ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ ایک بیٹے نے کہا کہ ہم علاقہ کے مشہور پیر مزمل حسین خاں کی گدی پر جا کر "حساب" کرواتے ہیں۔ میں نے اس کی مخالفت کی (خود اپنی تحقیق کی بنیاد پر اور وہ یہ) کہ میں چند سال پیشتر وہاں مستری کا کام کچھ عرصہ کرتا رہا وہاں میں روزانہ دیکھتا کہ پیدل' سائیکل موٹر سائیکل اور کاروں والے مرد و عورت بے شمار آتے' اور پیر صاحب سے اپنی مشکلات بیان کرتے تو وہ ان کا اور ماں وغیرہ کا نام پوچھ کر الٹی سیدھی لکیریں بناتے پھر کچھ اور اعداد وغیرہ غالباً جمع تفریق کرتے اور ایک پرانی سی کتاب نکالتے' اس میں سے کچھ دیکھ کر پھر حساب کتاب بناتے اور فرماتے "تمہیں کسی دشمن نے جو اپنوں میں سے ہی ہے تعویذ ڈالے ہیں" کسی کو فرماتے جادو کیا ہے' کسی کو جنات' سایہ' اوپری ہوا وغیرہ بتاتے اور اس کی ممکنہ تسلی کرتے۔ اور سائل ان کی حسب دلخواہ خدمت کرتا۔ ایک روز میں نے چھوٹے پیر صاحب سے کہ وہ نسبتاً خوش مزاج اور ذرا بے تکلف بھی تھے عشاء کے بعد فراغت و تنہائی کے موقعہ پر عرض کیا "پیر صاحب! بے شمار لوگوں کو میں روزانہ دیکھتا ہوں کہ آپ ایک ہی پرانی اور چھوٹی سی کتاب کھول کر ہر ایک کا حال اور احوال اور ماضی' حال' مستقبل سب کچھ اسے بتا دیتے ہیں۔ میں اس پر بہت ہی حیران ہوتا ہوں کہ کیا اس چھوٹی سی کتاب میں ساری دنیا کے انسانوں کے اعمالنامے درج ہیں؟ آپ ایمان سے سچ سچ بتانا! پیر صاحب یہ سن کر ہنس پڑے' اور فرمایا "مستری! بات صرف اتنی ہے کہ لوگوں کا ہم پر اعتقاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری روزی کا ذریعہ بنایا ہے ورنہ اس کتاب میں کیا ہونا

تھا؟" میں نے یہی حوالہ جب اپنے بیٹوں کو دیا تو انہوں نے برا سا منہ بنا لیا۔ اور کہا کیا ساری دنیا پاگل ہے جو ان کے پاس آتی ہے؟ (اس پر میں خاموش ہو گیا) پھر میرے بیٹے وہاں گئے اور انہیں چوری کا سارا واقعہ سنایا تو پیر صاحب نے پوچھا "کس پر شک ہے؟" انہوں نے کہا "شک کی تحقیق تو ہم خود بھی کر سکتے تھے" پھر فرمایا' گھر کے جتنے افراد چھوٹے بڑے موجودہ کے نام' عمر اور رشتہ لکھواؤ" چنانچہ وہ لکھوایا گیا تب حسب معمول وہ "کتاب خاص" کھولی گئی اور باقاعدہ حساب و کتاب کیا گیا' اور آخر میں فرمایا "گھر کی بڑی بہو مجرم ہے۔" یہ سن کر سب گھر آگئے اور اس بچاری پر سختی شروع کر دی۔ وہ روتی چلاتی رہی۔ اس کی ساس اور نندوں نے بھی گواہی دی کہ یہ یا اور کوئی بھی گھر کا فرد اس وقت وہاں گیا ہی نہیں مگر جناب کون سنتا ہے "حساب" جو کرایا ہے اور اس میں چور کا پتہ چل گیا ہے' تب یقینی بات تو معلوم ہو ہی گئی اب شک کا کیا سوال؟ (غالباً عامل صاحب نے یہاں بھی نفسیاتی حربہ استعمال کیا کہ بہو جو پرائے گھر کی بیٹی ہوتی ہے۔ عموماً ساس اور نندوں کے "حسن سلوک" کی شاکی رہتی ہے اور وہ بھی جواباً نہلے پہ دہلا مارتی رہتی ہیں' جس کی وجہ سے نتیجتہ خفیہ یا علانیہ فریقین میں چپقلش جاری رہتی ہے۔ مگر اپنی بیٹیاں تو بہر حال اپنی بیٹیاں ہوتی ہیں' لہٰذا عموماً وہ خطا کار ہو کر بھی بے خطا گردانی جاتی ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ لینے دینے کے باٹ بڑے چھوٹے بنا رکھے ہیں۔ اور ذرا خالی الذہن ہو کر تھوڑی سی خدا خوفی اختیار کریں تو یہ امر سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ اور ایسے لذیذ مگر مکروہ اصول محض کید شیطان ہیں اور اس کا اثر اور نتیجہ بھی ضرور نکلتا اور بھگتنا پڑتا ہے کہ بعد میں اس گھر کی "معصوم" بیٹی کے ساتھ ضرور وہی سلوک اس کے سسرال میں ہوتا ہے جو وہ خود اپنی "مجرم" بھابی کے ساتھ کرتی رہی ہے۔ اس طرح ڈبل نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے کہ دنیا میں تو مکافات عمل یا ادلے کا بدلہ پورا ہو گیا' مگر چونکہ جس شخصیت پر ظلم کی وجہ سے یہ شامت آئی ہے' اس کے حقوق کی ادائیگی معافی وغیرہ سے نہیں کی' لہٰذا آخرت کا "وزر" (بوجھ) سر پر باقی رہ جاتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں فہم سلیم اور حسن عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین!) بہر حال چوری کی رقم تو نہ ملی۔ پھر قدرت خداوندی دیکھئے کہ پانچ چھ دن بعد میرا بارہ تیرہ سالہ لڑکا بھاگا ہوا دوکان پر آیا اور کہا ابا جی! (پڑوسی کے اپنے ہم عمر لڑکے کا نام لے کر کہا) اس کے پاس میں نے سو سو روپے کے کافی سارے نوٹ دیکھے ہیں اور نیا ٹیپ ریکارڈ بھی اس کے پاس ہے۔ (حالانکہ وہ بالکل غریب

لوگ تھے) میں نے دل میں کہا "الحمد للہ! ہماری چوری مل گئی" (غالباً مستری صاحب باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہوں گے) اور پھر میں نے اس کے والد کو بلایا اور کہا تمہارا لڑکا ہمارا چور ہے' اگر رقم دیتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم تھانے جاتے ہیں۔ وہ غریب ڈر گیا اور کہا مستری جی آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی اس سے پتہ کرتا ہوں۔ (اس لڑکے کے گھر والے اس کی اس حرکت سے بالکل بے خبر تھے) کچھ دیر بعد وہ آیا اور سارا واقعہ سنایا کہ "میرے لڑکے نے ٹی وی دیکھتے ہوئے آپ کو اس بیٹھک کی الماری سے رقم نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور چابی بھی وہیں مقررہ جگہ پر پردہ کے نیچے رکھتے ہوئے بھی دیکھ لی تھی' آپ کے دوکان پر جانے کے بعد وہ تاک میں رہا اور چپکے سے بیٹھک میں داخل ہو گیا' جو کہ گلی کے بالکل ساتھ ہی ملحق تھی' اور صحن اور کمرے آگے تھے اور چابی لے کر چھ ہزار روپے نکال لئے اور تالا بھی لگا دیا' مگر گھبراہٹ اور جلدی میں چابی بجائے اوپر پردہ کے نیچے رکھنے کے پلنگ کے تکیہ کے نیچے رکھ کر رفو چکر ہو گیا۔ یہاں تو رقم ہضم نہیں ہو سکتی تھی' للذا وہ اپنے ننھیال ساھیوال چلا گیا' اور اپنے ماموں زاد ہم عمر لڑکے کے ساتھ مل کر کسی دوسرے شہر سے نیا ٹیپ رکارڈ خرید لیا' اور اب وہ واپس آیا اور اسی وقت آپ نے مجھے بلا کر اس کی تفتیش کرنے کو کہا' تو اس نے ساری بات اگل دی' دو ہزار تو اس نے اڑا دئے' باقی چار ہزار آپ یہ لے لیں۔ بقایا دو ہزرار کی رقم میں آپ کو قسطوں میں ادا کر دونگا۔" کیوں جناب!؟ کیا "دین اور عقل" کے شکار اور شکاری کے تعین میں کوئی شک ہے؟ سرور کائنات ﷺ کی حدیث مبارک کا مفہوم: "جو شخص کسی کاہن (غیب دانی کا دعوی کرنے والے' فال کھولنے' ہاتھ کی لکیریں دکھانے والے) کے پاس گیا اور جو کچھ اس نے بتایا اسے سچا اور صحیح جانا' تو وہ شخص اس چیز سے بری (باہر) ہو گیا جو محمد ﷺ پر نازل فرمائی گئی۔ دوسری روایت میں بری کی بجائے فقد کفر ہے یعنی ایسا شخص منکر ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ (غیب دانی کے داعی) کے پاس جانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہو گی۔ (مفہوم) یہ تو فال وغیرہ پوچھنے والے پر سرکار عالی کی خفگی کا بیان ہے' بتانے والے کے حال مذموم کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

دیکھئے' کس طرح شیطان نے یہ چکر چلا کر ایمان اور مال کا نقصان کروایا' جان کا نقصان ذہنی طور پر تو سب کو ہوا' خصوصاً وہ بیچاری بہو تو زیادہ ہی اس "اجر عظیم" کی مستحق ٹھہری' جسے مجرم گردان کر سرکوبی کی گئی تھی یعنی جانی و مالی اور ایمانی ضرور

(نقصان) پہنچا کر ابلیس خوش ہو گیا۔ مقابلۃ" اگر توبہ استغفار کرتے' انا للہ و انا الیہ راجعون بکثرت پڑھتے اور کچھ دیر صبر کرتے اور اپنا ایمان مضبوط رکھتے' تو تینوں نقصانات سے بچے رہتے' اور انشاء اللہ عند اللہ اجر کے مستحق بھی ٹھہرتے۔ نیز یہ امر بھی متوقع ہے کہ مال کی زکو کی ادائیگی اور بڑے مستری صاحب کے "ابطال باطل" کی دعوت کی برکت سے رقم مسروقہ مل گئی (واللہ اعلم)

"بزرگی کا جال"

انہی بزعم خود "غیب دان" حضرات کے اہم و عظیم فرد کے متعلق تقریباً" انہی کے مسلک اور علاقہ والے ستر سالہ واقف بزرگ نے ان کی اپنی بزرگی اور مذکورہ غیب دانی و غیب بیانی کے دو تین واقعات بتائے۔ راوی نہایت ثقہ عالم دین ہیں۔ اول ایک متمول خاندان کی عورت جو صحیح کردار کی نہ تھی' ان کے پاس آئی اور ایسے تعویذ کی طالب ہوئی' جس سے اس کا خاوند مر جائے۔ ظاہر ہے سوائے کھلانے پلانے کے یہ مقصد کسی اور طریقہ سے حاصل نہ ہو سکتا تھا' اور اس خوراکی عمل کو بھی تقدیسی شکل دیکر اور متبرک بنا کر ہی کثیر معاوضہ پیشگی وصول کیا جا سکتا تھا' اس زمانہ میں پین سیاہی کا رواج نہ تھا' دوات میں تھوڑا سا کپڑے کا ٹکڑا' سیاہی اور پانی ملا کر لوہے کی نب والی یا سرکنڈے یا واسطینی قلم سے لکھائی کی جاتی تھی' چنانچہ حضرت نے علیحدہ دوات بنا کر اس میں سیاہی کے ساتھ تھوڑا سا زہر (سنکھیا) بھی ملا دیا' اور اسے چند تعویذ اس سے لکھ کر دے دیے' کہ نہار منہ کسی چیز دودھ' شربت وغیرہ میں گھول کر روزانہ ایک تعویذ پلا دیا کریں۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا' مگر سنکھیا کی اتنی قلیل سی مقدار سے اس کے شوہر نے مرنا تو کیا تھا' البتہ اس کے پیٹ میں شدید درد شروع ہو گیا' امیر آدمی تھا' شہر میں ڈاکٹر نے چیک کیا' اور کہا جو چیز تم نے کھائی ہے اس میں زہر ڈالا گیا ہے۔ خاوند پہلے ہی کچھ نالاں تھا' تھانہ میں اطلاع کر دی' عورت اور عامل صاحب دونوں پر پولیس کا نزلہ گرا اور خاصی رقم دے کر خلاصی ہوئی۔

دوسرا واقعہ بھی سن لیجئے۔ کئی دیہاتی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہماری چوری ہو گئی چور بتایئے! پیر صاحب جن کا نقصان ہوا تھا ان میں سے ایک دو آدمیوں کو اندر لے گئے اور پوچھا کس پر یا کن پر شک ہے؟ انہوں نے بتا دیا' پھر پوچھا زیادہ شک کس پر ہے؟ انہوں نے اس کا نام بھی بتا دیا۔ پھر کہا سب مشکوک لوگوں کو بلا لو' دوسرے دن سب لوگ آگئے اور ان سب کے نام لکھ لئے اور مٹی کی کوری ٹھیکریاں بھی اتنی ہی تعداد میں بنالیں' جتنے وہ اشخاص تھے' پھر ان کو قطار میں باہر بٹھا دیا

اور اندر جا کر سب ٹھیکریوں کے باہر کی طرف ہر آدمی کا نام علیحدہ علیحدہ ایک ایک ٹھیکری پر لکھ دیا اور جس پر زیادہ شبہ تھا اس کی ٹھیکری کے اندر (کبڑی طرف) پارہ اچھی طرح مل دیا اور جب دھوپ تیز ہو گئی' تو ان سب ٹھیکریوں کو قطار میں دھوپ میں رکھ دیا اور فرمایا' دیکھنا ابھی تھوڑی دیر بعد میرے جنات چور کی ٹھیکری کو قطار میں سے دور پھینک دیں گے۔ جب پارہ والی ٹھیکری کو دھوپ کا سینک لگتا تو وہ اچھل کر کچھ دور جا گرتی اور پھر عامل صاحب اس پر لکھا ہوا نام دکھلاتے اس طرح "چور صاحب" پکڑے جاتے۔

ایک مریضہ کو جسے اصل مرض تو مراق کا لاحق تھا' مگر وہ اپنی تکالیف کا باعث جنات' کبھی جادو' تعویذ وغیرہ کو سمجھتی تھی' بندہ کے ایک برادر حکیم صاحب نے غالباً" اپنی جان چھڑانے کو بندہ کے پاس بھیج دیا بندہ بھی ایسے مریضوں سے ذرا گھبراتا ہے' تھوڑی سی تسلی کی بات کر کے تعویذ دے دیا۔ ایک دو ماہ بعد پھر آئی کہ فائدہ تو ہوا تھا مگر وہ تعویذ اڑ گیا اب نیا دے دو۔ معمولی سی تردید و تشفی کی کوشش کے بعد پھر تعویذ دے دیا' کچھ عرصہ بعد پھر آ گئی' کہ مرگھا یا سوتک (موت و ولادت کے موقعہ) میں چلی گئی تو تعویذ بے اثر ہو گیا' کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا کلام لکھا ہوا ہو تو اس پر انکا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے وہاں جانے سے روکا ہے' مگر وہ نہ مانی' جان چھڑانے کے لئے نیا تعویذ دیدیا۔ پھر آئی اور کہنے لگی' سب سے پہلے والا تعویذ دو وہ بہت مفید ہے۔ بندہ نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ مریض ڈاکٹر کو کہتا ہے کہ میں یہ دوائی نہیں لوں گا' بلکہ اپنی مرضی کی وہ پہلے والی استعمال کرونگا۔ خیر آٹھ دس بار اسی طرح ہوا' بالآخر بندہ نے تنگ آ کر اسے خلاف معمول جواب دیدیا۔ کہ میرے پاس وہم کا کوئی تعویذ نہیں۔ اس پر وہ طوعاً" یا کرہاً" چلی گئی۔ تین چار ماہ بعد پھر آئی اور کہنے لگی' جو آپ کی مرضی تعویذ دیدو۔ خلاف معمول میں نے اس سے یہ خیال کر کے کہ اتنے دن یہ بیچاری ٹک کر تو نہ بیٹھی ہو گی' پوچھا کہ اس عرصہ میں کوئی تعویذ لیا تو کہاں سے؟ تو اس نے انہی عاملین کا نام لیا کہ وہاں بڑی دیر سے میری باری آئی اور اوپر بالا خانہ میں لیجا کر حساب کتاب کر کے بتایا' کہ کسی نے تعویذ ڈالے ہیں اور علاج کے طور پر تعویذ بھی دیا' کہ ایسے وقت جب کوئی دیکھتا

نہ ہو اور ایسی جگہ جہاں کسی کا پاؤں نہ پڑا ہو' اس جگہ بیٹھ کر اس تعویذ پر پیشاب کرنا۔ (اب ظاہر ہے کہ ایسا وقت رات کو ہی ہو سکتا ہے) تو میں رات کو اور اکیلی باہر جنگل میں گئی اور ایک جھاڑی میں گھسی اور وہاں یہ "عمل" پورا کیا۔ ذرا تصور فرمائیے! رات کو جنگل میں اکیلی عورت کا جانا اور جھاڑی میں گھسنا کتنا خوفناک عمل ہے۔ غالباً" عامل صاحب نے اس لئے بتایا کہ یہ اس پر عمل تو کر نہیں سکے گی لہٰذا الزام ہم پر نہیں بلکہ اپنی قسمت پر ہی دھرے گی۔ بندہ نے پوچھا پھر کوئی افاقہ ہوا؟ کہا نہیں! پوچھا پھر دوبارہ گئیں؟ کہا ہاں! کہا پھر کیا ہوا؟ کہا دوبارہ حساب کتاب کرنے کے بعد فرمانے لگے' تعویذ نہیں باہر کی کسر (یعنی جنات) ہے! پھر نیا تعویذ دیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

آئندہ صفحات میں عبدالرشید صاحب کے ٹانگ درد (عرق النساء' لنگڑی کے درد) کے سلسلہ میں ایک عامل کا ذکر ہے جو فاسفورس سے آگ لگا کر جنات کی کارستانی بتاتا تھا' اور صوفی محمد حسین کے ذکر میں ایک عامل' صابن سے کاغذ پر تحریری خوفناک شکل بناتا جو بالکل نظر نہ آتی تھی' پھر مریضہ کے بدن پر وہ کاغذ پھیرتا اور کہتا کہ یہ کاغذ خود بتائے گا کہ اصل میں تکلیف کا سبب کیا ہے؟ پھر پانی کے پیالہ میں وہ کاغذ ڈبوتا اور وہ خوفناک شکل پوری طرح نمودار ہو جاتی اور اس طرح وہ حضرت عامل صاحب سادہ لوح لوگوں کے ایمان اور مال پر ڈاکہ ڈالتے۔

طلائی آویزہ

مضافاتی بستی سے ایک معمر عورت ہمارے ہاں دودھ دینے آتی تھی' اہلیہ نے راقم سے کہا کہ یہ بڑی پریشان ہے' پتہ کیا تو بتایا کہ میری ایک شریک رشتہ دار عورت کا طلائی آویزہ گم ہو گیا تھا' وہ دیہاتی عورت قضائے حاجت اور پٹھے وغیرہ لینے کے لئے باہر کھیتوں میں جاتی ہے اور بہت سے دوسرے گھروں میں بھی' اور ہم نے سب جگہ بہت تلاش کیا مگر نہ ملا- پھر وہ کسی کے مشورہ سے ایک میانجی کے پاس گئے اسنے کہا' کہ میں "حاضرات" کا عمل کروں گا کوئی نابالغ لڑکا لے آؤ! وہ ہمارے ہی ایک عزیز لڑکے کو لے آئے- اس نے اس کے انگوٹھے پر سیاہی لگائی اور کچھ پڑھتے ہوئے دم کرنا شروع کیا' ساتھ ساتھ عامل صاحب پوچھتے جاتے کہ کیا جھاڑو دینے والے آگئے؟ بچہ کہتا ہاں! پھر پوچھا دری بچھانے والے آگئے کہا ہاں' پھر پوچھا تخت رکھ دیا گیا؟ کہا ہاں! آخر میں پوچھا' کیا جنات کا بادشاہ آگیا؟ کہا ہاں! کہا اس کو کہہ کہ وہ چور کو حاضر کرے! پھر اچانک بچہ کہنے لگا یہ تو میری چچی------ ہے (یعنی میرا نام لے دیا) تب فوراً ہی اس کے خاوند نے جو عامل کے پاس آکر یہ عمل کروا رہا تھا' بچے کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا چل! لڑکے سے ابھی "اثر" دور نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ کانپنے لگا' اس پر عامل نے کہا ذرا صبر کر "اثر" دور ہو لینے دے' پھر وہ گھر آئے اور مجھ سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا کہ تو ہی چور ہے' ہمارا آویزہ دے- ادھر میرے فرشتوں کو بھی اس آویزے کی خبر نہیں- لہٰذا میں نے قسمیں کھائیں مگر انہوں نے یقین نہیں کیا' اور وہ تھانے جانے کی دھمکی دیتے ہیں- اب میں کیا کروں؟ بندہ نے کہا اگر واقعی تھانے جائیں گے تو وہاں "پولیس کا خصوصی چھتر" دودھ کا دودھ پانی کا پانی علیحدہ کر دے گا' اور عامل صاحب کی "کرامات" کا پول بھی کھل جائے گا' (کہ عامل صاحب تھانہ والوں کی چوروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کے کیسوں میں کیوں حاضرات کے ذریعہ رہنمائی نہیں کرتے؟) اور اگر محض دھمکی ہے تو آپ لوگ یوں کرو' کہ عامل صاحب کے پاس پہلے آدمیوں کو دوبارہ بھیجو اور کہو کہ جناب' آپ کا شکریہ! چور تو آپ نے بتا دیا' مگر اب دوبارہ پھر اسی حاضرات کے

ذریعہ ہمیں یہ بتا دیں' کہ چوری کا مال کہاں موجود ہے' تاکہ ہم اسے اپنے قبضہ میں لے لیں' وہ بولی' ہم لوگ ان کے پاس گئے تھے۔ تو عامل صاحب فرمانے لگے کہ "جاؤ بھاگ جاؤ" میرا دماغ نہ کھاؤ"

تحقیق :۔ فہم سلیم اگر موجود ہو تو اس مکر شیطانی کی ساری حقیقت بحمد اللہ فوری طور پر معلوم ہو جاتی ہے' کہ چوری کا مال تو نہ ملا البتہ کئی گھروں میں فتنہ و فساد ضرور شروع ہو گیا۔ اور اس سارے قضیہ اور تگ و دو میں یہی کچھ حاصل ہوا' یعنی مالی نقصان' ایمانی نقصان اور ذہنی پریشانی (جانی نقصان۔) سابقہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ کہانت اور اس کے مصدقین غلط موقف پر جمے ہوئے ہیں۔ کاہن' المنجد (اردو) میں اسرار الٰہی اور غیبی باتوں کے علم کے مدعی کو' اور لغات فیروزی میں کاہن' جنوں سے دریافت کر کے غیبی خبریں بتانے والا لکھا ہے' اور یہ حاضرات کا عمل یا تو تلبیس ابلیس یا نفسیاتی عمل کی وجہ سے ہوتا ہے جسکا صداقت اور حقائق سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ دنیوی لحاظ سے دیکھیں تو ایک ہی کیس کے متعلق ایسے عاملین علیحدہ علیحدہ مختلف وجوہات و اسباب بیان کریں گے۔ کوئی کسی کو چور بتائے گا کوئی کسی اور کو' اور اگر کوئی مریض آجائے تو کوئی عامل اسے تعویذ ڈالے جانا' کوئی سحر جادو' کوئی دیگر عامل آسیب کی کارستانی بتائے گا۔ عقلمند لوگوں کے لئے تو یہی دلیل ایسے لوگوں کے پھندوں سے بچانے کے لئے کافی ہے' خاص طور پر مریضوں کے لئے۔ کہ انہیں یہ بھی سوچنا چاہیے' ان کے سامنے جو کیس ہے اسکے تین مرحلے ہیں۔ تشخیص' تجویز اور شفاء! ظاہر ہے کہ جب پہلی چیز (تشخیص) ہی غلط ہے' تو تجویز بھی لازما" غلط ہو گی اور شفاء تو ان کے ہاتھ میں کسی درجہ میں بھی نہیں۔ کیونکہ نیک نیتی کے ساتھ اگر معالج اگلا کام بھی اصول کے مطابق اور صحیح کرے' تو شاید اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد اس کے شامل حال ہو' مگر یہاں تو نیک نیتی کا شائبہ تک نہیں ہوتا' کہ لوگوں کو بیوقوف بنانا اور ان کا مالی و جانی ناجائز استحصال کرنا ہی مقصد ہوتا ہے۔ رہا تیسرا مرحلہ استحصال ایمانی تو وہ خود ہی نتیجہ" وقوع پذیر ہو جاتا ہے خواہ اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ دینی نقطہ نظر سے تو اس پر جتنی شدید وعید آئی ہے وہ آپ حدیث مبارک کے فقد کفر کے الفاظ سے پھر مستحضر فرمالیں۔ نیز ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ غیب سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں- لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ○ ' زمین اور آسمان کی پوشیدہ چیزوں (غیب) کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (اس میں ماضی' حال اور مستقبل سب آگئے) اور جب غیر اللہ کو کسی چیز کا علم ہی نہیں تو اس میں تصرف کا کیا سوال؟ اور اس سے کسی کام بنوانے یا بگاڑنے کی امید و درخواست کی کیا تک؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عامل جائے وقوعہ کے جنات سے اپنے جنات کے ذریعہ اصل مجرمین کا پتہ چلا لیتے ہیں تو آیئے' ہم اس بارے میں بھی اللہ کریم سے رہنمائی لیتے ہیں- حضرت سلیمان علیہ اسلام کے جنات سے مسجد اقصی کی تعمیر کے سلسلہ میں' کہ ابھی تعمیر نامکمل تھی' کہ حضرت کی وفات کا وقت آگیا' تو آپ نے تسلسل و تکمیل کار کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک عصاء چوبی کا سہارا لیا' اور حضرت عزرائیلؑ نے آپ کی روح قبض کر لی- ایک سال تک آپ فوت شدہ اسی حالت نگرانی میں موجود رہے' حتیٰ کہ مسجد اقصی کی تکمیل ہو گئی- اور ادھر مشیئت الٰہی سے دیمک نے عین اسی وقت پورا عصا کھا کر کھوکھلا کر دیا' اور وہ عصا آپ کے بوجھ سے ٹوٹ گیا اور آپ گر پڑے) ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ فلما خر تبینت الجن ان لوکا نوا یعلمون الغیب مالبثوا فی العذاب المھین ○ (سورہ سبا ۳۴) جنات کو حضرت سلیمان علیہ اسلام کی وفات کا تب پتہ چلا جب دیمک نے ان کا عصا کھا لیا اور آپ گر پڑے' تب جنوں نے خوب جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (یہ ایک سال کے ذلیل کرنے والے) عذاب میں تو نہ پھنسے رہتے- اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب جو کہہ رہی ہے کہ چند گز دور تک بھی انہیں اس غیب کا علم نہ ہو سکا' مگر ہم لوگ اسی کتاب پر ایمان لانے والے پکے مسلمان' عملاً یہی ثابت کرتے ہیں' کہ جنات تو ہزاروں میل دور کی خبریں بھی ہمیں بتا دیتے ہیں- بلکہ اس سے بھی بہت آگے پہنچ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان سے زیادہ ایسی خرافات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو "حل المشکلات" سمجھتے ہیں- بل کانوا یعبدون الجن اکثر ھم بھم مومنون - بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں اور اکثر تو انہیں پر ایمان رکھتے ہیں (سورہ سبا ۳۴ آیت ۴۱) حضرت عائشہ ؓ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ان غیبی باتیں بتانے والے کاہنوں وغیرہ کے متعلق بیان فرماتی ہیں- کہ انھم لیسوا بشیئی یعنی وہ کچھ بھی نہیں' لہٰذا اب

ہمارے لیے صحیح طریق کار یہی ہے کہ ہم اپنے مشاہدہ' دانشوروں' احبارو رھبان اور مروجہ توھمات سے جو خلاف شریعت ہوں' کٹ کر صرف اللہ تعالٰی کے "حنیف و مسلم" بندے بنجائیں اور اللہ تعالی اور اس کے سچے رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال پر ایسا یقین کرنے والے بن جائیں' جس کا اشارہ صریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ملتا ہے' کہ جس کا مفہوم ہے' کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! اگر چاہو تو جنت کا یہیں مشاہدہ کرادوں؟ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "حضور! آپ کے (ان غیبی امور کے متعلق بیان شدہ) ارشادات پر الحمد للہ ایسا یقین ہے' کہ دیکھ لینے کے بعد اس میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہ ہو گا" (او کما قال) اور یہ اسی یقین والی زندگی کی برکت تھی کہ ان تھوڑے سے بے مایہ صحابہ کرام نے تقریباً" تیس سال ہی میں آدھی دنیا پر دین حق کو غالب کر دیا' اور ہم آج اسی یقین والی زندگی سے محروم اور انہی' اغلال و اصر کے غلام (جنہیں کاٹنے کی ایک صفت اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کی بیان فرمائی) ساری دنیا میں ساٹھ کے قریب مملکتوں اور بے پناہ مادی وسائل سے مالا مال' اور ایک ارب سے زائد تعداد میں ہوتے ہوئے بھی مظلوم و مقہور ہیں' جن کی فریاد کی بھی کہیں شنوائی نہیں۔

قربانی کا بکرا

یہ محاوراتی قربانی کا بکرا نہیں بلکہ سچ مچ ایک قربانی کے بکرے کا واقعہ ہے' برادرم علی محمد درزی کی زبانی سنئے! میں دیہات کا رہنے والا ہوں' عید قرباں قریب تھی' لوگوں نے قربانی کے لئے بڑے شوق سے قربانی کے جانور پالے تھے۔ میں اسی علاقہ میں کہیں سفر پر جا رہا تھا کہ سڑک کے پل یا چوک پر ایک مجمع دیکھا' لوگ ہمہ تن دو افراد کی طرف متوجہ تھے۔ ایک صاحب عامل دوسرا معمول' (جو بچہ (لڑکا) تھا اور جس پر "حاضرات " کا "عمل" ہو رہا تھا۔) پتہ چلا کہ ایک آدمی کا قربانی کا بکرا گم ہو گیا ہے اس کی بازیابی کے لئے یہ عمل ہو رہا ہے۔ میں بھی مجمع میں شامل ہو گیا' لڑکا کہہ رہا تھا (بعد اولین مراحل) "کہ شاہ جنات نے مجھے دکھایا ہے کہ دو آدمی بکرے کو لے کر کھیتوں میں گھس گئے اور چلتے رہے' اب وہ ذرا کنارے پر ایک درخت کے نیچے پہنچ گئے جو ذرا اوٹ میں ہے اور اب انہوں نے بکرے کو ذبح کر دیا اور اس کی کھال اتار رہے ہیں' اتنے میں ایک تیسرا آدمی آگیا' اس کی ان دونوں سے کوئی باتیں ہوئیں جو سنی نہیں جاتیں' اشارہ سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ جھگڑا سا ہوا' پھر پہلے دو آدمیوں نے گوشت کے تین حصے کئے اور بانٹ لئے' اور اب وہ تین مختلف راستوں سے روانہ ہو گئے" اب آپ خود اندازہ فرمالیں کہ یہ ساری کاروائی ایسی چشم دید رپورٹ معلوم ہوتی ہے' جس میں ذرہ بھر بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں اور حاضرین اور بکرے کے مالک سب نے یہ یقین کر لیا ہو گا کہ بس اب قصہ ہی تمام ہوا کہ بکرا تو چوروں کے پیٹ میں چلا گیا۔ ابھی لوگ اسی بارہ میں کھسر پھسر ہی کر رہے تھے کہ ایک آدمی جو اس حاضرات کے عمل کے آخری مرحلہ کے وقت آیا تھا اس نے مالک سے پوچھا' تمہارا بکرا کیسا تھا؟ اس نے تفصیل بتائی' جب اس شخص کو تسلی ہو گئی' تو وہ اس سے کہنے لگا کہ یہ تم لوگوں نے کیا "بکواس" شروع کر رکھی تھی کہ بکرا پیٹ میں چلا گیا' ابھی میرے ساتھ چل' بکرا میرے گھر بندھا ہوا ہے' آوارہ پھر رہا تھا' میں نے اسے اپنے جانوروں کے ساتھ باندھ دیا کہ چلا نہ جائے نہیں اور اب میں اس کے مالک کی تلاش میں تھا۔ کہ یہ تماشہ

نظر آیا۔ چنانچہ مالک نے جا کر بکرا وصول کر لیا۔

تحقیق: ۔ "معمول" کی ایسی "غیبی باتیں" دو تین وجوہات کی بنا پر ہوتی ہیں۔ زیادہ تر عامل کی شخصیت ظاہری اور اس کی لچھے دار موثر باتوں' کچھ اس کی قوت متخیلہ کا اثر' کچھ شیطانی چکر۔ اور یہ بات نوٹ فرمایئے کہ ایسے عامل نو عمر لڑکے کو معمول بناتے ہیں۔ (گاہے معاشرہ اجازت دے تو عورت کو بھی) کیوں؟ اس لئے کہ یہ دونوں ناقص العقل اور ضعیف الاعصاب ہوتے ہیں۔ جو عامل کی وجاہت اور شخصیت سے فوری طور پر مرعوب و متاثر ہو جاتے ہیں۔ بالغ اور ذہین و فہیم صحیح العقیدہ لوگوں پر ان کا کما حقہ' اثر نہیں ہوتا لہٰذا انہیں یہ معمول نہیں بناتے۔ راقم کو خود اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ ایک محترم معزز شخصیت نے جبکہ راقم نو عمر تھا اس پر یہی حاضرات کا عمل کیا تھا۔ کہ عامل پوچھتے جاتے کہ کیا جھاڑو دینے والے آگئے؟ جواب ہاں! پھر پوچھا چھڑکاؤ کرنے والے وغیرہ اخیر تک۔ کچھ تو یہ سارا قصہ پہلے ہی بندہ نے سنا ہوا تھا۔ کہ ایسے ایسے ہوتا ہے وہی ذہن میں تھا۔ کچھ عامل صاحب کی شخصیت کا اثر تھا کہ جیسے کہتے وہی نظر آتا جاتا۔ (بندے کے انگوٹھے پر سیاہی لگا کر تاکید کی تھی کہ اپنی نگاہ جمائے رکھنا پلک بھی نہیں جھپکنی) راقم ہاں ہاں کرتا رہا' اخیر میں جب انہوں نے کہا کہ شاہ جنات کو کہو' کہ چور کو سامنے آنے کا حکم دے۔ تو یہ بھی بندے نے کہہ دیا۔ عامل صاحب نے پھر پوچھا کہ کیا چور سامنے آگیا؟ کہا نہیں! اور ساتھ ہی اپنا سر دائیں بائیں ہلا دیا' اس طرح نگاہ انگوٹھے سے ہٹ گئی اور سارے منظر غائب ہو گئے اور اب صرف اپنا انگوٹھا ہی تھا جو سامنے نظر آرہا تھا دوسرا واقعہ بھی اسی زمانہ کا ہے کہ پٹیالہ کے ایک پنڈت جوان العمر' کلین شیو سوامی صاحب جو اس زمانہ کے ایم اے تھے' جب بی اے بھی خال خال ہوتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ بطور تفاخر یہ ڈگری بھی ضرور لکھتے' جیسا کہ ملک نصر اللہ خان عزیز بی اے' مولانا ظفر علی خان بی اے (ہر چند کہ ان صاحبان کو جو بلند مقام حاصل ہوا وہ اس ڈگری سے مستغنی تھا مگر غالباً" اپنے ابتدائی دور میں خود کو بی اے لکھنا شروع کیا تو وہ ساتھ ساتھ چلتا ہی رہا) یہ سوامی طبیہ کالج کے بھی فاضل تھے۔ بہت ذہین و فطین مگر دہریہ تھے۔ کسی ھندو لڑکے کے علاج کے لئے قصبہ میں آئے' اور چونکہ اس علاقہ اور قصبہ میں بندہ کے بزرگ محترم مولانا حکیم محمد عبداللہ صاحب

(مرحوم و مغفور) کے سوا کوئی ھستی اتنی اہل علم نہ تھی۔ لہٰذا یہیں ان کے ادارہ کتب خانہ و دواخانہ میں برا جمان ہو گئے محترم حکیم صاحب کی لائبریری بڑی وسیع تھی۔ اس میں دوسرے علوم کے علاوہ مسمریزم اور ہپنا ٹزم وغیرہ کے موضوع پر کتابوں میں سے ایک کتاب تھی (غالباً" غیر ملکی زبان سے ترجمہ) اس میں شاید کل ۲۱ اسباق تھے اور ابتداء میں ہی واضح طور پر موٹے حروف میں یہ ہدایت درج تھی کہ اس کتاب کو محض مطالعہ کے لئے ہرگز نہ پڑھا جائے' بلکہ جنہوں نے یہ علم سیکھنا ہے' وہ آج صرف پہلا سبق پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس میں کامیابی کے بعد دوسرا سبق اسی طرح اخیر تک۔ ان سوامی صاحب نے پہلے سبق کی ابتداء راقم الحروف پر ہی کی' کیونکہ وہاں کا سب سے کم عمر بلکہ نو عمر اور مستقل فرد بندہ ہی تھا۔ حکیم صاحب بھی سوامی صاحب کی زبردست تشخیص کے تو مداح تھے' مگر فرماتے کہ "دست شفاء بالکل نہیں" (اس لیے کہ وہ شافی مطلق کے وجود کو ہی تسلیم نہ کرتے تھے) اور بندہ پر تو ان کی ایم اے کی ڈگری کا بھی رعب تھا' بہر حال دوسرے احباب کی موجودگی میں' بعد مغرب ادارہ کے بالاخانہ پر راقم کی ایک ٹانگ کی شلوار گھٹنہ تک اٹھوا کر بندہ کو اپنے آگے کھڑا کر کے خود پیچھے بیٹھ جاتے اور گھٹنہ (کے اندر مڑنے کی جگہ پر بار بار ہاتھ پھیرتے اور کہتے "دیکھو! میں نے اپنے عمل کے زور سے تمہاری یہ ٹانگ اکڑا دی ہے۔ اور اب تم چلو گے تو سہی' مگر اس ٹانگ کو نہیں موڑ سکو گے۔" اچھی خاصی تکرار کے بعد جب انہیں (شاید) یقین ہو جاتا' تو زور سے کہتے "اچھا اب چلو!! اور دیکھو وہی ہوا جو میں نے کہا ہے کہ تم چل رہے ہو مگر اپنی بائیں ٹانگ نہیں موڑ سکتے" چنانچہ یہی ہوتا' کہ بندہ ان کی حکم عدولی کی ہمت ہی نہ پاتا۔ دو تین روز کے عمل کے بعد دوسرا سبق شروع ہوا' چار پائیوں پر احباب جمع تھے اور حضرت مولانا حکیم صاحب بھی تشریف فرما تھے' کہ سوامی صاحب نے بندہ کو سامنے بٹھالیا اور کہا اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کرو! وہ کر لیں' تو پھر بار بار وہ وہی فقرہ کہتے رہے' کہ میں نے اپنے عمل کے زور سے تمہاری انگلیوں کو باندھ دیا ہے' اب تم خواہ کتنا ہی زور لگاؤ ان کو جدا نہیں کر سکو گے! کافی مرتبہ کہنے کے بعد پھر اسی طرح زور اور رعب سے کہا۔ اچھا زور لگاؤ اور انہیں کھولنے کی کوشش کرو' تم ہرگز انہیں نہیں کھول سکو گے! چنانچہ حسب

سابق ایسا ہی ہوا' کہ بندہ نے کھولنے کے لئے انہیں کھینچا مگر اسی مرعوبیت کے احساس نے باز رکھا۔ سوامی صاحب خوش ہوئے کہ دوسرا سبق بھی کامیابی سے پورا ہو گیا۔ انہیں پھر غالباً" یہ خیال آیا کہ دوسرے سبق کو زیادہ پختہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ پھر انہوں نے بندہ کی انگلیاں باہم پیوست کروا دیں اور سوامی صاحب نے وہی تکرار شروع کر دی' کہ تم ہرگز اپنی انگلیوں کو جدا نہیں کر سکو گے اور اخیر میں جب تحکمانہ یہ کہا کہ کھولو! مگر نہیں کھول' سکو گے' ہرگز نہیں کھول سکو گے" تو عین اسی وقت بندہ کے دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ "یہ غلط بات ہے کہ اس (سوامی صاحب) نے میری انگلیاں اپنے اس علم سے باندھ رکھی ہیں' بلکہ بات تو صرف اتنی ہے کہ بندہ کی انگلیوں میں گوشت کم ہے اور اس لیے وہ پتلی ہیں' مگر ان انگلیوں کی (ہڈیوں کی) گانٹھیں بڑی اور موٹی ہیں' اسی وجہ سے وہ انگلیوں کو جو (اب) کھولتے وقت (تھوڑی سی دیر کے لئے) پھنس جاتی ہیں' نہیں کھول پاتا۔ ورنہ یہ کونسا مشکل مسئلہ ہے ذرا سا زور لگاؤ اور کھولدو" چنانچہ جب سوامی صاحب نے رعبدار آواز سے کہا "کھول کر تو دیکھو' تم ہرگز نہیں کھول سکو گے" اسی وقت بندہ کا مذکورہ خیال تکمیل پذیر ہو چکا تھا' تب فوراً بندہ نے دونوں ہاتھ کھول دئے۔ سوامی صاحب حیران ہو کر بولے۔ "یہ کیا ہوا؟" تب بندہ نے اپنا مذکورہ خیال ظاہر کر دیا جسے سن کر حضرت مولانا اور دوسرے سب حاضرین سوامی صاحب سمیت ھنس پڑے' اور حکیم صاحب نے فرمایا "لو جی سوامی صاحب! آپ کا علم تو ناکام ہو گیا" اس کے بعد غالباً" اس علم یا عمل کے "احیاء" کا وہاں کسی کو خیال بھی نہیں آیا——— دیکھئے! حقیقتاً" یہاں بظاہر نظر آنے والی کوئی بھی متعلقہ چیز (حرکت) حقیقی نہیں تھی۔ محض عامل اور معمول کی نفسیات کا معاملہ تھا' جو بظاہر خلاف حقیقت اور خلاف معمول تھا۔ فرعون کے ساحرین کی طرح پہلے تو حاضرین ۔(بالخصوص فرد واحد یعنی معمول) کے دماغ کو' اپنی بات کی مسلسل تکرار سے متاثر کیا' کہ وہ ساحرین کی بات کو سچ سمجھنے لگے (کہ رسیاں اور لاٹھیاں حرکت کر رہی ہیں) یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی ' یہاں بھی معمول کے دماغ کو بالخصوص اور دیگر حاضرین کو بالعموم متاثر کیا' اور وہاں بھی دوسرے الفاظ قرآنی کے مطابق سحر وا اعین الناس (لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا) جس کو آج کل نظربندی (مسمریزم یا

ہپناٹزم وغیرہ) کہتے ہیں' یہاں بھی دیکھنے والوں پر یہی اثر حاوی کر دیا کہ خلاف حقیقت ٹانگ اکڑ جانا اور انگلیاں بندھ جانا سب کو نظر آیا' مگر اس غلط علم و عمل کو محض ایک دینوی خیال نے ہی بحمد اللہ باطل کر دیا' اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر صحیح و مکمل ایمان اور توکل ہو' تو ایسے کوئی مادی یا شیطانی حربے انشا اللہ کارگر نہیں ہو سکتے انه لیس له سلطن علی الذین امنوا و علی ربهم یتوکلون (شیطان رجیم کا قابو اپنے رب پر ایمان اور توکل رکھنے والوں پر نہیں چلتا)

عبدالرشید کی ٹانگ کا درد

کئی سال کی بات ہے' بندہ کے ایک عزیز عبدالرشید نے جو بوریوالہ کے مضافات میں رہتے ہیں اور اچھے خاصے تنو مند جوان آدمی ہیں' اپنا واقعہ سنایا کہ میری ایک ٹانگ میں رینگھن کا درد شروع ہو گیا (جسے وجع الورک' عرق النساء لنگری کا درد اور ڈاکٹر شائی ٹیکا بھی کہتے ہیں۔) گولیاں' انجکشن' مالشیں' پتے باندھنا وغیرہ کوئی علاج کامیاب نہ ہوا حتی کہ میں نے فصد بھی کھلوائی مگر آرام نہ ہوا۔ اچانک ایک دن ہمارے موضع میں ایک منحنی سا شخص' چھوٹی سی داڑھی' سر پر لمبے لمبے بال' تسبیح اور صندوقچی لئے وارد ہوا اور مشہور کر دیا کہ میں سیداور عامل ہوں۔ سرگودھا سے آیا ہوں۔ شاید اپنے کسی معتقد کے گھر آیا ہو۔ بہر حال مرد کم اور عورتیں زیادہ' اپنی اپنی مشکلات کے دور کروانے کے لئے حاضر خدمت ہونے لگیں۔ جب کچھ زیادہ ہی چرچا ہونے لگا تو میں نے خیال کیا کہ اسی کے پاس جا کر معلوم کروں' شاید مجھے مرض کی بجائے کوئی اور ہی چکر نہ ہو۔ میں نے یہ تو پہلے ہی سن رکھا تھا' کہ ہر مصیبت زدہ کو وہ "تعویذ" "جادو" اور "سایہ" (جنات) کی کارستانی ہی بتاتے ہیں' اور اپنی خدمت وہ (غالباً" نقدی کے علاوہ) کپڑا' گوشت وغیرہ کی صورت میں کرواتے ہیں (گوشت غالباً" اپنے ساتھ میزبانوں کی ہانڈی کا انتظام کرنے کے لئے شامل فرماتے تھے) خیر میں وہاں پہنچا اور اپنا قصہ بیان کیا تو فرمانے لگے تنہائی میں بتاؤں گا۔ کچھ دیر کے بعد لوگ چلے گئے تو میں نے پھر یاد دہانی کروائی' فرمایا تمہارے ہاں کوئی ایسی جگہ (مکان وغیرہ) ہے جہاں رہائش نہ ہو' میں نے کہا ہاں بکریوں کا باڑہ ہے۔ فرمایا ٹھیک ہے وہاں چلو اور ہاں تھوڑی سی روئی ساتھ لے لینا! میں اندر روئی لینے چلا گیا اور پھر ہم دونوں باڑہ میں پہنچ گئے۔ میں نے کنڈا کھولا اندر گئے۔ تو پوچھا کوئی چارپائی بھی یہاں موجود ہے؟ میں نے کہا ہاں! کہا نکالو! میں نے چارپائی نکال کر صحن میں بچھا دی۔ پھر مجھے حکم دیا کہ اسپرلیٹ جاؤ اور آنکھیں بند کر لو! (میرا نام ولدیت وغیرہ تو پہلے ہی پوچھ رکھا تھا) میں ابھی کلام پڑھ کر تم پر دم کروں گا اور جو خرابی اندر ہو گی وہ باہر آجائے گی۔ یہ کہہ کر وہ روئی میرے سینے پر رکھ

دی۔ مجھے کچھ شبہ سا ہوا کہ آنکھیں بند کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر جو کچھ ہو گا وہ مجھے انہوں نے دکھانا ہی ہے یا پھر شاید اپنے کوئی چکر نہ چلانا ہو' لہٰذا میں نے لیٹ کر آنکھیں بظاہر تو بند کر لیں مگر ایک آنکھ کے کونے سے دیکھتا رہا۔ خیر شاہ صاحب نے کچھ منہ ہی منہ میں پڑھنا شروع کر دیا' اور چارپائی کے گرد چکر لگانے بھی شروع کر دیئے' یوں تو وہ کھڑے ہو کر پڑھتے اور چکر لگاتے تھے' مگر یہ بات میں نے نوٹ کی کہ میرے سینہ کے برابر آکر جھکے' اور میرے سینہ پر اس جگہ پھونک سی ماری جہاں روئی رکھی ہوئی تھی۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک چھوٹی سی ڈلی ان کے منہ سے نکل کر پھونک کے ساتھ ہی روئی پر گری۔ میں نے خیال کیا کہ روٹی یا گوشت کا کوئی ریزہ دانتوں میں رہ گیا ہو گا وہ گرا ہے' مگر جب میں نے یہ دیکھا کہ چند منٹ بعد اس روئی میں سے دھواں نکلنے لگا ہے' تو فوراً" مجھے اس عامل کی ساری سکیم سمجھ میں آگئی' کہ جب میں روئی لینے اندر مکان میں گیا تھا' اس وقت اس نے اپنی صندوقچی میں سے ڈبیہ میں سے فاسفورس کی ڈلی توڑ کر منہ میں رکھ لی' اور اب یہاں اکیلے معمول بنا کر مجھے الو بنانا چاہتا ہے۔ دو تین منٹ بعد جب دھواں ذرا زیادہ ہی نکلنے لگا' تو شاہ صاحب نے بلند آواز میں مجھے کہا "جوان! آنکھیں کھول کر دیکھو' کتنا زبردست کالا جادو تم پر کیا گیا ہے! تمہاری قسمت اچھی تھی کہ میں عین وقت پر پہنچ گیا' ورنہ تمہارا "ککھ" بھی نہ رہتا۔ دیکھو! تمہارے سینہ میں سے کالا علم نکل رہا ہے" مجھے یہ فراڈ دیکھ کر غصہ آیا اور میں نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ تو تھا ہی سرکنڈوں کا گھوڑا پھر مجرم ضمیر' جب میں نے اسے کہا' کہ ابھی صندوقچی کھول اور وہ پانی والی ڈبیہ میں جو چیز ہے وہ مجھ نکال کر دکھا! تو تو مجھے مراثی معلوم ہوتا ہے' کیا ایسے فراڈ سید کیا کرتے ہیں؟ یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا' جوان' خدا کی قسم تجھے اور کچھ بھی نہیں۔ "رینگھن وا" ہے اسکا دوائی سے علاج کروا لو' اور اللہ کا واسطہ' بولنا مت' اور میری روزی میں لات نہ مارنا' آپ کی بڑی ہی مہربانی ہوگی۔

اسی بستی میں اس نے ایک مریضہ کو جوٹی بی کی آخری سٹیج پر تھی' حسب معمول "تعویذ ڈالے" بتلائے' عورتوں نے تو حسب معمول اسے تسلیم کر لیا' مگر مردوں میں سے کسی کو شک ہو گیا' تو شاہ صاحب نے فرمایا میں تعویذ نکال کر دکھلا دونگا۔ چنانچہ

مریضہ کا نام والدہ کا نام وغیرہ پوچھ کر مزید "حساب کتاب" کر کے فرمایا صحن کی یہ جگہ دو فٹ کھودو! وہ کھودی تو کچھ نہ نکلا تو کہا ایک فٹ اور کھودو۔ مگر کچھ نہ نکلا تو پھر حساب کیا' اور ایک ہاتھ ھٹ کر پھر کھدوائی کروائی وہاں سے بھی کچھ نہ ملا' تو فرمایا بڑی چھاننی لاؤ! وہ لینے گئے' تو انھوں نے پرانی سی لوہے کی پتریوں پر ایک پرانا سا کاغذ لپیٹا ہوا' جس پر مریضہ کا نام اور اس کی والدہ کا نام اور کچھ ھندسے وغیرہ اور اوٹ پٹانگ شکلیں اور الفاظ لکھ کر' پرانے سے سرخ رنگ کے دھاگے سے باندھ کر سامان پہلے ہی تیار کر رکھا تھا' اس گڑھے میں بڑی چابکدستی سے دبا دیا' اور پھر چھاننا آگیا اور یہ "تعویذات" بھی برآمد ہو گئے' اور عامل صاحب کی چاندی بن گئی۔ پرانی پتریاں' پرانا کاغذ اور اسی گھر کی مٹی' عرصہ سے ڈالے ہوئے تعویذوں کا ثبوت بن گئی۔ نفسیاتی طور پر مریضہ کو اس خیال سے کہ میری تکلیف کی اصل وجہ تو دور ہو گئی' ہفتہ عشرہ ذرا افاقہ محسوس ہوا' اور وہ چائے پینے لگی' شاید کوئی انڈہ وغیرہ بھی کھا لیتی تھی' مگر دسویں دن اچانک ہی فوت ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب تو پہلے ہی رفو چکر ہو چکے تھے۔

تعویذی بلاء

"طلائی آویزے" والے عامل صاحب کے متعلق محترمی جناب حاجی تنویر احمد صاحب ریٹائرڈ مدرس نے بڑا دلچسپ لطیفہ جو حقیقتاً" کثیفہ ہے' سنایا۔ آپ بھی انہی کی زبانی سنئے "آپ کو معلوم ہے ہمارا پہلا گھر ملحقہ دیہات میں ہے۔ میری اہلیہ کو گنٹھیا (وجع المفاصل) کی تکلیف تھی بہت علاج کرائے مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئی۔ مختلف اور مسلسل عورتوں کے اصرار سے انہوں نے مجھے بھی مجبور کر دیا' کہ کسی عامل کو بلوا کر معلوم کروں کہ فائدہ کیوں نہیں ہوتا؟ شاید اسی لئے کہ یہ مرض کی بجائے کچھ "اور" ہی معاملہ ہے۔ خیر میں انہی صاحب کے پاس گیا' تو وہ میرے ساتھ میرے قریبی مکان (در واقع شہر) تشریف لائے' بیٹھک میں بیٹھے' مریضہ اور اس کی والدہ کا نام وغیرہ پوچھا اور کچھ لکیریں وغیرہ کھینچتے اور لکھتے اور حساب کرتے رہے' خاصی دیر کے بعد نتیجہ نکالا اور فرمایا "تعویذ ڈالے گئے ہیں" اور "اس روشندان" سے وہ تعویذ اندر آئے ہیں" میں نے کہا "حضرت! یہ مکان تو بعد میں بنا ہے اور مریضہ کی تکلیف پہلے سے ہے" اس پر بجائے شرمندہ ہونے کے ڈھٹائی سے فرماتے ہیں " آپ کے نزدیک مرض وغیرہ ہو گا۔ مگر میرا حساب تو یہی "تعویذ" ہی بتاتا ہے" لاؤ میری فیس پانچ روپے!" چنانچہ وہ اپنی فیس لے کر رفو چکر ہو گئے (یہ تقریباً" ۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے جب پانچ روپے آجکل کے پچاس روپے سے زیادہ وقعت رکھتے تھے) کیوں صاحب! یہ لطیفہ ہے یا کثیفہ؟

جنات سے جنگ

۱۹۷۵ء کے لگ بھگ کی بات ہے' راقم عصر کی اذان کے بعد مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوا۔ وہاں برآمدہ میں حضرت پیر صاحب دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے' یہ بہت دور کے علاقہ کے ہیں' اپنے مریدین یا معتقدین کے پاس گاہے گاہے تشریف لایا کرتے ہیں' فی الحقیقت بہت بزرگ' صالح اور متقی خاندان کے فرد ہیں۔ بندہ کی ان سے کچھ واقفیت خاندانی تو تھی مگر ان کی ایک اضافی صفت کا علم نہ تھا' السلام علیکم کے بعد بندہ بیٹھ گیا اور محسوس کیا کہ جناب کچھ پریشان ہیں۔ مگر بندہ خاموش رہا' تو خود ہی گویا ہوئے کہ محلہ------ میں فلاں صاحب کی لڑکی (جوان العمر) کے جنات نکال کر آیا ہوں' اور پھر خود ہی اس کی تفصیل بھی بیان فرمانے لگے' کہ یہ عبارت کاغذ پر لکھ کر اس کی بتی بنا کر اس کا دھواں مریضہ کے ناک میں دیں' تو فوراً" جنات حاضر ہو جاتے ہیں۔ (واضح رہے کہ "طلائی آویزے والے عامل" اسی مریضہ کے محلہ میں رہتے تھے اور بندہ نے ان کو انہی دنوں کئی بار انہی پیر صاحب کی خوشامدیں کرتے دیکھا تھا کہ وہ جنات کو حاضر کرنے اور نکالنے کا عمل بتلا دیں مگر پیر صاحب آمادہ ہی نہ ہوتے تھے) بندہ کو وہ عبارت تو معلوم تھی مگر اس کا مذکورہ استعمال معلوم نہ تھا' اور اب اس کا علم ہونے کے بعد بھی کوئی کشش نہ تھی کہ اخراج جنات کے مشہور و مروجہ طریقہ پر عمل کرنا تو کجا اس کا تصور بھی قلبی اذیت کا باعث معلوم ہوتا ہے۔ خیر پیر صاحب (جو ماشاء اللہ پکے اہلحدیث ہیں) مزید فرمانے لگے کہ پھر میں نے مریضہ پر مذکورہ بتی والا عمل کیا تو تین جنات حاضر ہو گئے' (غالباً") دو مرد جن اور ایک جنی' میں نے ان کو کہا کہ تم چلے جاؤ ورنہ ذلیل ہو گے! تو وہ اکڑنے لگے کہ ہاں تجھے دیکھا ہے تو کیا کر لے گا؟ چنانچہ میں نے ان کو جلا دیا اور خیال کیا کہ بس تکلیف اور معاملہ ختم! مگر ہوا یہ کہ سات جن اور جنیاں جو محروق جنات کے رشتہ دار تھے آ گئے۔ میں نے ان کو بھی دھمکی دی اور کہا کیا تم نے ان تینوں کا حشر نہیں دیکھا؟ مگر جناب وہ تو زیادہ ہی اکڑفوں کرنے لگے تو میں نے ان کو بھی جلا دیا' اس کے بعد ان کے مزید تیں پینتیس رشتہ دار جنات

اور آگئے' اور یہ سلسلہ دونوں طرف چلتا ہی رہا' حتیٰ کہ پاکستان کے جنات کی ہلاکت کے بعد' ہندوستان سے ان کے رشتہ دار آگئے۔ اور میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے سر پر گائے کے سینگوں جیسے سینگ بھی موجود ہیں۔ ان کو بھی میں نے وارننگ کے بعد جلا دیا' حتیٰ کہ ایک سو (زائد ہندسہ یاد نہیں رہا) جنات اور جنیاں جلا دئے' بڑے ہی ڈھیٹ تھے۔ اس سے پہلے میں چک------ میں گیا تھا وہاں ایک جوان لڑکی مریضہ کو لایا گیا' جس کا کسی مرض کا علاج ہو رہا تھا مگر فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اس پر مذکورہ بتی والا عمل کیا تو ایک جن حاضر ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں اس بیچاری کو تنگ کرتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ ایک روز یہ مرغ کا گوشت کھا رہی تھی' میں نے کہا "ایک بوٹی مجھے بھی دیدو" مگر اسنے نہیں دی اس لیے اب میں اسے اسی کی سزا دے رہا ہوں۔ خیر' میں نے اس کو نکالا۔ اسی طرح فیصل آباد میں بھی ایک مریضہ جوان تھی' عرصہ سے اس بیچاری کو سبھی تبخیر (گیس ٹرائبل) کا عارضہ قرار دیتے تھے۔ میں نے دم کیا تو ایک جن حاضر ہو گیا۔ اس نے بھی وہی وجہ بتائی' کہ اسنے مرغ کا گوشت جو وہ کھا رہی تھی' اس میں سے تھوڑا سا حصہ مجھے نہیں دیا" حضرت صاحب تو یہ حقائق بیان فرما رہے تھے اور بندہ ناچیز و بے علم یہ سوچ کر حیران ہو رہا تھا' کہ ہم کئی لڑکے طالب علم وطن مالوف میں استاد صاحب سے مولانا رحیم بخش لاہوری کی اسلام کی پہلی' دوسری' تیسری کتاب پڑھتے تھے' تو اس میں لکھا تھا کہ "جنات باہر ویرانوں' جنگلات اور سمندروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ ان کی خوراک کوئلہ اور ہڈی کی خوشبو ہے" اب اگر ان حضرت صاحب کے نظریہ کے مطابق وہ انسانوں کے ساتھ رہنے' بلکہ شریک طعام ہو کر گوشت کھانے والے بن گئے ہیں۔ تو ان کے جثہ کے مطابق حصہ کوئی بھی انسان انہیں فراہم نہیں کر سکتا' قدرت کا نظام دیکھئے' انسان کی خوراک گندم کے دانے اور اس گندم کو کاشت کرنے والے مویشی کی خوراک گندم کا بھوسہ بنا دیا گیا' دانے کم بھوسہ زیادہ' اس لئے کہ انسان کی مقدار خوراک کم اور مویشی کی زیادہ۔ اب اگر مویشی بھی گندم کی روٹیاں ہی کھانے لگیں تو انسانوں کے لئے تو گندم کا شاید ایک دانہ بھی نہ بچے۔ اسی طرح اگر جنات بھی انسانوں کی خوراک ہی کھانے لگیں' تو یہ دنیا کا نظام ہی نہیں چل سکتا۔ دوسرا خیال ذہن میں یہ آرہا تھا' کہ بقول حضرت عامل

صاحب وہ جنات (بھارت سے آئے ہوئے تو لازماً" غیر مسلم تھے) دوسرے بغیر تصریح مسلم یا غیر مسلم تھے' مگر جس طرح کسی انسان کو خواہ وہ غیر مسلم ہو' محض ایذا رسانی کے جرم میں شرعاً" قتل نہیں کیا جا سکتا' اور قتل کے بدلے قتل بھی اسلامی حکومت عدلیہ کے فیصلہ کے بعد ہی کر سکتی ہے۔ اس طرح کسی ایک جن کو بھی محض ایذا رسانی یا عالم صاحب کی شان میں گستاخی کرنے کی سزائے قتل کس قاعدے اور قانون اور مسئلہ کی رو سے دی جا سکتی ہے؟ اور اگر یہ کسی طرح بھی جائز نہیں تو ایک فرد سے بڑھ کر سینکڑوں جانوں کا قتل کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بجائے اس کے کوئی معقول صحیح طریقہ علاج بھی ہو سکتا تھا۔ (جس کا ذکر شاید کہیں آئندہ آئے گا۔) بہرحال پیر صاحب تو اس انداز سے شہر کی مذکورہ لڑکی کے علاج کی کامیابی کا ذکر فرما رہے تھے' جیسے انہوں نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ پیر صاحب ذرا خاموش ہوئے تو بندہ نے عرض کیا "حضرت! آپ نے ان جنات سے جو اتنا زبردست مقابلہ کیا' اور ایک سو سے زائد جنات کو جلا دیا' تو ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی روحانی طاقت سے ہی ان پر فتح پائی' مگر بندہ کو خیال آیا ہے' کہ جس طرح جسمانی مقابلہ میں ایک پہلوان خواہ وہ رستم زماں ہی کیوں نہ ہو' اکیلا سینکڑوں دوسرے چھوٹے پہلوانوں سے مقابلہ کرے گا تو اس بڑے پہلوان کا حال تو اخیر میں بہت پتلا ہو جائے گا' کیونکہ اس کے مخالفین تو نئے افراد اور تازہ دم آتے رہیں گے مگر یہ اکیلا کہاں تک ڈٹا رہے گا؟ اسی طرح کیا آپ۔ کو اتنے شدید روحانی مقابلہ سے کوئی کوفت محسوس نہیں ہوئی؟ تو پیر صاحب ذرا سا چپ رہ کر وہ کر بولے "نہیں مجھے تو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوئی" حالانکہ بندہ ان کے چہرہ پر تھکن' تکلیف اور پریشانی کے آثار صاف دیکھ رہا تھا۔ خیر حضرت صاحب تو چلے گئے' چند دن بعد اسی مریضہ کے پڑوسی سے جو بندہ کے دوست تھے پوچھا کہ ان دنوں جو----- صاحب----- سے آئے تھے اور انہوں نے اس مریضہ کا علاج کیا تھا کیا وہ مریضہ تندرست ہو گئی؟ جواب ملا اجی کہاں! ان----- صاحب نے تو ڈنڈوں سے اس بیچاری کی اتنی پٹائی کی' اس کے بال نوچے اور اتنا مارا' کہ اس کے والدین اور گھر والوں نے ہاتھ جوڑ کر انہیں روکا' اور کہا "حضرت' آپ اپنی فیس لے لیں اور ہماری بیٹی کی جان چھوڑیں' اگرچہ یہ مریضہ ہے مگر زندہ تو ہے' آپ تو اس کو ڈنڈے مار مار کر

ہلاک ہی کر دیں گے۔ ہم باز آئے ایسے علاج سے" اس طرح عامل صاحب نے فیس لے کر ہی اس کی جان بخشی کی۔۔۔۔۔ کئی سال بعد اس مریضہ کے والدین اتفاقاً" ملے تو اس مریضہ کا حال دریافت کیا' تو بتایا الحمد اللہ اس کی شادی ہو گئی ہے' اور دو تین بچے بھی ہیں۔ بندہ نے پوچھا ان پیر صاحب کے علاج کے بعد کہاں کے علاج سے فائدہ ہوا؟ کہا "ہم نے تنگ آکر سب علاج چھوڑ دیئے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا باقی رکھا' تو اللہ تعالیٰ نے اپنی فضل و کرم فرمادیا"۔۔۔۔۔۔

انہی پیر صاحب کی ایک مریدنی کی دلخراش داستان مختصراً: جس کی نوجوان کنواری بیٹی ٹی بی سے فوت ہو گئی تھی' خود اس کے سامنے فوت ہوئی' خود اسے غسل دیا' کفن پہنایا' جنازہ پڑھا گیا اور اس کے والد اور بھائیوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے دفن کیا' مگر پیر صاحب پر ایمان کی حد دیکھئے' کہتی پھرتی تھی' (پیر صاحب نے فرمایاہے) وہ فوت نہیں ہوئی' بلکہ اسے تو جنات اٹھا کر لے گئے ہیں' اور یہ وظیفہ اور کچھ (الم غلم) چیزوں کا استعمال بتایا ہے۔۔ چلہ پورا ہونے پر وہ آجائے گی۔ چنانچہ پیر صاحب کی ہدایت پر عمل ہوتا رہا۔ چلہ پورا ہوا تو اس رات جبکہ جنات نے اس کی لڑکی کو واپس اس کے گھر لانا تھا' اس نے اپنے گھر کو خوب سجایا' اگر بتیاں جلائیں' پلنگ وغیرہ بچھائے' مگر آخر عورت ذات تھی' بغیر محرم مرد کے جنات کی مجلس میں شاید شمولیت کی ہمت نہ پاتی تھی' لہٰذا اس روز وہ کسی دوسرے شہر میں کھسک گئی اور راقم کی اہلیہ کو جاتی ہوئی یہ تاکید کر گئی کہ بچوں کو بھیج کر معلوم کرتے رہنا کہ "مہمان" آئے یا نہیں؟۔۔۔۔ اگلے روز خود اس سے معلوم کیا تو منہ بسورتے ہوئے بولی "اڑیئے! پڑھائی میں کچھ کسر رہ گئی۔"

شہرہ آفاق عامل

ایک عالم دین' آتش بیاں خطیب' مقرر' مرشد اور لیڈر' بمطابق بقلم خود "شہرہ آفاق خطیب" اتنی صفات کی حامل شخصیت اگر خود "روحانی عامل" نہ بنے تو لوگ بنا دیتے ہیں۔ ان کے سابقہ زیر علاج ایک مریضہ نے اپنا واقعہ سنایا۔ بچپن سے ہی مجھے جنات کا اثر ہے علاج وغیرہ کروائے گئے' کبھی فائدہ کبھی بے فائدہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر شادی ہو گئی' بچے ضائع ہو جاتے یا صغر سنی میں ہی فوت ہو جاتے۔ آخری بچی چند ماہ کی تھی' قبلہ حکیم صاحب مدظلہ سے دم کروایا تھا جس سے بحمد اللہ کئی ماہ صحتمند رہی' پھر حکیم صاحب کی وفات کے بعد وہ بھی فوت ہو گئی۔ اس سے قبل جب حمل کے ابتدائی ایام تھے' شہرت سن کر میں نے بھی اپنا علاج "شہرہ آفاق" صاحب سے کروایا' جنہوں نے مختلف قسم کے تعویذات دیئے' حسب ہدایت وہ استعمال کئے جاتے رہے۔ عمل کے شروع میں ہی تعویذات دیتے وقت عامل صاحب نے فرمایا تھا کہ "ایک بکرا لے لو اور عیدالضحی تک اس کی پرورش کرو اور عید کے دن میرے گھر چھوڑ جانا" اس پر بھی عمل کیا گیا کہ ایک بکرا کھیرا خرید لیا جو عیدالضحیٰ سے دو تین ماہ پہلے قربانی کے لائق ہو جانا تھا' مگر ہمارے گھر بکرے نے (کہ اکیلا اور نئی جگہ تھا) اتنے زور شور اور درد سے "بکرانا" شروع کر دیا جس سے ہماری تو جان عذاب میں آ گئی۔ آخر تنگ آکر دوسرے دن ہم نے مشورہ کر کے اسے فروخت کر دیا کہ عیدالاضحیٰ کے قریب حضرت مولانا صاحب کو یا تو نیا بکرا خرید کر دیدیں گے' یا اس کی رقم پیش خدمت کر دیں گے مگر بچہ پہلے بچوں کی طرح قبل از وقت ضائع ہو گیا یا مردہ پیدا ہوا (یاد نہیں۔) بہر حال حضرت نے ہمارا کیس حافظہ میں محفوظ رکھا اور عیدالاضحی سے دو چار دن پہلے ہمیں بلوالیا۔ ہم نے ساری صورت حال گوش گذار کی (کہ فائدہ تو بالکل نہیں ہوا اور بکرا ہم نے مذکورہ خیال سے فروخت کر دیا تھا!) یہ سن کر حضرت ہم پر سخت ناراض ہوئے' تھپڑ مارنے کو بھی تیار ہو گئے' کہ بکرا کیوں فروخت کیا' ہر صورت میں تمہیں اس کی پرورش کرتے رہنا چاہیے تھا۔اسی "حکم عدولی" کی بنا پر تمہارا نقصان ہوا۔ ہم نے ان کی منت

سماجت کی اور معافی مانگی' اور آئندہ کے لئے احتیاط کا وعدہ کیا' تب جان چھوٹی" 'تب بندہ نے توکل علی اللہ حسب معمول اجوائن وغیرہ والا علاج کیا اور نماز کی سخت تاکید کی اور کچھ دوسرے متعلقہ مسائل بتائے۔ الحمد للہ لڑکا صحیح سالم خوبصورت اللہ کریم نے عطا فرمایا اور کوئی دورہ وغیرہ نہ زچہ کو نہ بچہ کو پڑا۔ خطرے کی حد سے گذرنے کے بعد اس کا والد دو سوٹ لے کر آیا' بندہ کو شک تھا کہ وہ پولیس کا ٹاؤٹ ہے۔ نرم انداز سے اس سے پوچھا تو اس نے تسلیم کیا۔ اس پر بندہ نے قبول کرنے سے عذر کر دیا۔ پھر وہ دوبارہ اپنے گاؤں کے ایک آدمی کو جو بندہ کا دور کا رشتہ دار تھا' سفارشی بنا کر ساتھ لایا۔ مگر بات پہلی ہی بحمد للہ برقرار رہی۔ اس لڑکے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے لڑکی عطا فرمائی۔ ماشاء اللہ لڑکا اب نوجوان ہے اور لڑکی بھی بحمد للہ اس سے تقریباً" دو تین سال چھوٹی اور بخیریت ہے۔

مفت کے چاول

کئی سال پیشتر بندہ کے ایک دوست ضلع ملتان کے کسی شہر سے تشریف لائے جو دوکاندار تھے اور بندہ ان سے زیادہ ان کے والد سے واقف تھا' جو نہایت صالح پابند صوم و صلوۃ اور مزدور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی بنا پر اس دوست کے معاملہ سے زیادہ دلچسپی لی۔ اس نے اپنے گھر کا واقعہ' جس سے اس کے گھر والے زیادہ ہی پریشان تھے' بتایا کہ اہلیہ زیادہ تر بیمار رہتی ہے' کل اس نے گلی میں اپنے دروازے کی دہلیز پر خون اور گوشت پڑا دیکھا جس سے وہ اور زیادہ پریشان ہو گئی ہے' کہ کسی نے ہم پر جادو ٹونا کر دیا ہے۔ خیر ان کی تسلی کی کوشش کی' اور احکام شریعت خصوصاً" اور اللہ تعالی پر توکل کی خصوصی تاکید کی' اور کہا کہ یہ محض تھوڑا سا شیطانی چکر' مسلمان کے دل میں صرف وہم ڈالنے کے لئے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ اور نگاہ ہٹانے کے لئے ہوتا ہے' اگر اس چکر میں "کیوں کیسے اور کون" کی صورت میں پھنس گئے تو پھر یہ چکر چلتا ہی رہے گا' اور "دین اور ایمان کے شکاری" عاملین اپنے مفادات کی خاطر اسے چلاتے ہی رہیں گے' اور اگر مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل مضبوط رکھے تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔ اس پر وہ دوست کہنے لگے میں تو خود ان توہمات کا قائل نہیں ہوں' یہ عورتیں ہی تنگ کر کر کے پاؤں تلے سے زمین نکال دیتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض لوگ جادو سحر وغیرہ کا سفلی عمل کرتے ہوں گے مگر بعض اس علم سے بالکل واقف نہ ہوتے ہوئے بھی شرارتاً" ایسی حرکات کر گذرتے ہیں' اور جو لوگ تو ہم پرست " ہیں اس سے ان کی توجان پر بن جاتی ہے۔ پھر انہوں نے اپنا ہی ایک بڑا پر لطف واقعہ سنایا' کہ جس بازار میں میری دوکان ہے اس کی ملحقہ گلی میں ایک نوجوان لڑکا بڑا چلبلا اور چلتا پرزہ ہے' اکثر میرے ساتھ مجلس رہتی ہے۔ ایک روز مسکراتا ہوا آیا اور کہنے لگا چچا! چاول کھاؤ گے؟ میں نے پوچھا کس خوشی کے؟ کہا یہ نہ پوچھ' بس ہاں کر دے! میں ھنس کر خاموش ہو رہا' دوسرے روز وہ پلیٹ بھر کر گرم گرم چاول لے آیا تو میں نے پھر جب دوبارہ پوچھا' کہ اب تو بتا دے! تو کہنے لگا چچا! تو چاول کھا اور

یہ بتا کہ کتنے مزیدار ہیں؟ خیر میں نے اصرار نہیں کیا اور بات آئی گئی ہوئی۔ تقریباً" مہینہ یا سوا مہینہ بعد پھر آیا' اور کہنے لگا آج تو (پلاؤ اور زردہ) دونوں کھلاؤں گا' کہو منظور ہے؟ میں نے کہا یار تو بتاتا تو کچھ ہے نہیں' کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگا ہاں کر' کبھی بتا بھی دونگا! تب میں خاموش ہو گیا۔ اس کے دو تین دن بعد میں نے اسی گلی میں دیگیں کھڑکتی اور قوالی سنی' شامیانے لگے دیکھے اور خاصی رونق نظر آئی۔ میں نے زیادہ دلچسپی نہ لی' پھر شام کو وہی نوجوان ھنستا ہوا آیا' ہاتھ میں ٹرے' زردے اور پلاؤ کی پلیٹیں' خوشبو سے معمور! بولا لے چچا! موج کر! میں نے انکار تو کیا کرنا تھا صرف وعدہ یاد دلایا' تو کہنے لگا بس ذرا چند دن صبر کر! پھر چند دن بعد اس نے پوری بات من و عن بتائی اور کہا' کہ چچا! آپکو پتہ ہے کہ اسی گلی میں صوفی ---- صاحب بھی رہتے ہیں' جو ماشاء اللہ دنیوی امور میں نہایت ہوشیار' مگر دینی امور میں صوم و صلوۃ کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ گرفتار اوہام و رواجات بھی ہیں' اگرچہ خود بھی دم و درود کرتے تھے' اور اپنے شہر کی انجمن اہلسنّت و الجماعت کے جنرل سیکرٹری بھی تھے' نیز معاشی طور پر خاصے خوشحال تاجر تھے' یعنی معمولی اور بے علم ہستی نہ تھے) ایک دن ہم چند لڑکوں نے شغل بنایا اور میرے ذمہ لگایا' تو میں نے اس سکیم کے مطابق ایک کاغذ لے کر اس پر خانے سے بنائے اور مختلف اعداد اور اوٹ پٹانگ الفاظ اور تحریر لکھ کر درمیان میں ان صوفی صاحب کا نام لکھ دیا' اور ان کے سونے کے بعد گلی کے اوپر سے ان کے مکان کے صحن میں پھینک دیا۔ سردی کے دن تھے' صفائی کرنے والی عورت نے اٹھا کر دکھایا' اور صوفی صاحب کو علم ہوا تو وہ بھی گھبرائے ہوئے گھر آئے۔ ھندسوں اور اوٹ پٹانگ تحریر کی تو خدا جانے انہوں نے کیا توجیہ کی' مگر اپنا نام دیکھ کر تو بس سٹپٹا ہی گئے' کہ کسی دشمن نے میری ذات کو نشانہ بنایا ہے' لہٰذا اس کا توڑ کرنے کے لئے دیگر "عملیات" کے ساتھ ایک دیگ چاولوں کی بھی پکائی' اور ساری گلی میں تقسیم کی' تو ہمارے گھر بھی لازماً" چاول آنے تھے' چنانچہ چاول آئے اور آپ کو بھی ہم نے کھلائے۔ پھر جب یہ ہماری یہ پہلی کوشش پوری طرح کامیاب ہو گئی اور ہم پر کسی کو شک تک نہ ہوا' تو ہمارا حوصلہ بڑھا اور ہم نے اس سے وسیع سکیم بنائی' تاکہ اچھی قسم کی پر تکلف غذا کھائی اور کھلائی جائے۔ حسب سابق یہ خدمت بھی میرے سپرد ہوئی'

اور ہم نے اس کے اخراجات کے لئے پانچ پانچ روپے چندہ بھی کر لیا' تب میں نے قصائی سے بکرے کی سری خریدی' اور اس پر مزید سرخ رنگ ڈالا تاکہ زیادہ خون آلود اور خوفناک نظر آئے' اور ساتھ ہی ایک "تعویذ" لکھ کر ٹانک دیا مگر اضافہ یہ کیا' کہ سرخ روشنائی سے لکھا کہ خون سے تحریر شدہ معلوم ہو' مزید یہ کہ صوفی صاحب کے نام کے ساتھ ان کی اہلیہ کا نام بھی لکھدیا' اور ستم بالائے ستم یہ کیا کہ چند سوئیاں بھی تعویذ اور سری میں گاڑ دیں۔ مگر پہلے کی نسبت اس دفعہ مجھے کچھ زیادہ ہی تگ و دو کرنا پڑی' کہ سری کو ان کے مکان کے بیرونی دروازے کی چوکھٹ پر اس زاویہ سے اور اس وقت لٹکانا تھا' جب صوفی صاحب صبح کی نماز کے لئے باہر نکلنے والے ہوں' اگر زیادہ سویرے لٹکائی جاتی' تو کوئی کتا یا بلی جھپٹ لیجاتے' کچھ لیٹ ہو جاتا تو لوگ چلنے پھرنے لگ جاتے اور دیکھ لیتے' بہر حال میں نے خصوصی طور پر ان کا ٹائم ٹیبل نوٹ کیا' اور مذکورہ سری معہ لوازمات دروازے کی گلی والی اوپر کی چوکھٹ کے درمیان کنڈے پر باندھ دی' پھر ہماری توقع کے عین مطابق صوفی صاحب نماز کے لئے باہر نکلے' تو دروازہ کھولتے ہی مذکورہ سری ان کے سر مبارک سے ٹکرائی۔ اس اچانک افتاد سے وہ پیچھے کی طرف چاروں شانے چت گر پڑے' اور پھر خصوصاً" سری کی ہیبت کذائی دیکھ کر ان کے تو ہوش اڑ گئے۔ گھر بھر جاگ اٹھا اور شور مچ گیا کہ کسی "ظالم" نے بڑا ہی سخت وار کیا ہے۔ اسی شور و غوغا میں دن چڑھ گیا اور گھر والوں نے جمعدار (خاکروب) کو بلایا (خود تو ہاتھ لگانے کی ہمت نہ رکھتے تھے پھر اس کو اتروا کر اور ذرا ہٹ کر سری کے پاس بیٹھ کر ڈرتے ڈرتے بغور معائنہ کیا۔ اور سری کا سارا نقشہ دیکھ کر تو صوفی صاحب کا دل ہی دہل گیا' اور گھر کے باقی افراد کا بھی درجہ بدرجہ حال پتلا ہو گیا۔ پھر خاصی بحث و تمحیص کے بعد گھر کی کیبنٹ میں متفقہ قرار داد منظور ہوئی' کہ اس دفعہ تو حد سے زیادہ ہی وار ہوا ہے' لہٰذا کسی معمولی عامل یا عام طریقہ سے اس کا دفعیہ ممکن نہیں' خصوصی طور پر اس کا اہتمام کرنا چاہیے' تبھی ہم بچ پائیں گے ورنہ ہمارا کوئی اور ٹھکانا نہیں۔ چنانچہ "بڑے حضرت صاحب" یعنی مرشد صاحب کو دور درداز سے خاص طور پر لایا گیا' اور اس کے ساتھ ختم شریف' قوالی' اور محفل میلاد اور حضرت صاحب کے "تعویذات" وغیرہ سب مجموعی پروگرام پر عمل ہوا۔ بڑے پیمانہ پر دیگیں

چڑھیں' زردہ اور پلاؤ خوب کھایا کھلایا گیا۔ پڑوسی ہونے کے ناطے ہمارے گھر میں بھی زردہ پلاؤ آیا اور اس میں سے آپ کا "حصہ تبرک" بھی حاضر خدمت کیا گیا تھا۔

نوٹ: اس ڈرامے کا ہیرو خود بھی صوفی صاحب کا ہم مسلک تھا' مگر مذکورہ اوہام و وساوس کا قائل نہ تھا۔

مسور کی دال

فجر کے بعد ایک باوقار خاندان کے گھر میں عورتوں اور بچوں کا شدید شور و غل شروع ہو گیا چھت پر شور' صحن میں غل' اور اندر کمروں میں آہ و بکا۔ یا اللہ خیر! کیا ایمرجنسی ہو گئی؟ کسی کو ہارٹ اٹیک ہو گیا یا کسی عزیز کی وفات کا ٹیلیگرام آگیا یا کوئی بڑا موذی سانپ نکل آیا؟ نہیں! ایسی کوئی بات نہیں تو پھر ایسا کونسا سانحہ ہو گیا کہ پڑوسی تک گھبرا گئے ـــــ اوہو! آپ تو بالکل ہی سادہ لوح اور کوئیں کے مینڈک ہیں کہ آپ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ مذکورہ بالا سب خطرات سے بھی بڑا خطرہ لاحق ہو گیا۔ ارے بھئی کیوں آپ پہیلیاں بجھواتے ہیں؟ جلدی بتایئے کیا مصیبت آگئی؟ اچھا بھئی! آپ نہیں مانتے تو ذرا جی کڑا کر لیں' دم سادھ لیں اور نہایت خاموشی سے کہ پیروں کی آہٹ کی بھی آواز نہ آئے' انہی پڑوسیوں کی سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر چھت پر آجائیں ۔ آگئے؟ اچھا اب پھر ایک بار سانس روک کر دل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر غور سے پڑوسیوں کے بیت اخلاء کی طرف نظر کریں۔ "کیا وہاں آپ کو بیت الخلاء کے دروازے کے ساتھ ہی باہر کی طرف "ٹائم بم" نظر نہیں آرہا؟ "اجی نہیں۔" ارے آپ کی بینائی ٹھیک ہے""؟ "جی ہاں الحمد للہ" "تو پھر آپ کو وہاں کیا نظر آرہا ہے""؟ " اجی حضرت! سورج طلوع ہو چکا ہے اور ہر چیز صاف نظر آرہی ہے اس جگہ تو صرف "مسور کی کچی دال" کی چھوٹی سی ڈھیری نظر آرہی ہے' اس کے علاوہ مجھے تو کوئی اور چیز نظر نہیں آرہی"ـــــ "ارے اللہ کے بندے' یہی چیز جو آپ دیکھ رہے ہیں' یہی تو ہے فساد کی جڑ' بس کی گانٹھ۔ اور یہ مس مس مس مسور ک ک کی ـــــ دال' اس کے متعلق آپ نے پوچھا تک نہیں اور کس "شقاوت قلبی" سے فٹ اسکا نام لے دیا' ذرا عقل سے کام لو اور سوچو کہ بھلا چھت پر اس جگہ اور اس وقت' اس "منحوس" چیز کی موجودگی کا کیا مطلب ہے؟ ارے میاں' غضب ہو گیا ہم پر ہمارے کسی دشمن نے اتنا زبردست "وار" کر دیا ہے خدایا! اب ہمارا کیا بنے گا' ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے' اف' او' او' او""ـــــ کیا یہ بھارت کے کسی شہر اور ھندوؤں کے

کسی مکان اور خاندان کا منظر ہے؟ نہیں! یہ پاکستان کا ایک چھوٹا سا شہر اور مسلمانوں کا محلہ اور مسلمانوں کا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں' اور کوئی جاہل گھرانہ نہیں' بلکہ ایم اے تعلیم یافتہ گھرانہ ہے' تو پھر یہ اتنے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہو کر کیوں اس قدر گھبرائے ہوئے ہیں۔ کہ اس بلاء کے پاس جانا تو درکنار' اسے پوری طرح دور سے دیکھنے کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتے' بلکہ اس وقت وہ یہ مشورہ کر رہے ہیں' کہ جلدی سے "جمعدارنی" (خاکروب عیسائی عورت) کو بلاؤ اور وہی اسے اٹھائے اور اس سے ہمیں جزوی نجات تو دلائے۔

ابھی یہ مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ ان کی پڑوسن آگئی' اور ان سے سارا حال سنا تو ان سے اوپر جانے کی اجازت مانگی' پھر وہ اوپر گئی اور ساری دال اٹھا لائی اور کہا مجھے اس کو پکا کر کھانے کی اجازت ہے؟ یہ سن کر گھر والے تو بھونچکا ہو کر رہ گئے' بول بھی نہ سکے' اور ہاتھ کے اشارہ سے ہی اجازت دیدی' کہ جلدی بھاگ جاؤ (ورنہ اگر یہ ٹائم بم یہیں پھٹ گیا تو ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے۔) پڑوسن نے گھر آکر وہ دال پکائی اور سب گھر والوں نے خوب کھائی' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مفت کی دال عطا فرمائی' اور الحمد للہ ان کا تو بال بیکا بھی نہیں ہوا' مگر "اہل دال" خاندان کا مذکورہ وہم ختم نہ ہوا' اگرچہ اس "مسوری بلا" کے دفعیہ کے لئے متعلقہ عاملین کی خصوصی خدمات بھی حاصل کی گئی ہوں گی' اور اس گھر کو ہر طرح سے "بلاء پروف" بنا دیا گیا ہو گا' مگر جب بھی اس گھر میں کسی چھوٹے یا بڑے فرد کو کوئی تکلیف مرض وغیرہ کی ہوتی ہو گی' تو وہ اسے اسی "مسور کی دال" کی "باقیات السیئات" قرار دیتے ہوں گے' اسطرح شیطان نے ان کے دل و دماغ میں اس "شجر خبیثہ" کا بیج بو دیا' جس کی آبیاری گردوپیش کے وہمی حضرات' خصوصاً" خواتین بڑے اہتمام سے کرتی رہتی ہیں' اور پھر اگر اللہ کریم کی نظر رحمت ہو جائے تو ہدایت نصیب ہو جائے' ورنہ وہ تو اس میں مزید آگے ہی آگے بڑھتے جائیں گے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولی (سورہ النساء نمبر ۴ آیتہ ۱۱۵) اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے' در آنحالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو' تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے۔

جدھر وہ خود پھر گیا۔ غالباً" اس کی زیادہ وجہ یہ ہے' کہ دین اسلام کی شریعت کی بجائے "قبوری شریعت" یا "نسوانی شریعت" پر زیادہ یقین کیا جاتا ہے' لہٰذا اس باطل پرستی کے ثمرات تو ضرور ظاہر ہوں گے اور ان کا مزا بھی چکھنا پڑے گا۔

اور پھر صاف اور سیدھی بات صرف اتنی ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا ہے تو یہ اسکا محض اقل قلیل وطن ہے' ورنہ کا اصلی اور دائمی گھر تو جنت ہے جو اللہ تعالیٰ کے رضا کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ بالکل یہی چاہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اپنی اولاد کو ساتھ لے کر پھر "اپنے" متروکہ وطن میں واپس چلے آئیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے جس طرح انسان نے پوری زندگی گذارنی ہے وہ طریقہ انبیاء علیہم السلام اور کتب الہیہ کے ذریعہ بتا دیا گیا' جس پر چل کر انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی' جیسے جس انجنیئر نے ریل گاڑی بنائی' اس نے اس کے لئے ایک لوہے کی پٹڑی بھی بنادی' اور اس انجینئر نے مختلف ممالک میں اپنے تربیت کردہ نمائندے بھی بھیج دیے' جو گاڑی کے کل پرزوں وغیرہ کے سب سے زیادہ اور صحیح واقف ہوتے ہیں۔ اب جو لوگ اس انجینئر اور اس کے تربیت کردہ افراد کے علم و عمل کے مطابق گاڑی کو چلائیں گے' وہ منزل مقصود پر بخیریت پہنچ جائیں گے' مگر جو لوگ اس انجن میں سے اپنی مرضی سے کچھ پرزے نکال دیں' اور اپنی مرضی کے دوسرے پرزے ڈال دیں یا انجن کی مشینری صحیح ہو مگر پٹڑی کی ضرورت محسوس نہ کریں یا پٹڑی لوہے کی بجائے لکڑی کی بنا دیں یا لوہے کی پٹڑی کو پرانی اور بدصورت اور زنگ خوردہ قرار دیکر چاندی یا سونے یا چینی مٹی کی نقش و نگار والی اور چمکدار پٹڑی بنا دیں' تو ظاہر ہے کہ ریل گاڑی تو چلنے سے رہی' بلکہ جتنا زیادہ زور ڈرائیور لگائے گا اتنی ہی وہ زمین میں دھنستی جائے گی' خواہ ڈرائیور اور سواریاں کتنی ہی عاجزی سے دعائیں کریں اور زور و شور سے بیک آواز "مجاہدین ایکسپریس زندہ باد" کے نعرے لگائیں۔ کیا ہمارا حال بھی ایسا ہی نہیں کہ انجن میں بے شمار پرزے تبدیل کر دئے ڈرائیور کی قابلیت صرف یہ دیکھی کہ یہ بڑھکیں کتنی بڑی مارتا ہے' خواہ اس کو انجن کی مشینری کی الف با کا علم بھی نہ ہو' نہ مقصد کا تعین نہ منزل کا علم نہ سمت کا خیال۔ اگر ہم صرف کلمہ طیبہ کی بنیاد والی دو باتوں یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس

کے سچے نبی محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر پورے یقین کے ساتھ کار بند ہو جائیں' تو ہماری بگڑی بن سکتی ہے' اور دونوں جہاں کی مشکلات دور ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے مگر۔

یہ وہ منزل ہے جہاں حضرت شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
نفس اور شیطان اسے روکتے ہیں بہلاوے دیتے ہیں
مگر

مژدہ ربانی سنئے۔

واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى
(سورہ النازعات ۷۹ آیتہ ۴۰' ۴۱)

اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا پس جنت اسکا ٹھکانا ہو گی۔

قد افلح من زكها و قد خاب من دساها ○ (سورہ الشمس ۹۱ آیتہ ۹' ۱۰)اور یقیناً" وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا' اور نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں ملا دیا۔

آسیب آب

ایک عزیز (نام آپ صوفی محمد حسین فرض کر لیجئے) کسی مریض کو لائے' جن کا معاملہ بھی مروجہ توہمات (سحر جنات' تعویذات کی کارستانی) سے متعلق تھا' حتی الامکان راقم نے مذکورہ غبار کو صاف کرنے اور کتاب و سنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ اسی سلسلہ میں موجودہ "دین و ایمان کے شکاریوں" کا ذکر بھی آیا' تو صوفی صاحب نے بتایا' کہ ضلع ملتان کے ایک شہر میں کسی مشہور "عامل" کے پاس جانے کا اتفاق ہوا' بیچاری مریضہ کی تکلیف کا سبب ہی ان کے گھر والوں کو معلوم نہ ہوتا تھا' اس کے بغیر ہی وہ مختلف علاج کراتے رہے' مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا' وہ لوگ مجھے ساتھ لے گئے کہ سمجھ دار اور جہاندیدہ آدمی ہے۔ عامل صاحب کے ہاں گئے' وہ باری باری ہر ایک کو اندر بلاتا جس کے ساتھ ایک دو تیمار دار بھی ہوتے' ہماری باری آئی تو مریضہ کے ساتھ ایک اس کے گھر کا فرد اور ایک میں اندر گئے' ہم نے تھوڑی سی روئیداد مریضہ کی تکلیف کی بتائی' اور کہا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا معاملہ ہے؟ عامل صاحب فرمانے لگے' "ابھی معلوم ہو جاتا ہے دیکھو تو سہی" یہ کہہ کر مریضہ کے بدن پر ایک کورا سفید کاغذ (جو بہت سے اس کے پاس پہلے سے رکھے ہوئے تھے اور ساتھ پانی کا بڑا پیالہ بھی دھرا تھا) لے کر مریضہ کے بدن پر اچھی طرح پھیرا' اور کچھ کلام بھی چپکے چپکے پڑھتا رہا' اور پھر اس نے ہمارے سامنے یہ وہ کاغذ اس پانی میں ڈبو دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ کاغذ ہمیں دکھایا' جو پہلے بالکل سفید تھا مگر اب اس پر ایک خوفناک شکل' بال بکھرے ہوئے' بڑے بڑے دانت' آنکھیں پھٹی ہوئیں صاف نظر آرہی تھیں' جس سے ہم بڑے حیران ہوئے۔ اب عامل صاحب فرمانے لگے' یہی ہے وہ چڑیل جو اس کو چمٹی ہوئی ہے' اب تو تمہیں کوئی شک نہیں رہا ہو گا کہ اس کو کوئی دوسری تکلیف بیماری وغیرہ کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بطور علاج تعویذات وغیرہ دئے اور اپنا نذرانہ وصول کیا۔ مگر مجھے اس عامل کی شکل و صورت' طرز گفتگو وغیرہ سے اس پر شک ہو گیا اور میں نے وہ پانی کا بھیگا ہوا کاغذ اٹھانے کی کوشش کی' تو اس

نے فوراً" اسے اپنے پیچھے پھینک دیا' اس پر میرا شک اور بھی بڑھ گیا اور میں وہیں بیٹھا رہا' کہ دیکھوں' کہ نئے آنے والے کیس میں یہ کیا کرتا ہے؟ میرے ساتھی تو باہر چلے گئے اور نئے لوگ آ گئے' تو عامل صاحب نے مجھے کہا کہ تم باہر چلے جاؤ! میں نے کہا' آپ کو میرے یہاں بیٹھنے سے کیا تکلیف ہے؟ میرے کاغذ چھیننے کی کوشش سے وہ پہلے ہی الرجک تھا' اب جھگڑنا بھی شروع کر دیا کہ تیرا ان (نئے آنے والوں سے) کیا تعلق؟ ادھر میں بھی اڑ گیا اور کہا کہ میں ان سے پیچھے ذرا دور بیٹھا رہوں گا تیرا اس سے کیا بگڑتا ہے؟ مگر وہ نہ مانا۔ اس کے دیگر حواری بھی جھگڑا سن کر اس کی حمایت میں بولنے لگے' اور نئے مریض بھی میرے خلاف ہو گئے' کہ کیوں ہمارا وقت ضائع کرتا ہے؟ خیر میں مجبور ہو کر باہر آ گیا' مگر میرا تجسّس قائم رہا اور میں کھڑکی کی درزوں سے دیکھتا رہا' کہ نئے مریضوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کرتا ہے؟ جتنا کچھ مجھے نظر آیا وہ وہی ہمارے والا معاملہ تھا' اور جب نئے مریض باہر آئے' تو انہوں نے بھی وہی سارا حال بتایا جو ہماری مریضہ پر گذرا تھا۔ یعنی سفید کاغذ بدن پر پھیر کر پانی میں ڈبونا اور کاغذ پر خوفناک شکل ظاہر ہونا اور پھر تعویذات اور فیس! (حالانکہ ان لوگوں کو ہمارے معاملہ کی کوئی خبر نہ تھی) میں نے ان سے کاغذی بلا کی شکل و صورت دریافت کی تو انہوں نے ہو بہو وہی بتائی' جو ہم نے دیکھی تھی۔ بہر حال میں یہ تو سمجھ گیا' کہ یہ کوئی "ٹھگ" ہے' صحیح عامل نہیں' مگر مجھے اس کے سفید کاغذ پر پانی میں ڈبونے سے وہ خوفناک شکل بن جانے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔

راقم نے ان سے کہا کہ جب میں ھندوستان میں اپنے گاؤں سکول میں پڑھتا تھا' تو حضرت مولانا حکیم محمد عبداللہ صاحب کی لائبریری میں ایک کتاب مداریوں کے شعبدوں کے متعلق پڑھی تھی' اس میں کئی ایسی روشنائیوں کا ذکر تھا' جو نظر نہ آتی تھیں' مگر بعدہ کسی چیز کے مس سے وہ نظر آنے لگتی تھیں' ان میں سے ایک یہ تھی کہ اچھی قسم کے صابن کو کاٹ کر قلم کی طرح بنا کر صاف سفید کاغذ پر کچھ لکھا جائے' تو وہ لکھا ہوا بالکل نظر نہیں آتا' مگر جب اس کاغذ کو پانی میں ڈبوئیں تو وہ تحریر بڑی واضح نظر آنے لگتی ہے' اسی طرح اگر پیاز کا پانی نکال کر اس سے سفید کاغذ پر کچھ لکھیں' تو وہ تحریر بالکل نظر نہیں آئے گی' مگر جب اسے آگ کے قریب کیا جائے تو اس کے سینک

سے نارنجی رنگ کی نہایت خوشنما تحریر نمودار ہو گی۔

یہ سن کر صوفی صاحب بہت حیران ہوئے' کہ کس طرح شعبدہ بازیوں سے ایسے لوگ عوام کا مال اور ایمان لوٹتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ عزیز زاہد نے بتایا' کہ والد صاحب نے کراچی شہر میں ایک فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے بہت سے نجومی فال کھولنے اور قسمت کا حال بتانے والے' اپنے بورڈ لگائے براجمان دیکھے۔ والد صاحب غالباً" شغلاً" یا کچھ "معلوماً" ایک نجومی کے پاس بیٹھ گئے' اور کچھ حال بیان کیا کہ کئی پریشانیاں ہیں' جو دور نہیں ہو رہیں معلوم نہیں کیا وجہ ہے؟ تو اس نے کچھ ہاتھ دیکھا' کچھ کتاب کھولی اور کچھ حساب کتاب کیا' اور پھر ایک سفید کاغذ اٹھا کر اسے اپنے مٹی کے تیل کے چولھے کے پاس سینکا' تو اس کاغذ پر ایک خوفناک شکل اور کچھ ھندسے چوکور خانہ دار اور کچھ لا یعنی الفاظ نظر آنے لگے۔ یہ کاغذ اس نے والد صاحب کو دکھایا' اور ذرا گھبرائے سے لہجے میں کہنے لگا' آپ کو تو بہت سی بلائیں چمٹی ہوئیں ہیں' یہ دیکھئے! جنات' جادو اور تعویذ' پتہ نہیں آپ کے کتنے زیادہ دشمن آپ کو ختم کرنے پر متحد ہو گئے ہیں۔ جلد اس کا توڑ کراؤ' ورنہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو کچھ نہیں بنے گا۔" والد صاحب نے اپنی ڈائری سے ایک ورق پھاڑا' اور اس کے سامنے کیا اور کہا کہ اس کو ایک کونے سے ناخن سے پکڑو' اور اپنا کلام اس پر دم کرو' اور پھر مجھے اسی طرح وہی شکل اور الفاظ وغیرہ اس پر بنے ہوئے دکھاؤ! اس وقت وہ اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا' ابا جی کی یہ بات سن کر اپنی گدی سے تھوڑا سا کھسک کر پرے ہوا' اور بولا "جوان! میرے ساتھ یہاں بیٹھ جاؤ ایک ہزار روپے یومیہ دوں گا۔" والد صاحب ھنستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔"

شکست رشتہ تسبیح شیخ

۱۹۸۳ء کی بات ہے' راقم والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضری کے بعد واپس گھر آرہا تھا' کہ آگے سے ایک صاحب (آپ مسلم نام فرض کر لیں) آرہے تھے' ان کے جڑواں نواسے پیدا ہوئے' ایک تو چھ سات دن بعد فوت ہو گیا' دوسرے کے لئے مختلف جگہ سے دوا اور دم درود کا علاج کرا رہے تھے۔ پاس آئے تو راقم نے پوچھا' بچے کا کیا حال ہے؟ کہا الحمد للہ ٹھیک ہے' اور پھر خود ہی لمبی گفتگو شروع کر دی' کہ دوسرے بچے کو پانچویں دن رات کو دورہ پڑا تھا' سردیوں کا موسم اور نصف شب کا وقت تھا' ہمیں کوئی اور ذریعہ علاج تو میسر نہ آیا' قریب ہی صوفی صاحب (آپ کرم دین فرض کر لیں) کا گھر تھا' انہیں لے آئے۔ پہلی بات ہی انہوں نے یہ کی' کہ پوچھا کہ بچہ کی عمر کتنی ہے؟ بتایا گیا پانچ دن! فرمانے لگے' اگر بعد ولادت تین دن کے اندر اندر دم کروا لیتے تو یہ تندرست ہو جاتا' مگر اب تو زائد المیعاد ہو چکا اب یہ زندہ نہیں رہے گا۔ میں نے کہا صوفی صاحب! زندگی اور موت تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے' آپ دم تو کر دیں۔ خیر انہوں نے دم کر دیا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ بچے نے تو کوئی بدپرہیزی نہیں کی' پھر یہ کیوں بیمار ہو گیا؟ فرمایا بیماری اس کی ماں کے پیٹ سے آئی ہے' اور پھر خود ہی اس کی تفصیل بھی (بغیر پوچھے ہی) بتانے لگے' کہ یہ اٹھراہ کی مرض ہے اور یہ مرض اس کو یوں لگا' کہ اس کی ماں کسی گلی میں ایسے پانی کے اوپر سے گذر گئی جو کسی ایسی عورت نے جو اٹھراہ کی مریضہ تھی' نہا کر گلی میں پھینک دیا تھا-----

مسلم صاحب کی یہ بات سن کر بندہ کو بہت صدمہ ہوا' کہ اگر وہ اپنی طرف سے یہ بات کہتے تو کوئی تعجب بھی نہ ہوتا' کہ اس فرقہ کے لوگ ایسے توہمات کے شدت سے قائل ہیں' مگر جن صوفی صاحب کا انہوں نے نام لیا تھا' ان کی طرف منسوب یہ بات سن کر بندہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ زیادہ اس وجہ سے' کہ صوفی صاحب ماشاء اللہ اہلحدیث تھے۔ (مسلم صاحب نے بطور شکایت یہ بات نہیں بتائی تھی بلکہ حکایت کے طور ذکر کی لہذا اس کے غلط ہونے کا امکان نہیں تھا' نیز صاحب موصوف یعنی عامل

صاحب کسی حد تک اپنی روحانی شہرت کے خصوصی شائق بھی تھے) اتفاق سے ہم دونوں شہر کے گندے پانی کے چھوٹے سے اس پل پر کھڑے ہوئے تھے جو سڑک اور گلی کو ملاتا ہے' راقم سے ضبط نہ ہو سکا اور انا للہ پڑھ کر مسلم صاحب سے کہا آپ ہی سچ سچ بتائیں کہ کیا ان کی یہ بات تسلیم کئے جانے کے قابل بھی ہے؟ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم کتنے بڑے گندے پانی کے پل پر کھڑے ہیں' اور اس پانی میں لوگوں کی غلاظت' مویشیوں کا گوبر' عیسائیوں کے غسل اور بیماروں اور میت کو نہلانے کا پانی سب شامل ہوتے ہیں' اور یہ پانی کتنا زیادہ بھی ہے اور اس کے ناپاک ہونے کا ہر شخص کو علم بھی ہے' مگر پھر بھی اس کے اوپر سے گذرنے والے کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا' کہ اس پانی سے ہمیں کوئی بلا یا بیماری چمٹ جائے گی۔ پھر اس تھوڑے سے پانی سے جو سوکھ بھی چکا اور نظر بھی نہیں آیا' کیسے اتنا زبردست مرض اس گذرنے والی عورت کو لگ سکتا ہے' جو نہ صرف اس کو بلکہ اس کی دوسری نسل کو بھی نہیں چھوڑتا۔۔۔۔۔۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو کیا بھارت کے کفار و جادوگر یہ عجیب موثر اور نسلوں تک کو تباہ کرنے والا آسان ترین نسخہ اس طرح استعمال نہ کرتے۔ کہ پنجاب (پاکستان) میں چار دریاؤں کا پانی ھندوستان سے آتا ہے' تب وہ جادوگر ہر روز یا ہر ھفتہ یا ہر ماہ دو چار سو ایسی گندی مندی عورتوں کو دریا میں نہلا دیا کریں (اور ایسی عورتیں نہاتی بھی ہوں گی) اور پھر وہ پانی تو پاکستان میں آتا ہی ہے' اس پانی کو جو مسلمان' انسان اور جانور پئیں وہ فوراً" مرجایا کریں' جن کھیتوں کو اس پانی سے سیراب کریں وہ فصل سوکھ جائے' اور اس پانی سے جو سیمنٹ وغیرہ میں ملا کر عمارتیں تعمیر کی جائیں' وہ اس پانی نما بلا سے خود ہی گر پڑیں' اور اس طرح نہ بھارت کو کوئی فوج رکھنے کی ضرورت پیش آئے اور نہ ایٹم بم بنانے کی' کیونکہ وہ یہ سارا کام صرف "بیمار عورتوں کے اشنان (غسل شدہ پانی) سے کر لیا کرے گا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس ایمان کے' اور قربان جایئے اس توحید کے' کہ صوفی صاحب ماشاء اللہ پکے اہلحدیث تھے اور ایک خاص منفرد اسٹائل کی رفع یدین بھی فرمایا کرتے تھے' بقول اس کے بیٹے کے' وہ "کالا علم" بھی استعمال کرتے تھے مگر برا ہو پیٹ صاحب کا' یہ ہر "مسلک" میں سے اپنا "مطلب" پورا کر لیتا ہے' جس کے طریق کار اور ڈھنگ بھی نرالے ہیں۔

(آگے "ایک لاکھ جنات کا پیر" میں بھی ملاحظہ فرمائیں) اسی نظریہ یا عقیدہ یا وہم کہ اس کی بیماری اس کے غسل سے لگ گئی۔ کے متعلق وضاحت ملاحظہ فرمایئے' کہ ایک شخص کی بیماری دوسرے شخص کو لگ جانے کی تردید واضح کئی احادیث میں موجود ہے' جن میں عدوی (ایک دوسرے کو بیماری لگنا) ہامہ' شگون بد' ستاروں کے اثرات وغیرہ بھی مذکور ہیں۔ ایک صحابی کا سوال' کہ خارش زدہ اونٹوں میں تندرست اونٹ شامل ہو کر خارش کے مریض بن جاتے ہیں' اور حضور پاک ﷺ کا جواب' کہ "پہلے اونٹ کو بھی بیماری اللہ کے حکم سے لگی (اس طرح) دوسروں کو بھی اللہ کے حکم سے لگی" بھی درج ہے۔ دراصل اللہ کریم مومنین کو ان اوہام وغیرہ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں' اور اپنے ساتھ ہمہ وقتی تعلق جوڑ کر اسے صحیح مومن' متقی اور متوکل بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ہر شخص ان اوصاف کے اعلیٰ مدارج کا حامل تو نہیں ہو سکتا' لہٰذا فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر کسی حد تک ادویہ اور جھاڑ پھونک جو مطابق شریعت ہو' کی اجازت عطا فرمائی۔ مگر اس میں بھی ہر وقت یہ نظریہ برقرار رہنا چاہیے کہ شفا صرف اللہ کریم کے پاس ہے' اور وہ اسی کے امر سے اور اسی کی مرضی سے آتی ہے۔ مذکورہ ظاہری اسباب میں شفا نہیں ہے' اور ہم ان ذرائع کو محض سنت نبوی پر عمل کرنے کی نیت سے اختیار کرتے ہیں۔ اور جو شخص ایسی صحیح زندگی بفضلہ تعالیٰ بسر کرے' تو اللہ کریم اسے ہر وقت اپنی نظر رحمت میں رکھتے ہیں' اور اس کے سب کام دونوں جہان کے بناتے ہیں' اور اسے اپنی دائمی رضا کے مقام پر بھی پہنچا دیتے ہیں ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ (الطلاق آیت ۳) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ باقی رہا سائنس کا معاملہ' کہ اس نے تو مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت کر دیا ہے کہ بیماری کے جراثیم ایک مریض سے دوسرے کو لگ کر بیماری پھیلاتے ہیں۔ تو عرض ہے' کہ گھر کے دس پندرہ افراد میں سے ایک دو ہی کیوں اس مرض کا شکار ہوتے ہیں' جبکہ سب خاندان کا معاملہ مریض سے یکساں ہوتا ہے' مگر بیمار سارے لوگ کیوں نہیں ہوتے؟ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ کیا اس دنیا کا نظام یونہی بے سرا چل رہا ہے یا اے ملحدین تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے؟ اگر تمہارا ایسا خیال ہو تو تمہیں ہی مبارک! جس طرح تم اپنے آپ کو اپنے جد

امجد "بندر" کی اولاد سمجھتے ہو' تو تمہیں اس کا حق ہے' مگر ہم تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ اور اشرف المخلوقات تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم قدرت کو ہم سے بھی (تفصیلا") زیادہ تسلیم کرتے ہو مگر قادر کی ذات کو ہی تسلیم نہیں کرتے؟ اس قادر مطلق نے بے شمار جہان پیدا فرمائے ہیں اور ان کا کلی انتظام بھی بلا شرکت غیرے محض اسی کے ہاتھ میں ہے' اسی اپنی دنیا میں مخلوق کی اولین ناگزیر ضرورت ہوا کا مسئلہ دیکھیں' کہ ہماری اپنی سائنسی برکات سے جو ہم فضائی آلودگی پیدا کرتے ہیں' کیا ان کا ازالہ عام صاف ہوا سے قدرتی طور پر ہمہ وقت نہیں ہوتا رہتا؟ اور کثیف و لطیف ہوا کے تناسب کا بھی خیال فرمایئے' شاید زمین و آسمان جتنا بڑا فرق ہو۔ اسی طرح کیا بیماری کے جراثیم' جو ہم خود اپنی بد پرہیزیوں سے پیدا کرتے ہیں' ان کے ازالہ کے لئے قدرت نے کوئی فطری نظام نہیں رکھا؟ قوت مدبرہ بدن کیا ہے' اسی نظام کا ہی ایک حصہ ہے! اور مزید یہ کہ بیماری کے جراثیم تو ہماری شامت کی شکل میں موجود ہو گئے' کیا قدرت نے تندرستی کے کوئی جرثومے تخلیق نہیں کئے؟ وہ سائنس جو نوع انسانی کی خدمت سے زیادہ اس کی تباہی کا باعث بن رہی ہے' اور جس کی بنیاد اتنی متزلزل ہے کہ ہر پچاس سال بعد اپنے سابقہ متعدد نظریات تبدیل کرتی رہتی ہے' وہ اب تسلیم کرتی ہے کہ پانی مفرد نہیں مرکب ہے اور ایسا مرکب جو اتنے چھوٹے جرثوموں پر مشتمل ہے جو سوئی کی نوک پر ہزاروں کی تعداد میں آسکتے ہیں؟ اور جنہیں صرف انتہائی طاقت کی خوردبین ہی دیکھ سکتی ہے۔ پہلے ان سائنس دانوں کو یہ جرثومے کبھی نظر نہیں آئے' اسی طرح تندرستی کے جراثیم بھی ہو سکتا ہے ان کی نظر سے پوشیدہ ہوں اور یہ لوگ کبھی اسے بھی تسلیم کرلیں۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ حدیث فی سور المومن شفاء (اوکما قال) مومن کے پس خوردہ میں شفاء ہے' کلی حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں شفا کا تعلق صفت ایمان سے بیان فرمایا گیا ہے اور توکل بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ مومن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور توکل اسے روحانی و جسمانی قوت عطا فرماتا ہے اور یہ قوت ذریعہ حصول شفا بنتی ہے۔ قرآن پاک بندے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کا بہترین اور اولین ذریعہ ہے' اس سے مومن کا قلب قوت اور شفا حاصل کرتا ہے وننزل من القران ماھو شفاء ورحمة للمومنین ○ قل ھو للذین امنوا

ھدی و شفاء ○ ویشف صدور قوم مومنین ○ و شفاء لما فی الصدور ○ واذا مرضت فھو یشفین ○ ہم نے قرآن میں مومنین کے لیے شفا اور رحمت نازل فرمائی۔ اور کہہ دیجیے کہ مومنین کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے اور اللہ کریم مومنین کے سینوں میں شفاء عطا فرماتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔ ان معروضات کا مقصد یہ ہے کہ دیگر غیر اسلامی توہمات کے ساتھ جو چھوت چھات' پانی پھلانگ جانا' مرگھا' سوتک' زچگی وغیرہ سے دہشت زدگی عوام میں (خصوصاً" عورتوں میں) بکثرت پائی جاتی ہے' اس کا ابطال کیا جائے' کہ یہ توہمات دینی اور دنیاوی دونوں نقصانات کا باعث بنتے ہیں' اور جب تک ان سے تائب نہ ہوا جائے' کوئی صحیح علاج بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا عرض کیا گیا کہ سب سے بڑا ذریعہ شفا روحانی و جسمانی قرآن مجید ہے' مگر وہ بھی مومنین کے لیے ہی شفا کا ذریعہ بنتا ہے' ظالمین کے لئے نہیں وننزل من القران ماھو شفاء ورحمة للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا ○ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۸) ہم نے قرآن میں مومنین کے لئے ہدایت اور شفاء نازل فرمائی ہے' مگر ظالمین ان سے نقصان ہی اٹھاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ان الشرک لظلم عظیم (سورہ لقمان آیت ۱۳) یقیناً" شرک سب سے بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کا شریک قرار دیا جائے---- اور مذکورہ توہمات اکثر ھندوانہ و کافرانہ تصورات و عقائد سے ماخوذ ہیں۔ جن سے حدود شرک میں دخول و شمولیت کا شدید خطرہ ہے' اور ایسی خرافات حق تعالیٰ' دین اور نبی برحق ﷺ سے دوری پیدا کرتی ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنتی ہیں۔ اللہ کریم ہمیں ان سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

ایک لاکھ جنات کا پیر جی

کئی برس کی بات ہے' ایک نووارد' پکی عمر کے' باریش تشریف لائے اور اپنا حال بیان کیا' کہ میں کئی سال سے بمعہ اہل و عیال مالی پریشانیوں اور امراض وغیرہ میں مبتلا ہوں' تفصیل یہ بتائی کہ ضلع (فرضی طور پر سیالکوٹ سمجھ لیں) کا باشندہ ہوں' کچھ اراضی ملنی تھی مگر دینے والوں نے کئی سال لٹکائے رکھا' یعنی نہ میرے نام انتقال اراضی کرتے اور نہ جواب دیتے (یعنی انکار بھی نہ کرتے۔) تنگ آکر میں نے اپنی ذاتی تھوڑی سی اراضی فروخت کر کے مظفر گڑھ میں زرعی اراضی خرید لی' مگر وہ دریا کے سیلاب میں بہہ گئی۔ گھر کے اکثر افراد بیمار رہتے ہیں' پتہ نہیں چلتا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ غالباً؟ وہ اپنی دانست میں غیب دانی کے کسی ذریعہ سے ان مصیبتوں کی وجہ معلوم کرنے آئے تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ ان مصیبتوں کی وجہ تو خود آپ کو ہی معلوم ہونی چاہیے' کیونکہ مصیبتیں تو نیک و بد ہر طبقہ پر آتی رہتی ہیں' اور مصیبتیں سب سے زیادہ تو انبیاء علیہم السلام پر آتی رہی ہیں خصوصاً" سید الانبیا ﷺ پر سب انبیاء سے زیادہ مصائب آئے' اس لئے کہ وہ اپنے مولا کی رضا پر راضی رہیں' اور اپنے امتیوں کے لئے راہ حق میں آنے والی تکالیف کے دور میں نمونہ صبر و استقامت بنیں۔ انبیاء علیہم السلام کا دور تو ختم ہوا اور اب تو باقی ہم گناہ گاروں کا طبقہ ہی رہ گیا' جن پر ان کے اعمال کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں' اور اکثر تو اللہ کریم ہمیں معاف ہی فرماتے رہتے ہیں وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم و يعفوا عن كثير ○ (سورہ الشوری آیتہ ۳۰) جو مصیبت آتی ہے وہ تمہاری کرتوتوں کی وجہ سے ہی آتی ہے اور ہم تمہارے اکثر گناہ تو معاف ہی فرماتے رہتے ہیں۔ (مفہوم) اب جو شخص جو نافرمانی اللہ تعالیٰ کی کرے گا اور اس کے دین کی حد توڑے گا تو اسے ہی پتہ ہو گا کہ میں نے کون سا گناہ کیا ہے' جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ جس نے گاجریں کھائیں اور پیٹ میں درد ہوا تو اسے فوراً" پتہ چل جاتا ہے کہ "پیٹ درد بوجہ گاجر" دوسرے کسی شخص کو اس کا کیا علم ہو سکتا ہے؟ یہ سن کر وہ شخص بڑا حیران ہوا اور بولا واہ جی واہ! یہ

آپ نے کیا کہا؟ میں فلاں شہر (گوجرانوالہ فرض کر لیں) میں فلاں صاحب (جو اہلحدیث علاقہ دیہات) کے پاس گیا تھا (جو عملیات کے لیے مشہور تھے) یہی حالات سنا کر میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی' تو انہوں نے کہا کہ میں ایسے تو نہیں بتا سکتا (یعنی نجوم' جفر فال وغیرہ سے) مگر ایک لاکھ سے زائد جنات میرے مرید ہیں' ابھی کوئی مریضہ ایسی آئے گی تو میں اس میں موجود جن کو حاضر کروں گا' اور اس مریضہ کا علاج کرنے کے بعد اس جن سے آپ کے مصائب کی وجہ بھی پوچھ لوں گا (قارئین! ملاحظہ فرمایئے' کس طرح نجوم وغیرہ کی نفی کر کے "اہلحدیثی" بھی برقرار رکھی جا رہی ہے اور مریضہ کے جن سے غیبی امور دریافت کر کے نخل ایمان پر کلہاڑا چلا کر حب جاہ یا حب مال کا ناجائز ارتکاب بھی کیا جا رہا ہے' اور اس طرح حق و باطل کو ہم آغوش فرمایا جا رہا ہے) تھوڑی دیر بعد ہی ایک مریضہ آگئی' اور مولوی صاحب نے دم وغیرہ کر کے "جن" کو حاضر کیا' اور اس سے کوئی "مک مکا" یا "معاہدہ" (بطریق مروجہ در علاج ہذا) کیا' پھر اس جن سے میرے متعلق پوچھا' کہ یہ شخص (نام حمایت اللہ فرض کر لیں' اصل نام اور تھا جسے سن کر راقم کے ذہن میں حضرت مولانا حکیم محمد عبداللہ صاحب روڑوی کا ارشاد یاد آیا کہ اس نام کے لوگ بہت ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں) اور مظفر گڑھ سے آیا ہے اور پوچھتا ہے کہ ہم پر جو کئی سال سے مصیبتیں آ رہی ہیں ان کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب ملا کہ ان کے گھر کے کل نو افراد کے پیچھے سات جن اور جنیاں لگی ہوئی ہیں (یعنی ان پر مسلط ہیں!) بندہ نے (ازراہ تفنن) کہا الحمدللہ! تشخیص تو ہو گئی پھر' اس کے بعد تجویز یا علاج کیا ہوا؟ کہنے لگے کچھ تعویذات انہوں نے دیے اور ہم نے استعمال بھی کیے مگر بالکل فائدہ نہیں ہوا' (یعنی ذرا بھی فرق نہیں ہوا)۔ یہ صاحب کچھ عالم بھی اور اہلحدیث بھی معلوم ہوتے تھے' ان سے بندہ نے عرض کیا' آپ کو ان آیات کا مطلب معلوم ہی ہوگا' ما دلھم علی موتہ اس جگہ اللہ تعالیٰ تو بیان فرماتے ہیں کہ جنات سلیمانی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم (بھی تقریباً" ایک سال بعد تب) ہوا جبکہ ان کے عصاء کو جس پر وہ (سہارا لگائے ہوئے فوت شدہ) کھڑے تھے دیمک نے کھا لیا' اور وہ ٹوٹ گیا تو عصاء کے ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ بھی گر پڑے۔ (حالانکہ حضرت سلیمانؑ ان جنات سے جو مسجد اقصیٰ تعمیر کر رہے تھے چند گز

کے فاصلہ پر تھے' اور یہ انہیں کھڑا ہوا دیکھ بھی رہے تھے) اس پر جنات بھاگ گئے اور انہوں نے خوب جان لیا' کہ اگر وہ (جنات) غیب جانتے ہوتے تو (کم از کم یہ ایک سال تو) اس ذلت آمیز عذاب میں نہ پھنسے رہتے۔ اب آپ فرمایئے! کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ جنات کو چند گز دور کا بھی علم نہیں اور آپ کے اہلحدیث مولوی صاحب جن کا دارومدار ہی قرآن و حدیث پر ہے' وہ جنات سے سینکڑوں میل دور کی خبریں کس بنا پر پوچھتے ہیں؟۔۔۔۔ خیر اس بات کا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے' تب بندہ نے عرض کیا حضرت ناراض نہ ہوں' کبھی دوا میٹھی ہوتی ہے کبھی کڑوی! بندہ کا تو نظریہ یہ ہے کہ مسلم بندے کے کام دو قسم کے ہیں' ایک وہ جو اس نے خود کرنے ہیں' دوسرے وہ جو کام تو اس کے ہیں مگر وہ اللہ کریم کے ہاتھ میں ہیں۔ پہلی قسم میں اعمال از قسم احکامات' فرائض و سنن وغیرہ ہیں' دوسری قسم میں بندے کی زندگی' موت' روزی' اولاد' شفا وغیرہ ہیں' ہمارا صحیح طرز حیات تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم قسم اول کے کاموں کی حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کریں' دوسری قسم کے کام اللہ کریم ہمارے خود پورے فرمائیں گے۔ مگر ہمارا نفس یا شیطان ہمیں ایک دوسرے تصور' اور پھر اس کے مطابق عمل کے "جال" میں پھانس لیتا ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے ہمارے کرنے ہیں اس پر تو ہم اعتبار نہیں کرتے' اور کہتے ہیں کہ ہم خود کریں گے' جیسے روزی کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے وما من دابة فى الارض الا على الله رزقها (ہر ذی روح زمین پر چلنے والے کے رزق کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے) مگر ہم کیا کہتے ہیں "کمائیں تو کھائیں گے" اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ذمہ لگایا ہے اور فرمایا ہے کہ جنتیوں کو کہا جائے گا ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون (اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ) اگرچہ ان اعمال کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی' مگر اپنے اس فضل و کرم کے ساتھ مزید فضل یہ فرما رہے ہیں کہ دخول جنت کو ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال سے منسوب فرما رہے ہیں۔ مگر ہم اس دخول جنت کے مبینہ سبب (اعمال) کو خود تو کرتے نہیں' اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا دیتے ہیں' کہ اجی اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمانا ہی ہے اور تقدیر میں ہمیں جنتی لکھا ہی ہے تو کیوں پھر ان اعمال کی مشقت برداشت کی جائے' اور اگر خدانخواستہ دوسرا مقام ہے تب تو عبادت وغیرہ بالکل ہی فضول ہیں۔

(نعوذ باللہ) اور یہ سہل انگاری صرف دین کے اعمال میں ہے' دنیا کے کاموں میں ضرورت سے کئی گناہ زیادہ کھپتے رہتے ہیں' اور ان کاموں میں ہم ایسی کوئی حجت بازی نہیں کرتے۔ اللہ تعالی ہدایت دے آمین!۔۔۔۔ لہذا ان معروضات کی روشنی میں اپنا مسئلہ حل کر لیں اور ممکنہ حد تک اصلاح کمی بیشی وغیرہ کے بعد اللہ تعالی سے دو رکعت نفل صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر مسنون دعائے حاجت کے مطابق دعا کرتے رہیں۔

ڈاکو یا ڈاکٹر

ایک بستی کے ایک دیہاتی شخص (نام ولی محمد فرض کر لیں) نے کئی سال پیشتر دسمبر یا جنوری کی سردی کے ایام میں آکر اپنا دکھڑا بیان کیا' کہ میں امرتسر کا مہاجر ہوں' وہاں بھی مویشی دودھ کے لئے بھینس وغیرہ رکھتا تھا اور یہاں آکر بھی "لویرا" بحمد اللہ موجود ہی رہتا ہے' اس لئے مجھے ان مویشیوں کے معاملات کا خاصہ تجربہ بھی ہے' اس وقت میری بھینس کو تین دن سے بجائے پیشاب کے پورے کا پورا خون آرہا ہے' میں نے خود بھی دیسی ادویہ دیں اور ڈنگر ڈاکٹر سے بھی دوا لایا اور تین دن میں تین سو روپے خرچ ہو گئے' مگر ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ہوا (سستے زمانہ کے تین سو روپے ذہن میں رکھیں) رات مجھے اچانک یہ خیال آیا کہ یہ مرض نہیں بلکہ کوئی اور چکر ہے! راقم نے پوچھا کس وجہ سے یہ خیال آیا؟ کہا میری بیوی دس بارہ سال سے مسلسل بیمار ہے' دور دور سے کمالیہ وغیرہ سے اور نزدیک سے بہت علاج کروائے' سوائے ایک جگہ کے جہاں سے تھوڑا سا فائدہ ہوا کسی دوسری جگہ سے ذرہ بھر بھی آرام نہیں ہوا' اور اس شخص کے علاج سے بھی اس وقت تک آرام رہتا جب تک اس کے تعویذات استعمال کرتے' تعویذ ختم تو فائدہ بھی ختم! اس عامل کی شخصیت کی کچھ علامات بتائیں تو راقم کو پتہ چل گیا کہ وہ شخص علی الصبح ہی گلیوں میں "صدا" لگایا کرتا تھا۔ جوان' گورا رنگ' دو تین انچ سیاہ داڑھی' سر پر پٹے رکھے ہوئے' ہاتھ میں چھڑی اور غالبا" تھیلا' اور اس کی ایسی سریلی پر اثر آواز اور ایسی صدا' کہ بس یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ پر قربان ہی ہو چکا ہے' خیر ولی محمد صاحب نے بتایا کہ پہلی بار اسے گھر لائے' مریضہ کو اس نے مختلف تعویذات دیئے چند ایام کے لئے' وہ ختم ہوئے تو چند دن کے اور تعویذ دے گیا' وہ ختم ہوئے تو مزید دے گیا' ہمیں ہر دفعہ اس کی خصوصی "خدمت" (نقدی سے) کرنا پڑتی۔ خاصا عرصہ اسی طرح گذر گیا' انسان پر تنگی فراخی آتی رہتی ہے' بعض دفعہ بڑی مشکل سے اس کی خدمت کی رقم پوری کی جاتی' تب میں سوچنے لگا' کہ ایک بیماری دور ہوئی مگر دوسری بیماری چمٹ گئی! اور پھر ایک دن ایسا

ہوا کہ میں بازار میں جا رہا تھا کہ اچانک وہ "عامل" مجھے دور سے نظر آیا' اس دن اس نے آنا بھی تھا اور اتفاقاً" میری جیب میں اس وقت ایک پیسہ بھی نہ تھا اور نہ گھر میں کوئی رقم تھی' اس لئے میں فوراً" کھسک کر گلی میں سے ہو کر کہیں دوسری جگہ چلا گیا' کہ اگر یہاں وہ مجھے مل گیا تو اس کو گھر بھی لیجانا پڑے گا' اور قرض لے کر خدمت بھی کرنی پڑے گی۔ لہٰذا اب وہ اگر گھر میں جائے گا تو میں اسے وہاں نہیں ملوں گا تو وہ خالی ویسے ہی واپس چلا جائے گا۔ اور میں اپنی دانست میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ مگر گھر آیا تو پتہ چلا کہ وہ عامل تو گھر پر آیا ہی نہیں۔ پھر ایک دوبار یہی معاملہ پیش آیا کہ میں اسے دیکھ کر کھسک جاتا۔ اور وہ اس تمام عرصہ میں ہمارے گھر نہیں آیا' حالانکہ معمول کے مطابق اسے اس عرصہ میں کئی بار آنا چاہئے تھا' جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس کو بھی یہ علم ہو گیا ہے کہ یہ "مرغی" کڑک ہو گئی ہے' اور اب مجھے یہاں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا' اور غالباً" اسی وجہ سے ہی اس نے کوئی چکر چلا دیا ہے' کہ یہ تنگ آکر پھر میرے قدموں میں گر جائیں۔ بھلا سردیوں میں بھی بھینس کو اتنی گرمی کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ سو فیصد خون کا ہی پیشاب کرے۔ اس کی بات سن کر بندہ نے کہا کہ انسان کی مشتبہ امراض (تکلیف وغیرہ) کی تشخیص کے لئے تو بندہ اس مریض کو تین ڈلیاں مصری کی دم کر کے کھلانے کو دیا کرتا ہے' کہ تسلی سے ذرا وقفہ سے انہیں کھا کر انکا ذائقہ بتائے کہ کڑوا ہے یا میٹھا یا پھیکا؟ اور اس سے کچھ پتہ چل جاتا ہے (اگرچہ یہ یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے) مگر اس جانور کی اس تکلیف کی تشخیص کیسے ہو سکتی ہے؟ خیال ہوا کہ عذر کر دیا جائے مگر پھر اچانک ذہن میں آیا اور اسے کہا کہ کسی چھوٹے برتن گڑوی وغیرہ میں نہر کا پانی لاؤ اور اس پر دم کرواؤ' پھر وضو کر کے بھینس کے صرف منہ ناک اور سر پر اس کے ہلکے چھینٹے مارنا' اور خیال رکھنا کہ پانی نیچے گندی جگہ نہ گرے' پھر آکر مجھے بتانا! چونکہ وہ غرض مند تھا لہٰذا سن کر فوراً" چلا گیا' اور چھوٹی سی ایلومونیم (سلور) کی بالٹی میں پانی لے آیا اور اس پر دم کروا کے لے گیا' اور تقریباً" نصف گھنٹہ بعد واپس آگیا اور بتانے لگا' کہ میں نے وضو کر کے چھینٹے مارنے شروع کئے تو دو تین منٹ تک تو اس نے کوئی پرواہ ہی نہ کی' اس کے بعد وہ گھبرانے لگی' پھر تھوڑا تھوڑا ناپنے لگی اور پھر تو ایسی بپھری کہ آنکھیں لال سرخ'

نتھنوں سے پھنکارے مارنے لگی اور ایسی بھڑکی کہ حد کر دی' میں حیران کہ یہ تو بکری جیسی اصیل تھی' اب ان پانی کے چھینٹوں سے کیوں ایسی بدک رہی ہے جیسی بندوق کی گولی اسے لگتی ہو۔ خیر میں نے پانی ختم کر کے ہی دم لیا' اور اخیر میں یہ عجیب بات ہوئی کہ اس نے چند قطرے پیشاب کے کئے' جن میں معمولی سی ہلکی سی سرخی کی جھلک تھی------ اس آخری مشاہدہ سے ولی محمد صاحب کا یقین مزید مضبوط ہو گیا کہ ابھی تو تشخیص ہی کی جا رہی ہے۔ جب صرف اس تشخیص سے ہی اتنا فائدہ ہو گیا تو الحمد للہ علاج سے تو انشاء اللہ ضرور پورا فائدہ ہو گا! چنانچہ اسے بندہ نے بتایا کہ تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ پھر نمک دم کر کے دیا کہ اسے پانی میں گھول کر باوضو (دوہنے سے پہلے) پہلے کی طرح چھینٹے مارو پھر اسی نمک والا آٹے کا پیڑا کھلا دینا اور یہ تعویذ گلے میں ڈال دینا------ وہ چلا گیا اور چند دن بعد پھر آگیا' کہ الحمد للہ بھینس تو بالکل ٹھیک ہو گئی ہے اب میری بیوی کا علاج کرو! بندہ نے پوچھا جو تعویذ آپ کے سائیں صاحب نے آپ کی اہلیہ کو دیئے تھے ان میں سے کوئی باقی بھی ہے؟ کہا پینے کے پلا دیئے وہ ختم ہو گئے' دھونی اور مالش کے تھے وہ بھی ختم ہو گئے' صرف گلے کا تعویذ باقی ہے۔ راقم نے کہا وہ لا کر دکھاؤ! تھوڑی دیر بعد وہ تعویذ لے آیا جسے شاید ابھی تک اس نے منڈھوایا بھی نہ تھا۔ کہ سکول والی کاپی' کاغذ سخت سا' نیا تہہ کیا ہوا بڑا سا سائز۔ بندہ نے اسے کھولا اور دیکھا اور ششدر رہ گیا' کہ جو کچھ لکھا دیکھا اس میں نوری کلام کے ساتھ ساتھ کتنے ہی غیر اللہ کے نام اور ان سے استمداد وغیرہ کی گئی تھی' اور اس میں اتنا مبالغہ کیا گیا تھا' کہ یہود و ہنود کے معبودوں سے بھی برکت اور شفا کی خاطر ان کے نام بھی درج تھے' یعنی شروع میں پہلی سطر کے۔ درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور چاروں کونوں پر ہندوؤں کے اوتار رام' لچھن' سیتا' ہنومان کے نام' پھر نیچے "پنجتن پاک" کے نام' پھر آتش پرستوں کے نو روز اور زر دشت وغیرہ' اور درمیان میں چوکور خانوں میں کوئی ہندسے وغیرہ' اور پھر فرشتوں کے نام! یعنی بسم اللہ تو صرف تبرک کے لئے لکھی تھی' باقی سب غیر اللہ سے استعانت و استمداد کی تحریر تھی' اور مقصد صرف یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو شیطانی یا رحمانی اثر ہو کر مریض کی کچھ تسلی ہو جائے' اور پھر اس کا اپنا الو سیدھا ہو جائے۔ بہر حال یہ سب کچھ دیکھ کر بندہ نے یہ

تو بتا دیا کہ واقعی یہ شیطانی چکر ہی چلایا گیا ہے' مگر بوجہ اپنی مسلسل مرض کے بندہ نے علاج سے فی الوقت معذرت کر دی۔ بتانا صرف یہ ہے' کہ کس طرح لوگ ان شیطانی جالوں میں پھنستے اور پھنساتے ہیں۔ دنیا کے حصول کی خاطر ڈاکٹر سے ڈاکو بھی بن جاتے ہیں انما اشکوا بثی و حزنی الی اللّٰہ اس المناک صورت حال کی اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد ہے۔ نوٹ: اس عامل کو جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ اسامی میرے پھندے سے نکل گئی ہے تو ایسا غائب ہوا' کہ اس کی گلیوں کی صدا تو کجا' اس کی شکل بھی پھر کبھی نظر نہ آئی۔

ایہہ ہور سید اوہ ہور سید

ایک صاحب' کاشتکار' خاصی دور سے تشریف لائے' سخت سردی کا موسم تھا کہنے لگے کہ میری بھینس لہو کا پیشاب کرتی ہے' دواؤں سے آرام نہیں آیا' تعویذ دیدو! بندہ نے کہا اگر مرض ہے تو دواء سے ہی علاج ہونا چاہیے- کہنے لگے شاید نظربد ہو- راقم کو گزشتہ واقعہ ولی محمد کی بھینس کا یاد آیا اور مختصر سا انہیں سنایا کہ اتنی سردیوں میں یہ مرض جو گرمی کے موسم میں تو کسی حد تک ممکن ہو سکتا ہے' اتنی سخت سردی میں تو سمجھ میں نہیں آتا- ولی محمد کا واقعہ سن کر اس نے بھی اپنا واقعہ سنایا (غالباً" پیر پرست طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے خواہ نقلی پیر بھی ہو اس لفظ کے خلاف کچھ کہنا بھی باعث انقباض و حجاب ہوتا ہو گا) کہ میں تو باہر کھیتوں میں گیا ہوا تھا' گلی میں دروازے پر ایک شخص گھوڑی پر سوار آیا' غالباً" دروازہ کھلا ہوا تھا یا دیوار چھوٹی تھی کہ اسے گھوڑی پر بیٹھے ہوئے گھر کے صحن میں پندرہ بیس چوزے نظر آئے' تو کہنے لگا ایک چوزہ مجھے دیدو- گھر والی نے اس خیال سے' کہ چلو الحمد للہ یہ اتنے سارے ہیں' ان میں سے ایک اس سائل کو دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' چیل یا بلی بھی تو چوزے کو اٹھا لے جاتی ہے' وہ ایک چوزے کو پکڑنے لگی تو چوزے نے شور مچا دیا' جسے سن کر اس کی ماں مرغی بھی بھاگی ہوئی سامنے آ گئی' جب اہلیہ نے چوزہ پکڑا اور اس شخص کو دینے لگی تو وہ مرغی (جو بڑی اعلیٰ اور قیمتی تھی کو) دیکھ کر کہنے لگا' نہیں میں چوزہ نہیں لوں گا بلکہ یہ مرغی لوں گا! اہلیہ نے کہا کہ' اپنے خاوند (گھر کے مالک) کی اجازت کے بغیر چوزہ تو اپنی ذمہ داری پر دے سکتی تھی' مگر مرغی میں ان کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتی- یہ سن کر وہ دھمکیاں دینے لگا کہ تمہیں پتہ نہیں میں کون ہوں؟ میں سید ہوں مجھے خالی واپس کرتے ہو' میں تمہارا اور تمہارے جانوروں کا ستیاناس کر دوں گا- وغیرہ مگر میری بیوی نے اسے مرغی نہ دی اور وہ اسی طرح بڑ بڑاتا ہوا چلا گیا- شام کو میں گھر آیا تو مجھے یہ قصہ معلوم ہوا اور پھر دوسرے دن بھینس کو یہ تکلیف ہو گئی- اس پر راقم نے کہا کہ یہ نظربد نہیں' بلکہ یہ بھی وہی معاملہ معلوم ہوتا ہے جو میں نے ولی

محمد کا آپ کو سنایا ہے۔ بہر حال اسے اسی شیطانی چکر کے دفع کرنے کے لئے ایمان و یقین کی دعوت کے ساتھ تعویذ وغیرہ بھی دئے۔ بعد میں وہ صاحب کسی اور کام کے لئے آئے تو انھوں نے بتایا کہ الحمد للہ شفا ہو گئی ہے۔

تحقیق: ۔ان جدید سیدوں کا حال آپ نے ملاحظہ فرمایا' ایک مرغی کے لئے مسلمان کا بیڑا غرق کرنے کو تیار ہیں' کیا یہ اصلی سید ہیں؟ اعمال سے تو نہیں لگتے' کہ اصلی سیدوں کے نانا جی ﷺ نے اپنی ذاتی نقصان کا' اور اپنے عزیزوں کا' ان کے قاتلوں تک سے کوئی انتقام نہیں لیا تھا۔ آپؐ کے دانت مبارک شہید کر دینے والے اور خود مبارک کی کڑیاں آپؐ کے رخسار مبارک میں پیوست کر دینے والے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو شہید کرنے والوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا' بلکہ سب کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو دوسرے فتنوں اور ان جدید جعلی سیدوں اور پیروں سے محفوظ فرمائے آمین!

مرشد کھال کھینچ

ایک دیہاتی غریب آدمی نام اللہ نواز فرض کرلیں' اپنی بھینس کے لئے تعویذ لینے آیا' جیسا کہ آگے آنے والے حال سے معلوم ہو گا کہ وہ اسی "پیر پرستی" میں گرفتار خاندان کا فرد تھا' مگر وہابیوں کی ہمسائیگی سے خاصا متاثر معلوم ہوتا تھا' غالباً" اسی لئے اس نے از خود ہی اپنا واقعہ سنایا۔

پاکستان بننے کے چند سال بعد کی بات ہے کہ میں بھی اپنی آبائی رسم و رواج کے مطابق اپنے والد کے اور پھر ان کے پیر صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سے بیعت ہوا۔ (پیر صاحب کا دربار سرگودھا فرض کرلیں) یہ نئے پیر صاحب بڑے قد آور خوبصورت جوان' اچھے کھانے پہننے کے شوقین' داڑھی منڈھی ہوئی' (غالباً") نماز روزے سے بھی آزاد نظر آئے۔ سوائے اس کے کہ یہ بڑے پیر صاحب کے بیٹے تھے اور کوئی صفت ان میں پیروں والی نہ دیکھی (یہ بھی المیہ ہے کہ ڈاکٹر کا بیٹا پیدائشی ڈاکٹر نہیں ہوتا اور نہ بغیر انجینئری لکھے پڑھے کوئی انجینئر بن سکتا ہے' مگر پیر صاحب کا بیٹا ضرور پیدائشی ہی پیر ہوتا اور سمجھا جاتا ہے۔ غالباً" یہ اس وجہ سے ہے کہ ڈاکٹری اور بغیر انجینئری کا تعلق ہماری دنیا کے معاملات سے ہے اور پیری کا تعلق صرف دین اور آخرت سے ہے' اور ہمارے دل میں دنیا کی تو پوری قدر موجود ہے مگر دین اور آخرت کی کماحقہ اہمیت نہیں' انا للہ) خیر اس کے بعد دو تین دفعہ پیر صاحب کی خدمت میں ہر ششماہی "نذرانہ خدمت" پہنچتا رہا (کہ اصل مقصد مروجہ پیری کا یہی ہے) اس کے بعد ایک دن مجھے پیغام ملا کہ پیر صاحب تمہیں ملتان میں یاد فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا ملتان کس شخص یا افسر کی کوٹھی میں ٹھہرے ہیں اس کا نمبر پتہ وغیرہ بتاؤ' تو وہ پیامبر کہنے لگا "سنٹرل جیل!" میں نے پوچھا کیا سنٹرل جیل کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کوٹھی؟ کہا نہیں بلکہ پیر صاحب جیل میں قید ہیں۔ میں بڑا حیران ہوا' کہ پیر صاحب اور جیل میں؟ یہ کیا بات ہوئی؟ مزید پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شجا عباد (فرضا") میں انہوں نے اپنے مرید کو قتل کر دیا تھا۔ اس پر مجھے اور بھی حیرانی ہوئی کہ یہ کیا؟ کیا پیر صاحب قتل بھی کیا

کرتے ہیں؟ خیر میں ملتان پہنچا اور کسی ذریعہ سے پیر صاحب سے ملاقات کی اجازت لی' اب سلاخوں کے اندر پیر صاحب اور باہر میں' میں نے جاتے ہی کہا "پیر سائیں السلام علیکم" (ہاتھ پیر تو چوم نہیں سکتا تھا) پیر صاحب کھڑے حیرانی سے مجھے دیکھتے رہے جیسے مجھے پہچانا نہیں۔ چند لمحہ بعد فرمانے لگے' "تم کون ہو؟" میں نے دل میں کہا "لو جی! یہ تو یہاں بھی نہیں پہچانتے' قیامت کے روز ہمیں کیا پہچانیں گے اور کیا ہمیں بخشوائیں گے" خیر میں نے بتایا کہ میں اللہ نواز ہوں اور ------ سے آیا ہوں' پھر میں نے پندرہ روپے ان کی خدمت میں پیش کئے' اتنی دیر میں مجھے سپاہی نے پیچھے کھینچ لیا کہ بس ٹائم ختم ہو گیا اور میں پیر صاحب کو اشارہ سے سلام کر کے واپس آگیا۔ تقریباً ایک سال بعد مجھے پھر پیر صاحب کا پیغام ملا کہ ملتان فلاں روڈ (جو ملتان شہر کے بیرونی علاقے میں تھی) پر فلاں کارخانہ کے پاس فلاں شخص کی بھینی (مربعہ میں مکان) میں تمہیں پیر صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور بائیس روپے ان کی خدمت کے لئے ہمراہ لے لئے۔ وہاں پہنچا تو پیر صاحب کی خدمت میں کئی آدمی مودب بیٹھے ہوئے تھے' میں نے پیر صاحب کو سلام کیا۔ اور گٹے گوڈوں کو ہاتھ لگایا اور بائیس روپے نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا' کہ میں غریب آدمی ہوں' اپنی حیثیت سے ذرا زیادہ ہی بمشکل یہ نذرانہ لا سکا ہوں قبول فرمائیں! مگر پیر صاحب بائیس روپے دیکھ کر ناراض ہو گئے' اور فرمایا بس یہی کچھ؟ تجھے پتہ نہیں کہ اس کیس میں میرے ہزاروں روپے خرچ ہو گئے' اس تھوڑی سی رقم سے میرا کیا بنے گا؟ مجھے تو تم سے کم از کم تین سو روپے چاہئیں۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب سونا تقریباً" ایک سو روپے تولہ تھا یعنی آج کے نرخ کے مطابق پیر صاحب نے پندرہ ہزار روپے طلب فرمائے' خیر میں تھوڑی دیر تو بیٹھا رہا اور پھر استنجا کرنے کے بہانے اجازت لی اور وہاں سے ایسا بھاگا کہ گھر آکر ہی اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ہے ہمارے پیروں کا حال کہ غریبوں کی کیسے کھال کھینچتے ہیں۔ یہ مسند رہنمائی ہے یا خنجر قصائی؟

اسماعیل کی آپ بیتی

غلط عاملین کے بعد اب چند واقعات صحیح عاملین کے ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۹۷۰ء کی بات ہے چند اشخاص مرد عورت قوم اوڈ لاہور سے آئے' کہ فریق مخالف نے ہم پر جادو کر دیا ہے' گھر میں اکثر بیماری اور آپس میں لڑائی جھگڑا' کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے۔ بندہ نے کہا یہ تو آپ نے دوسرے فریق کے کارنامے بیان کیے ہیں' ذرا اپنا حال بھی بتائیے کیا نماز پنجگانہ پڑھتے ہو اور سرمایہ کی زکوۃ نکالتے ہو؟ تو وہ چپ کر گئے۔ اس پر بندہ نے کہا کہ ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو حتی المقدور اللہ تعالی کی شریعت کے احکام پر عمل کر کے درست کر لیں' پھر اس کے بعد کسی دوسرے معاملہ کو لیں' ہمارا حال تو بنی اسرائیل کا سا ہے' کہ جب کوئی عذاب الہٰی ان پر ان کے انکار حق کی وجہ سے امساک باران' جوئیں یا ٹڈی دل کی صورت میں نازل ہوتا تو وہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی "نحوست" قرار دیتے' کہ انہوں نے اپنے نئے دین کا پھڈا ڈالا ہے تبھی یہ حالات پیش آئے' ورنہ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا' اور اگر اللہ تعالی کوئی آسانی اور خوشی انہیں دیتا تو کہتے ہم تو اسی لائق تھے واذا جاء لهم الحسنة قالوا لنا هذه وان تصبهم سيئة يطيروا بموسى ومن معه (سورہ اعراف آیۃ ۱۳۱) دوسری طرف ایک اور شخص اسمٰعیل نامی قریبی چک کا بیٹھا ہوا تھا جو اگرچہ انہیں کی برادری کا (اوڈ) تھا' مگر ان سے واقفیت نہ تھی' بندہ کی بات سن کر بولا' بھائیو' بہنو' یہ جو نماز والی بات آپ نے سنی ہے' بس اس پر پکے ہو جاؤ' پھر دیکھنا کیسے تمہارے کام اللہ تعالیٰ خود ہی ٹھیک کرتے ہیں۔ میں یہ کوئی ہوائی بات نہیں کر رہا بلکہ خود میرے ساتھ یہ بات بیتی ہے' اس لئے میں تمہیں بھی اس کی بڑی تاکید کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنا بڑا ہی ایمان افروز واقعہ سنایا' اسی کی زبانی سنئے! جب ہم مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں آگئے تو یہاں قریبی چک میں ہمیں بھی اکثر دوسرے مہاجرین کی طرح ایک ایکڑ فی کس زرعی اراضی الاٹ کر دی گئی' دوسرے کاشتکاروں کی طرح میں نے بھی فصل کاشت کی' مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ

میرے چاروں طرف ملحقہ کھیتوں میں دوسروں کی اچھی بھلی فصل ہوتی' مگر میری فصل زمین سے ایک دو بالشت اوپر ابھرتی اور جل جاتی یا سوکھ جاتی یا کہیں تھوڑی سی اگتی کہیں اگتی ہی نہیں تھی' کئی فصلیں اسی طرح برباد ہو گئیں' تب میں بڑا حیران اور پریشان ہوا کہ یہ کیا بات ہے' کہ میرے کھیتوں کے پڑوسی بھی اسی دوکان سے بیج لا کر فصل بوتے ہیں' جس سے میں بھی لاتا ہوں' یعنی ایک ہی بیج سب بوتے ہیں اور ایک ہی کھالے کا پانی اسے سارے لوگ لگاتے ہیں اور زمین بھی سب کی ساتھ ساتھ اور ایک ہی قسم کی یعنی اچھی قسم کی ہے' مگر صرف میرے ساتھ ہی یہ نقصان کا معاملہ کیوں پیش آتا ہے؟ (جہاں کسی کو کسی سے اعتقاد ہوتا ہے وہ اڑی مشکل کے حل کے لئے اسی سے رجوع کرتا ہے غالباً" اسے بھی یہی مروجہ وہم لاحق ہوا ہو گا کہ کسی مخالف نے میری فصل "باندھ" دی ہے اور میری فصل وہ خود "کھینچ کر" اپنی فصل میں شامل کر لیتا ہے) بہر حال میں ایک بزرگ (امیر المجاہدین) صوفی عبداللہ (اوڈانوالہ ماموں کانجن کی خدمت میں حاضر ہوا (غالباً" مسلک اور اوڈ کا لفظ وجہ مشترک تھی) اور اپنا سارا قصہ سنایا۔ انہوں نے مجھ سے دوسرے "عاملین" کی طرح یہ نہیں پوچھا کہ کیا کسی سے تمہارا کوئی لڑائی جھگڑا ہے؟ بلکہ صرف یہ پوچھا کہ تم نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی" فرمایا "نہ بیٹا! یہ بات نہیں' پوری پانچوں نمازیں روزانہ پڑھو یہ تو اللہ کی مرضی کی نماز ہوئی اور اگر اس سے کم پڑھیں تو وہ اپنی مرضی کی نماز ہو گی اللہ کی نماز نہیں ہو گی! اس کے بعد فرمایا "بس اسی طرح واپس چلے جاؤ اور آج سے گن گن کر پوری پانچ نمازیں روزانہ چالیس دن پڑھو اس کے بعد پھر میرے پاس آنا" (یعنی مجھے کوئی تعویذ دم درود وغیرہ نہیں کیا) چنانچہ میں واپس آگیا اور پورے چالیس دن پوری نمازیں پڑھیں' پھر دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور بتایا کہ میں اکتالیس بتالیس دن پہلے ملتان سے حاضر ہوا تھا اور یہ میرا مسئلہ تھا' جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ چالیس دن نمازیں پڑھ کر دوبارہ آنا لہٰذا میں دوبارہ آیا ہوں' اور اگر آپ فرمائیں تو میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے چالیس دن پوری نمازیں پڑھی ہیں اور ایک نماز بھی قضاء نہیں کی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "کیا اللہ تعالی کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہو کہ چالیس دن پوری نمازیں پڑھی ہیں"" میں نے عرض کیا "جی ہاں" (چونکہ

ان کے گھٹنوں میں عموماً درد رہتا تھا' لہٰذا وہ اکثر پالتی مار کر بیٹھا کرتے تھے) میرا جواب سن کر وہ دو زانو (التحیات' قعدہ کی شکل میں) ہو کر قبلہ رخ ہوئے اور اوپر کو چہرہ مبارک اٹھا کر بڑی ہی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی "اے میرے اللہ! (پھر میری طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس بندے نے تیری بات مان لی اس لئے اب تو اس کی بات مان لے" (تو اور اس پر زور دے کر) اور مجھے فرمایا "بس بیٹا جا چلا جا!" چنانچہ میں واپس آ گیا۔ اور اب آپ اگر چاہیں تو میرے ساتھ جا کر خود دیکھ لیں کہ "الحمد للہ! میرا کماد اردگرد کے سب کمادوں سے اونچا ہے" یعنی جب میں صحیح نہیں تھا تو میرے حالات بھی صحیح نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے (تھوڑی سی تکلیف بھیج کر) مجھے سیدھے راستے پر لگا دیا' میں صحیح ہو گیا تو میرے حالات بھی صحیح ہو گئے۔ (اللہ تعالیٰ کا مزید کرم یہ ہوا کہ صحیح کتاب و سنت کے عامل و حامل بزرگ کے پاس بھیج دیا' ورنہ دین و ایمان کے مروجہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ جاتا تو سب کچھ صفا چٹ ہو جاتا!) "علما حق" اپنے پاس آنے والے غرض مند اور معتقدین اشخاص کی زندگی کی گاڑی کو "عملیات" سے "اعمال" کی صحیح پٹڑی پر چڑھا دیتے ہیں وللہ الحمد۔

صوفی عبداللہ صاحب کا صبر و استقامت

صوفی عبداللہ صاحب ماموں کانجن والے اپنے وقت میں سید احمد شہید رحمہ اللہ کی باقیات تحریک کے امیر تھے جسکا مرکز چمرقند (یاغستان) تھا' بڑے عرصہ روپوش رہ کر زیر زمین بھی کام کرتے رہے' تحریک کی مالی امداد تقریباً" کلی طور پر انہی کے ذریعہ ہوتی تھی' بڑے ہی نڈر اور جفاکش مجاہد تھے' انگریز ان سے بہت خائف اور ان کا پکا دشمن تھا' اس کا خیال تھا کہ اگر ایسے خطرناک شخص کی نسل چل نکلی تو ہمیں انڈیا سے ضرور بستر گول کرنا پڑے گا۔ راقم نے ان کے خلیفہ محترم الحاج مولانا عائش محمد صاحب بڈھی مالوی سے حرم شریف میں صوفی صاحب کے صبر و استقامت کا حیرت انگیز واقعہ سنا جو انہوں نے خود صوفی عبداللہ صاحب موصوف سے سنا تھا' صوفی صاحب کی زبانی : (مفہوم) انگریزوں نے (غالباً") دھوکے سے مجھے گرفتار کر لیا اور مجھ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی' وہ مجھ سے ہندوستان میں مجاہدین کے پتے' رابطے' ٹھکانے اور انہیں مالی امداد فراہم کرنے والوں کے نام و کوائف پوچھتے تھے' وہ مارتے مارتے تھک جاتے' پھر ان کی جگہ تازہ دم آدمی آجاتے اور وہ بھی مارتے مارتے عاجز آجاتے' مگر بحمد اللہ میرے منہ سے ایک لفظ بھی ان کے حسب مطلب نہ نکلتا' اور یہ سب کچھ پولیس کا بڑا انگریز افسر اپنی نگرانی میں کراتا۔ ایک دن ایک مسلمان لوہار خوشامدی تھانیدار نے چاپلوسی سے کہا "حضور! اسے میرے سپرد کر دیں' یہ تو محض ایک انسان ہے اگر ہاتھی ہو تو وہ بھی چیخ نہ پڑے تو میرا نام بدل دینا' چنانچہ مجھے اس "قصائی" کے حوالے کر دیا گیا' اور اس نے اپنی لوہاری صفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک "آہرن" منگوایا (وہ لوہے کا بھاری چوکور ٹکڑا جس کو زمین میں گاڑ کر لوہے کے کسی دوسرے ٹکڑے کو آگ میں سرخ کر کے اس "آہرن" پر رکھ کر بڑے ہتھوڑے سے رسیوں سے مسلسل کوٹتے ہیں) اور پھر مجھے باندھ کر اس آہرن' کے اوپر رکھ کر میرے خصیتین ہتھوڑے سے کچل دئے گئے۔ (شاید انگریز نے یہ سوچا ہو گا کہ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہوتے ہیں راز اگلوانا اور اس کی نسل کشی) بہر حال ان کے دوسرے حربوں کی طرح یہ حربہ بھی ناکام

ہو گیا' اور اللہ تعالی نے مجھے ایسا صبر عطا فرمایا' کہ ان کا مطلوبہ ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکلا اور وہ ذلیل و نامراد اپنا سا منہ لے کر رہ گئے" مولانا عائش محمد صاحب فرمانے لگے کہ یہ سنکر مجھے انتہائی حیرت ہوئی کہ ایسا عظیم الشان صبر اور بے مثل قوت برداشت کا تو ہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی خیال سے میں نے عرض کیا' کہ حضرت! یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا اور آپ نے کیسے اسے برداشت کیا؟ تو فرمایا "اللہ تعالی نے سورہ فاتحہ میں یہ تاثیر رکھی ہے" مولانا فرماتے ہیں یہ سن کر میرے دل نے بے اختیار کہا کہ "ہاں انہی لوگوں کی قرات فاتحہ صحیح معنوں میں قرات فاتحہ ہے ہمارے جیسوں کی قرات فاتحہ کی کیا حقیقت؟" ان ہی بزرگ صوفی عبداللہ صاحب ماموں کانجن والوں کا ایک اور واقعہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

گم شدہ نوٹ

یہ بھی اس صدی کے ساتویں عشرہ کا واقعہ ہے' محلّہ کی مسجد میں دن کی کسی نماز کی جماعت کے بعد' ایک منحنی سا شخص' میلے کچیلے سے کپڑے' ان پڑھ سا کھڑا ہوا اور نمازیوں سے بڑے ہی مودب طریقے سے مختصر سا اپنی امداد کا سوال کیا۔ لوگوں نے حسب توفیق اس کی خدمت کی۔ بندہ اس کو گھر لایا' چائے پلائی اور کچھ خدمت نقدی سے بھی کی۔ سستا زمانہ تھا دو تین روپے بھی آج کے بیس تیس سے زیادہ قیمت رکھتے تھے۔ اس نے اندازہ کر کے کہ مد زکوۃ سے امداد کی ہے' ایک بڑا ہی عجیب واقعہ سنایا کہ قیام پاکستان سے پہلے ضلع جالندھر کی کسی تحصیل میں چوہدری غلام محمد صاحب ضلعدار نہر تھے جو روزانہ شہر کے بنگلہ نہر میں ڈیوٹی پر آتے اور شام کو اپنی سائیکل پر واپس اپنے گھر جو دیہات میں تھا چلے جاتے۔ ساتھ چپڑاسی بھی اپنی سائیکل پر ہوتا۔ اس زمانہ میں سائیکل ہی بڑی اہم سواری سمجھی جاتی تھی۔ موٹر سائیکل تو کہیں خال خال ہی نظر آتے مہینہ پورا ہوا' اور چوہدری صاحب کو پچاس روپے تنخواہ ملی۔ یہ رقم اس زمانہ بھی خاصی بڑی رقم تصور کی جاتی تھی' خیر انہوں نے پچاس روپے کا نوٹ اپنی بیرونی جیب میں ڈال لیا اور (شام کو) واپس گھر چلے۔ انہیں سگریٹ پینے کی عادت تھی' لہٰذا انہوں نے سگریٹ سلگائی اور ایک ہاتھ سائیکل کے ہینڈل پر اور ایک ہاتھ میں سگرٹ پیتے اور چلتے رہے' جب سگریٹ ختم ہو گئی تو ڈبیہ نکالی' کہ دوسرا سگریٹ سلگاؤں' مگر دیکھا کہ جیب خالی ہے اور پیچھے جہاں سوار ہوتے وقت جیب سے سگریٹ کی ڈبیہ نکالی تھی اس ڈبیہ کے ساتھ ہی نوٹ نکل کر باہر گر گیا' ان کی ادھر نگاہ ہی نہ گئی اور سائیکل پر سوار ہو گئے اور چلتے رہے۔ اب پتہ چلا کہ نوٹ تو وہیں گم ہو گیا' خیر اتر کر چوہدری صاحب تو وہیں کھڑے ہو کر سگریٹ پینے لگے اور چپڑاسی کو حکم دیا کہ فلاں جگہ (کوئی نشانی) بتائی میں نے یہ ڈبیہ نکالی تھی' وہاں اس کے ساتھ ہی نوٹ باہر آکر نکل کر گر گیا' تم اسے وہاں سے اٹھا لاؤ! چپڑاسی کہنے لگا' جناب ہم جنگل میں تو نہیں سفر کر رہے' چلتا ہوا بارونق راستہ ہے' کتنے لوگ ہمارے پیچھے آنے والے اور کتنے لوگ ہمارے آگے سے

پیچھے جانے والے وہاں سے گذر چکے ہیں' اور وہ دونی چونی تو تھی نہیں کہ گر کر راستے کی کچی مٹی میں دب کر غائب ہو جاتی' وہ تو پچاس روپے کا اتنا بڑا نوٹ تھا' جس کو نظر آیا ہو گا اس نے اسے فوراً" ہی اسے اٹھا لیا ہو گا اور اس کی تو عید ہو گئی ہو گی۔ اس پر چوہدری صاحب نے ذرا خفگی کے ساتھ اسے کہا "زیادہ باتیں نہ بنا اور جس طرح تمہیں کہا ہے اسی طرح کر" خیر وہ چپڑاسی مجبور سا ہو کر واپس چلا اور سوچتا گیا کہ چوہدری صاحب تو بھولے بادشاہ ہیں' نوٹ کیا وہاں دھرا رکھا ہے۔ مگر تعمیل حکم تو کرنا تھی لہٰذا اندازاً" جو جگہ بتائی گئی تھی وہیں بے دلی کے ساتھ دو چار چکر لگائے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عین راستہ کے کنارے جو کچی مٹی کے روڑے سے دونوں طرف پڑے ہوئے تھے ایک سائیڈ پر نوٹ ایک ڈھیلے کے ساتھ لگا ہوا پڑا ہے۔ اس نے نوٹ اٹھا لیا اور سوچا کہ چوہدری صاحب شاید مجھ پر اپنے "توکل" کا رعب ڈالنا چاہتے ہیں' کہ میں اللہ پر اتنا پکا توکل رکھتا ہوں' کہ وہ میری چیز ہرگز ضائع نہیں کرے گا' اچھا' آج انکا یہ توکل بھی اس طرح ٹیسٹ کرتے ہیں' کہ تھوڑی دیر تک ان کو میں بتاؤں گا نہیں کہ نوٹ مل گیا' بلکہ کہوں گا ابھی نوٹ تو ملا نہیں! پھر جب وہ لازماً" گھبرائیں گے کہ ایک مہینہ کی تنخواہ تو گئی' اب گھر کا خرچہ کیسے پورا ہو گا؟ تب میں ان کی گھبراہٹ کو خلاف توکل قرار دیے کر نوٹ ان کو دے دوں گا اور کہوں گا چوہدری صاحب! زیادہ شیخی نہ بگھارا کریں تو مناسب ہے۔ یہ سوچ کر اس نے نوٹ جیب میں اچھی طرح ٹھونس کر نیچے کر لیا کہ نظر نہ آئے پھر جب یہ چپڑاسی چوہدری صاحب کے قریب پہنچا تو انہوں نے پوچھا "کیا نوٹ مل گیا؟" اسنے کہا "نہیں" اس پر تب چوہدری صاحب ذرا بھی نہیں گھبرائے اور بڑے اطمینان سے کہا "اچھا اگر نوٹ تمہیں نہیں ملا تو جس کسی کو بھی وہ نوٹ ملا ہو گا وہ اس کو لے کر ہمارے پاس پہنچ جائے گا' اچھا اب چلو"! یہ کہہ کر وہ سائیکل پر سوار ہونے لگے' تو میں دل میں بہت شرمندہ ہوا کہ تیرا خیال تو بالکل غلط نکلا' اس لئے میں نے چوہدری صاحب سے کہا "چوہدری صاحب! ذرا ٹھہریئے! یہ لیں اپنا نوٹ' میں تو مذاق کر رہا تھا کہ مٹھائی کا وعدہ کروا کر نوٹ دونگا مجھے معاف کر دیں' اور ذرا مجھے یہ بتا کر میری حیرانی کو دور فرمائیں کہ یہ نوٹ اتنے آنے جانے والوں میں سے کسی کو کیوں نظر نہیں آیا؟ چند باراتی' مرد' عورت' بچے تو میرے

سامنے مجھ سے چند قدم آگے ہی بالکل اس نوٹ کے پاس سے گذرے ہیں۔ انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا' دوسرے یہ کہ آپ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ تلاش کرو شاید نوٹ مل جائے' بلکہ یہ فرمایا کہ "جاؤ! جا کر نوٹ اٹھا لاؤ" یعنی ایسے یقین کے ساتھ کہا جیسے کسی شخص کو آپ نوٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر آئے ہوں' کہ پندرہ بیس منٹ تم اس نوٹ کو ہاتھ میں پکڑے بیٹھے رہنا' پھر ہم واپس آکر خود تمہارے ہاتھ سے اپنے ہاتھ میں لے کر وصول کر لیں گے۔" اس پر جو ارشاد چوہدری صاحب نے فرمایا وہ بڑا ہی حقیقت پر مبنی اور ایمان افروز ہے۔ الفاظ تو شاید ان کے نہ ہوں' مفہوم ان ہی کی کلام کا یہ ہے کہ "عزیزم! یہ کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہ آئے' دیکھ! اصل بات یہ ہے کہ بندے کا وجود ناپاک ہے' یہ تب پاک ہوتا ہے کہ جب اس سے نماز' روزہ اور دوسرے جسمانی اعمال شریعت ادا کئے جائیں' اسی طرح بندے کا مال بھی ناپاک ہے یہ بھی اسی طرح پاک ہوتا ہے کہ جب اس میں سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زکوۃ عشر اور فطرانہ قربانی اور صدقات وغیرہ ادا کئے جائیں' اور تمہیں پتہ ہے کہ زکوۃ کا حساب سو روپے میں سے اڑھائی روپے ہے' اور وہ بھی جبکہ ایک سال وہ رقم موجود رہے اور خرچ نہ ہو اور دوسری رقم کے ساتھ مل کر پھر اس میں سے اسی حساب سے زکوۃ نکالی جاتی ہے' اب مجھے پچاس روپے تنخواہ ملی اگر یہ رقم ایک سال تک باقی رہتی تو زکوۃ دی جاتی ورنہ نہیں۔ میرا معمول ہے کہ میں سال بھر کا انتظار نہیں کرتا کہ اتنا لمبا عرصہ پتہ نہیں کس کو زندہ رہنا ہے اور کس کو نہیں' لہٰذا میں نے ان پچاس روپوں کی زکوۃ سوا روپیہ اسی وقت ایک (مستحق) فقیر کو دیدی تھی۔ اب صورت حال یہ بن گئی کہ ایک تو سرکار عالی کی تعمیل حکم با تعجیل ہو گئی' دوسرے یہ کہ مال پاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات پاک اور طیب اور ہر عیب سے مبرا ہے' اور وہ عمل بھی وہی قبول فرماتے ہیں جو پاک اور خالص ہو۔ نہ صرف قبول فرماتے ہیں' بلکہ اس عمل اور اس کی جزاء میں مسلسل اضافہ بھی فرماتے رہتے ہیں۔ حدیث پاک کے مضمون کے مطابق "خلوص سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا ہوا ایک چھوہارہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بے مثال مٹھی میں لے لیتے ہیں اور پھر اس کی اس طرح پرورش فرماتے ہیں' جس طرح تم اپنے (گھوڑے کے) بچھیرے کی

پرورش کرتے ہو، حتی کہ وہ ایک چھوہارہ بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، اللہ اکبر! اب دیکھو کہ ایک ملازم سرکار، سرکار کے مقرر کردہ وقت سے زائد عرصہ سرکار کا کام بلامعاوضہ کرتا ہے، تو سرکار اس سے خاص طور پر کتنا خوش ہوتے ہوں گے۔ اسی طرح الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق دے رکھی ہے کہ میں جانی اور مالی اور دوسرے احکام شریعت کی پابندی .بفضلہ تعالیٰ کرتا رہتا ہوں۔ اب مذکورہ بالا اصول کی بنا پر میرا مذکورہ نوٹ بھی اللہ تعالیٰ کی پاک بے مثال مٹھی میں آچکا تھا۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ جو چیز اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی مٹھی میں آجائے، اس میں کوئی اور ذرہ بھر تصرف کا خیال بھی لا سکتا ہے؟ وللہ الحمد و سبحانہ تعالیٰ

تحقیق: ۔مصیبت تو مومن، مشرک اور منافق سب پر آجاتی ہے، مگر مومن کا طرز عمل ان دونوں سے مختلف ہوتا ہے، مذکورہ واقعہ میں دیکھئے، ایک مومن کا کردار، حلال کی تنخواہ، شریعت کی پابندی اور اللہ تعالیٰ پر توکل، تو اس کا نتیجہ بھی دنیا اور آخرت میں نفع ہی نفع، بخلاف اس کے عوامی مروجہ "حل المشکلات" پر ایک نظر پھر ڈال لیں، اگر چوہدری صاحب خدا نخواستہ بے دین اور محض اسمی و رسمی مسلمان ہوتے، تو اول تو رقم رشوت کے ساتھ مخلوط ہوتی اور پھر اس کے اثرات آگے ہی آگے دوسرے اعمال بد کی طرف دھکیلتے رہتے اور پھر وہ "کاھنون اور چوری کا پتہ دینے والوں نجومیوں اور عاملوں وغیرہ کے پاس جا پہنچتے، نتیجۃً مال، جان، ایمان سب کا نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ○

اے صاحب نظر لوگو! کچھ عبرت حاصل کرو۔

چھ پیسے کا تالا اور چار چور

اللہ تعالیٰ کی شریعت پر صحیح یقین و عمل کی برکات و انوار کا ایک واقعہ، صحبتے با اولیاء میں مرتب کتاب نے ملفوظات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ میں بیان کیا ہے، جو بڑا عجیب اور ایمان افروز ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت بعنوان "آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا" ارشاد فرماتے ہیں، کہ ہمارے

مدرسہ مظاہرالعلوم کے بانیوں میں سے ایک حافظ فضل حق صاحب تھے' جن کے صاحبزادے حافظ زندہ حسین صاحب تھے' جن کا تکیہ کلام "اللہ کے فضل سے" تھا (جو انہوں نے اپنے والد صاحب سے لیا تھا) ایک روز بعد نماز فجر حافظ زندہ حسین صاحب مولانا (مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' حضرت! رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا تھا' مولانا ہنس پڑے اور پوچھا' حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے' حضرت جی! اللہ کے فضل سے رات تین چار چور میرے مکان میں داخل ہو گئے' میں اللہ کے فضل سے ان کو دیکھ کر بیٹھ گیا' اور ان سے پوچھا ارے تم چور ہو؟ وہ کہنے لگے ہاں اللہ کے فضل سے ہم چور ہیں! میں نے کہا سنو! اللہ کے فضل سے سب جانتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے شہر کے رئیسوں میں میرا شمار ہے' اور اللہ کے فضل سے مدرسہ (مذکور) کا خزانہ (بیت المال) بھی میرے پاس ہے' اور اللہ کے فضل سے وہ' بلکہ میرا سارا کچھ اسی کوٹھڑی میں ہے جس کی چھت پر تم بیٹھے ہو (وہ مدرسہ کے خزانچی بھی تھے) اور اللہ کے فضل سے اس کوٹھڑی کے دروازہ پر صرف چھ پیسے کا معمولی سا تالا لگا ہوا ہے' مگر یہ تالا اللہ کے فضل سے تم سے تو کیا' تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا خواہ اللہ کے فضل سے تم اسے صبح تک ٹھوکتے رہو! اور پھر حضرت جی! میں تو اللہ کے فضل سے اتنی بات کہہ کر سو گیا' اور پھر اللہ کے فضل سے میں جب سحر کے وقت بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ چور اللہ کے فضل سے ابھی تک اسے ٹھوک رہے ہیں' تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے مولوی جی (مولانا مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) سے سنا ہے کہ اللہ کے فضل سے جس مال کی زکوۃ دے دی جائے وہ مال اللہ کے فضل سے اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے' اور میں نے اللہ کے فضل سے اس مال کی پوری زکوۃ دے رکھی ہے بلکہ کچھ زیادہ! اس لیے اللہ کے فضل سے میں نے پہلے ہی تمہیں کہہ دیا تھا' کہ یہ تالا اللہ کے فضل سے تم سے بلکہ تمہارے باپ سے ساری رات میں بھی نہیں کھلے گا' میری یہ بات سن کر اللہ کے فضل سے وہ چور بھاگ گئے' اور اس طرح اللہ کے فضل سے رات کو اللہ کا غضب ہو گیا۔ (مفہوم)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہی قرآن و حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھے'

اور یہی اب ہمارے [illegible] میں بھی ہیں' مگر فرق صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان پر ایمان تو قلبی اور حقیقی تھا اور ہمارا صرف زبانی"! اللہ کا ایک مسکین سا بندہ کہہ رہا تھا کہ ہم میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ فرق ہے کہ دین ان کے دل میں اور دنیا ان کی مٹھی میں ہوتی تھی' جب بھی دین کا تقاضا ہوا مٹھی کھول دی (یعنی دنیا چھوڑ دی)۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دنیا ہمارے دل میں ہے اور دین مٹھی میں' جب بھی دنیا کا تقاضا ہوا ہم نے فوراً" مٹھی کھول دی یعنی دین چھوڑ دیا۔ اسی لیے جتنا فرق ان کے اور ہمارے اعمال میں ہے' اتنا ہی فرق ہمارے حالات میں ہے۔

ختنہ کرنے والے جنات

جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور کی بات ہے' حضرت مولانا محی الدین لکھوی صاحب دامت برکاتہم تقریباً" بیس سال کے وقفہ کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے سلسلہ میں جہانیاں تشریف لائے۔ یہاں ایک نجی مجلس میں جس میں بعض دوسرے علماء حضرات بھی موجود تھے' بندہ نے دوران گفتگو مروجہ سحر اور جنات کے "ہوے" کی شرعی حقیقت اور اس کے صحیح طریق علاج کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ عموماً" یہ تکلیف عورتوں کو ہوتی ہے اور علامات سے حقیقت معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کا باعث تین چیزیں ہوتی ہیں ا۔ مرض (ہسٹریا اختناق الرحم وغیرہ) ۲۔ مکر ۳۔ شر جنات! اگر کوئی دیانتدار اور صحیح علم و عقل کا حامل جو طبیب بھی ہو' وہ تو ان سہ امور میں فرق کر کے اصل تشخیص کر سکتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں تو بس ایک ہی جامع اصول پر عمل ہوتا ہے "ڈنڈا ہے پیر بگڑیاں تگڑیاں دا"۔ اور پھر جو کچھ اس مریضہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ ایک دنیا کھلی آنکھوں دیکھتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی نتیجہ ڈھاک کے تین پات ہی رہتا ہے۔ اس پر مولانا نے بھی اس طریق علاج کی تنقیص فرمائی' اور فرمایا کہ ان عوارض شریہ اور دیگر سب مشکلات کا حل "اتباع شریعت" ہی ہے (مفہوم)۔ مولانا نے اپنی بات کی ہی تھی' کہ ان کے ہمراہ آنے والے ایک نوجوان طالب علم جامعہ محمدیہ نے کہا' مولانا! آپ وہ وطن والا واقعہ تو انہیں سنائیں! مولانا تو خاموش رہے' مگر ہم لوگوں نے باصرار ان کو مجبور کیا' کہ اب تو ہم وہ واقعہ ضرور ہی سنیں گے۔ تو مولانا نے مختصراً" اپنے مخصوص انداز (دھیمے لہجہ اور ذرا توقف کے ساتھ) ہمیں یہ واقعہ سنایا آپ بھی سنئے اور اپنا ایمان تازہ فرمائیے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ (مفہوماً)

میں موضع لکھو کے (فیروزپور۔ مشرقی پنجاب) میں قیام پاکستان سے قبل مدرسہ کے طالبعلموں کو سبق پڑھا رہا تھا' کہ چند دیہاتی آدمی پریشان صورت سے آکر بیٹھ گئے۔ سبق سے فراغت کے بعد میں نے ان سے پوچھا کیا کام ہے؟ تو انہوں نے کہا

مولوی جی! ہم, تو بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ ہمارا کوئی چارا کرو۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو کہنے لگے کہ جنات نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے' جس کی تفصیل یہ بتائی' کہ اول یہ کہ ہماری کئی سو من توڑی (بھوسہ) کو جو باہر کھیتوں میں ذخیرہ کی ہوئی تھی' جنات نے آگ لگا دی۔ اس کے بعد یہ حرکت شروع کر دی' کہ ہم لوگ مویشیوں کو جو "گوتاوا" ڈالتے' وہ اس کو اٹھا کر پھینک دیتے جبکہ نظر کوئی نہ آتا۔ تیسرے یہ کہ (اس سے تو حد ہی ہو گئی) کہ ہمارا خاندان خاصا بڑا ہے' ہم لوگ علی الصبح حسب معمول باہر کھیتوں میں گئے ہوئے تھے اور ہماری عورتیں گھر میں صفائی کپڑے دھونے وغیرہ کے کام کر رہی تھیں' دن خاصا چڑھا ہوا تھا اور ہمارے گھر میں دو بچے شیر خوار تھے' ان کی ماؤں نے چارپائی کے بازو کے ساتھ کپڑا باندھ کر جھولا سا بنا کر اس میں علیحدہ علیحدہ دونوں بچوں کو لٹایا ہوا تھا' اور وہ سوئے ہوئے تھے' کہ اچانک دونوں بچوں نے دردناک چیخیں ماریں۔ ان کی مائیں ان کی طرف دوڑیں تو دیکھا کہ جھولے کے کپڑوں میں سے خون رسنے لگا ہے۔ عورتوں نے جلدی سے بچوں کو جھولے سے نکالا اور گود میں اٹھایا اور دیکھا' کہ جنات ان دونوں بچوں کے ختنے کر گئے تھے۔ (پہلے ان کے ختنے نہیں ہوئے تھے) ایک لڑکے کا ختنہ تو صحیح ہوا وہ تو بچ گیا' دوسرے کا ختنہ غلط ہو گیا اور وہ مر گیا! اب مولوی جی! اگر یہ کام کوئی آدمی کرتا تو ہم ان کا ضرور مقابلہ کرتے' مگر ان جنات سے ہم کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس لیے آپ ہی ہمارا یہ مسئلہ حل کریں اور ان کا بندوبست کریں۔ میں نے ان کی صورتوں سے کچھ تو اندازہ لگا لیا تھا' کہ یہ دیندار مسلمان معلوم نہیں ہوتے' تاہم میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نمازیں پڑھا کرتے ہو؟ تو وہ شرمندہ سے ہو گئے اور بولے جی نہیں! پھر پوچھا روزے رکھتے ہو جواب ملا نہیں! پھر پوچھا زکوۃ اور عشر نکالتے ہو؟ کہا نہیں! ان کے یہ جوابات سن کر مجھے غصہ سا آ گیا اور میں نے کہا کہ جب تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا کوئی حکم بھی نہیں مانتے' تو پھر تمہارے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہیے' جاؤ بھاگ جاؤ! چنانچہ وہ شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے' اور واپس جا کر معلوم نہیں کس سے اور کیا مشورہ کیا' کہ چند دنوں بعد وہ میرے استاد محترم مولانا عطا اللہ حنیف بھوجیانی صاحب کا امرتسر سے سفارشی خط (کہ محی الدین! ان کے ساتھ جاؤ اور ان کا کام کر دو) لے آئے

اور تاکیداً ان کے مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ہمراہ لے آئے۔ اس پر میں نے ان کو کہا کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے' کہ تم ابھی میرے سامنے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے نماز' روزہ' عشر اور زکوۃ وغیرہ احکام شریعت کی پابندی کا وعدہ کرو' اس کے بعد میں تمہارا کوئی کام کروں گا۔ خیر انہوں نے میرے سامنے توبہ کی اور مذکورہ احکام الٰہی کی پابندی کا عہد کیا۔ تب میں ان سے کہا' کہ استاذ محترم نے جو فرمایا ہے' کہ ان کے ساتھ جاؤ' تو یہ کام تو میں فی الحال نہیں کروں گا' کیونکہ میں اپنے ذرائع سے معلوم کرتا رہوں گا کہ تم نے جو توبہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا وعدہ کیا ہے' اس پر عمل بھی کرتے ہو یا نہیں؟ اور پھر چالیس دن بعد تمہارے اعمال صحیحہ کو دیکھ کر میں وہاں انشاء اللہ آؤں گا' اور وعظ بھی کروں گا' اور رہا استاذ محترم کا یہ فرمان' کہ ان کا کام کر دو' تو اس کی تعمیل میں ابھی کر دیتا ہوں۔ پھر میں نے کاغذ کا ایک پرزہ لیا اور اس پر لکھا کہ "یہ نوٹس ہے محی الدین ابن محمد علی لکھوی کی طرف سے ان جنات کے نام' جو اس مکان میں شرارتیں کرتے ہیں' کہ "تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ' اور اگر نہیں جاؤ گے تو تمہیں بڑی سخت سزا دی جائے گی" اور ان آدمیوں کو کہا کہ (غالباً" باوضو) اس کاغذ کو اپنے مکان کے گلی والے دروازے کے باہر کواڑ پر (آٹے وغیرہ سے) لگا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' اور بحمد اللہ اسی دن سے ان جنات کی ساری شرارتیں ختم ہو گئیں' اور پھر عرصہ مقررہ کے بعد میں اپنی تسلی کر کے کہ وہ نماز وغیرہ کے پابند ہو گئے ہیں ان کے گاؤں گیا اور وہاں وعظ کیا۔

تحقیق: ۔مولانا محی الدین صاحب موصوف تعویذات وغیرہ کے قائل نہیں' (البتہ دم فرما دیتے ہیں) اس لئے کہ لوگ اعمال شریعت کی طرف تو کما حقہ توجہ کرتے نہیں' ان تعویذات پر ہی تکیہ کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا چٹ لکھی تھی۔ ان کے برادر محترم مولانا معین الدین لکھوی ایم این اے غالباً" تعویذات وغیرہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جد امجد حضرت حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ نے زینت الاسلام میں ایسے اعمال' وظائف اور تعویذات وغیرہ تحریر کئے ہیں اور پابند شریعت صاحب تقوی حضرات کو عموماً" اس کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے---- غالباً" حضرت مولانا معین الدین رخصت پر اور حضرت مولانا محی الدین "عزیمت" پر عمل فرماتے ہیں واللہ اعلم۔

قبر کا طمانچہ

ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم ایک مشہور صحافی' ادیب اور شاعر تھے' بڑے شگفتہ مزاج اور صحیح العقیدہ اور صالح مسلمان تھے' کئی روز ناموں اور ہفت روزہ جرائد کے مدیر رہے' دین کی خاطر تکالیف برداشت کیں' اور جیل بھی گئے' مسلکاً" اہلحدیث اور مولانا حکیم محمد عبداللہ کے ہمعمر اور گہرے دوست تھے' ان کی آپ بیتی سنئے(الفاظ بندہ کے مفہوم ان کا)

ضلع گوجرانوالہ کے ایک موضع میں میرے نانا جی ہمہ وقت مسجد میں ہی رہتے تھے' نماز پنجگانہ کی امامت' درس' نکاح' جنازہ اور بچوں کو دو وقت تعلیم دینا ان کی مصروفیات تھیں۔ چند بڑے طلبا بیرونی علاقہ کے اسی مسجد میں ساتھ رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ رواج ذرا زیادہ تھا' کہ کسی بھی شادی یا غمی کے وقت لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد والوں کو ضرور یاد رکھا کرتے' اور ان کی دعوت کرتے۔ ایسی ہی ایک دعوت کے موقع پر نانا جی چند ایسے طلبا کے ساتھ کسی قریبی موضع کو جا رہے تھے۔ میں کم عمر بچہ تھا' نہ ان کے برابر چل سکتا تھا اور نہ گود میں اٹھائے جانے کے قابل تھا' لہٰذا ان سے پیچھے رہ جاتا اور کوئی طالب علم رک جاتا' اور مجھے اپنے ساتھ ملا لینا اور پھر آگے چلتا۔ راستہ میں ایک قبرستان آتا تھا' وہاں سے یہ سب لوگ جا رہے تھے اور میں ان سے پیچھے کچھ فاصلے پر تھا کہ ایک قبر سفیدی تازہ تازہ کی ہوئی' بالکل راستہ کے ساتھ دیکھی اور دل میں خیال آیا' کہ تو اس کے اوپر چڑھ جا! اور میں فوراً" اس پر چڑھ گیا۔ ابھی دو چار قدم ہی اس پر چلا تھا' کہ ایک جانب سے میرے منہ پر زور دار تھپڑ پڑا' اور میں اس کی ضرب سے دوسری جانب گر گیا' اور میری چیخ نکل گئی' مگر تھپڑ مارنے والا نظر نہیں آیا۔ میری چیخ سن کر طلبا میں سے جو میرے آگے اور دوسرے طلبا سے پیچھے تھا' اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھے گرا ہوا پایا' تو میرے پاس آکر اس نے مجھے پکڑ کر اٹھایا اور میرے کپڑوں کی مٹی جھاڑنے لگا۔ ابھی چند لمحے گذرے ہوں گے' کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا' اس پر اس نے گھبرا کر میاں جی کو آواز دی' کہ

میاں جی! یہ دیکھنا نصر اللہ کو کیا ہو گیا ہے؟ میاں جی اور سب طلبا واپس آئے' تو میاں جی نے میرا حال دیکھ کر خیال کیا' کہ شاید گرمی کی وجہ سے اسے نکسیر پھوٹ پڑی ہے' اس لئے انہوں نے ایک طالب علم کو کہا' کہ اپنا بڑا رومال یا چادر کھالے میں سے بھگو کر جلدی سے لاؤ' اور پھر وہ پانی میرے سر پر نچوڑنا شروع کر دیا' مگر خاصی دیر تک یہی عمل کرنے کے بعد بھی کوئی افاقہ نہ ہوا' بلکہ ساتھ بخار بھی ہو گیا اور ڈر بھی لگنے لگا' اور میں ڈر سے چیخنے لگا' کہ نانا جی! یہ بلا مجھے کھا رہی ہے۔ تب نانا جی کو خیال ہوا کہ یہ گرمی یا کوئی اور جسمانی بیماری نہیں بلکہ کوئی شیطانی چکر ہے' اس لئے انہوں نے آیات قرآنی پڑھ کر مجھ پر دم کرنا شروع کیا' مگر بجائے افاقہ ہونے کے اضافہ ہی ہوتا گیا' تب نانا جی کو کوئی اور ہی خیال آیا اور مجھ سے پوچھا منے! سچ سچ بتا کیا واقعہ ہوا؟" میں نے اس ڈر سے' کہ نانا جی مجھے ماریں گے کہ تو قبر پر کیوں چڑھا تھا جھوٹ نہیں بولا بلکہ بالکل سچ سچ پوری بات بتا دی۔ تھپڑ کا لفظ سن کر انہوں نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا اس پر تو انسانی انگلیوں کے ابھرے ہوئے نشانات بالکل واضح نظر آئے۔ اس پر انہوں نے دم کرنا چھوڑا' اور سب طلبا کو حکم دیا' کہ "اس قبر کے اردگرد بیٹھ جاؤ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ پڑھ کر اس قبر کو ساتھ ساتھ جوتے بھی مارتے جاؤ" (یہ عجیب حکم سن کر غالباً" وہ طلبا حیران تو بہت ہوئے ہوں گے' مگر تعمیل تو کرنا تھی لہٰذا) سب طلبا نے یہی "عمل" شروع کر دیا' اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے بحمد اللہ افاقہ شروع ہو گیا' بخار بھی کم ہو گیا اور ناک سے خون آنے میں بھی کمی آ گئی۔ مگر پورا فائدہ نہ ہوا۔ تب نانا جی نے مزید ارشاد فرمایا' کہ "اب تم اس قبر کے اوپر جوتوں سمیت چڑھ جاؤ' اور اس کو خوب لتاڑو" سب طلبا نے ایسے ہی کیا اور چند منٹ بعد الحمد للہ میں بالکل تندرست ہو گیا' نہ ہی وہ بخار رہا اور نہ ہی وہ نکسیر۔

عزیز صاحب فرماتے ہیں' کہ نانا جی جہاں عالم بھی تھے وہاں عاقل بھی بہت تھے' تھپڑ پڑنے سے انہوں نے یہ تو اندازہ لگا لیا تھا' کہ یہ شیطانی کارستانی ہے اور اسی لئے انہوں نے آیات قرآنی اور مسنون دعاؤں اور لا حول پر مشتمل دم کیا' مگر جب اس سے بجائے افاقہ کے اضافہ ہوا' تو وہ ابلیس کی پوری سکیم فوراً" سمجھ گئے' کہ وہ اس ایک "تیر" سے دو شکار کرنا چاہتا ہے' شیطانی تبلیغ کا ارتفاع اور رحمانی تبلیغ کا انقطاع۔ اور وہ

یوں کہ نانا جی چونکہ پکے موحد' متبع سنت اور اس کے مبلغ اور قاطع شرک و بدعات تھے' اور ان کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے بھی کتاب و سنت کا نور پھیل کر ضلالت کے اندھیرے چھٹ رہے تھے۔ منجملہ پیر پرستی اور قبر پرستی کی تردید شدید سے اہل باطل کے ایوانوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی' لہٰذا ابلیسی سکیم کی ابتداء یوں ہوئی' کہ انہی موحد داعی کتاب و سنت کے معصوم نواسے کے دل میں اس نے وسوسہ ڈالا' کہ قبر پر چڑھ جاؤ! اور پھر خود ہی اسنے تھپڑ بھی مارا۔ اور اس کے بعد چونکہ معاملہ تو سارا اسی میاں جی کے پاس ہی آنا تھا' اگر وہ کچے ہوئے تو یہ سن کر۔ کہ قبر کی بے حرمتی ہو گئی "وہ استغفار" پڑھیں گے اور اس گناہ کی توبہ و تلافی کی فکر کریں گے۔ تب تو یہ شیطانی سکیم کامیاب ہو جاتی' کہ سارے علاقے میں یہ شہرت ہو جاتی' کہ "دیکھو! جو وہابی قبر والوں اور اولیاء اللہ کی "کرنی" کے منکر تھے' اسی بڑے وہابی کے نواسے نے "ایک بزرگ" کی قبر کی بے حرمتی کی' تو اس قبر والے بزرگ نے فوراً" اس سے بدلہ لے لیا۔ "اس طرح ان کی توحید و سنت کی دعوت کے اثرات زائل ہو جاتے' اور اس مذکورہ معمولی قبر کی جگہ لوگوں نے ایک عظیم الشان مقبرہ' روضہ اور دربار شریف بنا دینا تھا' اور پھر اس علاقہ کے لوگوں کو "پرستش" کے لئے ایک نیا "خدا" مہیا ہو جاتا' اور شرک و بدعات کے اندھیرے مزید بڑھ جاتے۔ نانا جی چونکہ صاحب بصیرت عالم اور عامل تھے' انہوں نے سوچا کہ اگرچہ قبر کی بے حرمتی گناہ ہے۔ مگر یہ تو معصوم نابالغ بچہ تھا' جس کو اللہ تعالیٰ کی شریعت تو مورد الزام قرار نہیں دیتی' پھر تو ابلیس ہی رہ جاتا ہے جو ایسی حرکت کر سکتا ہے' لہٰذا انہوں نے اس شیطانی اثرات کو دور کرنے کے لئے دم کیا' مگر جب وہ کارگر نہ ہوا تو انہوں نے اچھی طرح باقی ابلیسی سکیم سمجھ لی' اور اس کا علاج "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" کے اصول پر' اور یہ کہ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے" کے مصداق' بالغ لڑکوں کو قبر پر چڑھا کر کیا' کہ دیکھ! تو جس قبر کی پرستش کی شہرت کرانا چاہتا ہے' اس قبر کی ہم کیسی مٹی پلید کر رہے ہیں اگر کچھ کر سکتا ہے اور ان کی ٹانگ توڑ سکتا ہے' تو توڑ کر دکھائے اور تو بھی ساتھ مل کر زور لگا لے اور ان کی جوتیوں کو پکڑ اور انہیں یہاں سے بھگا دے! مگر ابلیس نانا جی کے یقین و توکل کو دیکھ کر رفو چکر ہو گیا۔ غالباً" حدیث مبارک کا مضمون ہے کہ ایک عالم ستر عابدوں سے زیادہ

شیطان پر بھاری ہے۔

یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ' اگرچہ معصوم کا تو گناہ فرشتے نہیں لکھتے' مگر میاں جی نے بالغ لڑکوں کو کیوں قبر پر چڑھایا؟ ان کے لئے تو یہ کام گناہ تھا! جواب اس کا یہ ہے کہ غالبًا متوقع شرک کے اڈے قائم ہو جانے کی نسبت یہ گناہ بہت معمولی تھا۔ کیا کوئی تھوڑا سا فہم دین رکھنے والا شخص قبر پر پاؤں رکھنے اور قبر کو سجدہ کرنے کو یکساں برائی قرار دے سکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس عمل کی نظیر نص میں موجود ہے' کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو اللہ کا یہ حکم نازل ہوا لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم جس میں مسلمانوں کو کفار کے بتوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے' مگر جب مکہ مکرمہ فتح ہو تو خود حضور پاک ﷺ اپنی مبارک چھڑی سے ان بتوں کو گراتے جاتے تھے اور فرماتے تھے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۷) حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔ اسی طرح میاں جی نے ابتداءً" دم سے اس شرو شریر کا دفعیہ کرنا چاہا مگر وہ سوائے اس "طریقہ عجیبہ" کے جو میاں جی نے اختیار کیا' راہ فرار اختیار کرنے والا نہ تھا۔

داستان سلیم الدین ارائیں

بندہ کے پاس میاں سلیم الدین ارائیں تشریف لائے' تعارف پر معلوم ہوا کہ ان کے آباؤ اجداد سے خاندانی تعلقات ہیں۔ انہوں نے اپنا کوئی معاملہ بیان کیا' جس سے ان کا مروجہ توہمات کا کچھ متاثر سا ہونا مترشح ہوتا تھا۔ لٰہذا بندہ نے ان کو ایمان و یقین کی دعوت دی تو انہوں نے بتایا' الحمد للہ' میں ان بدعات و توہمات کا قائل نہیں ہوں' کیونکہ اللہ کریم نے مجھ پر ابتداء میں ہی بڑا ہی احسان یہ فرمایا تھا' کہ میرے چک کے ساتھ والے جس اسکول میں میں تعلیم حاصل کرتا تھا' مجھے جو پٹھان استاد نصیب ہوئے اور ایک حافظ صاحب جن سے میں نے قرآن مجید پڑھا' دونوں نے مجھے سب سے پہلی اور سب سے ضروری بات ہی یہ بتائی کہ دیکھو بیٹا! اگر توحید ہے' تو باقی سارے عمل صحیح' اور انشاء اللہ قبول ہیں۔ اور اگر توحید نہیں تو ساری عمر ٹکریں مارتے رہو گے' ہاتھ پلے کچھ بھی نہیں آئے گا! اس وقت سے میں نے یہ بات مضبوطی سے دل میں جما رکھی ہے۔ اور اس سلسلہ میں مجھے آزمائشیں بھی بہت آئیں احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ○ (سورہ عنکبوت آیت ۲) کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیے جائیں گے' کہ ہم ایمان لائے' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ میری کھیتی کا نقصان ہوا' ایک دو افراد بھی فوت ہو گئے" بیٹے کا نزدیک سے بہت دور' تبادلہ ہو گیا' کئی مویشی بھی مر گئے' اور صرف ایک بھینس دودھ دینے والی باقی رہ گئی تھی' وہ بھی بیمار ہو گئی۔ دوائیوں وغیرہ سے اس کا علاج کیا مگر ذرہ بھر فائدہ نہ ہوا' میرے سب رشتہ دار "قبوری شریعت" والے مسلمان تھے' بطور خیر خواہی اور سرزنش مجھے کہتے رہتے' سیدھے راستے پر آجاؤ' اور فلاں مزار پر جا کر منت مانو' اور ان سے مشکلات حل کرواؤ' ورنہ اسی طرح مسلسل نقصانات اٹھاتے رہو گے! میں جواب دیتا کہ میرا تو کچھ بھی نہیں' سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے' جب چاہے لے لے' بندہ راضی ہے' اس میں اور کسی کا کیا دخل ہے؟ میرا جواب سن کر وہ کہتے' تجھے کبھی عقل نہ آئے گی' اور تو اسی طرح "وہابیت" کے مزے چکھتا رہے گا۔

پھر بھینس کا اخیر یہ حال ہو گیا کہ بس یہ تین چار گھنٹے کی مہمان ہے۔ لیٹی ہوئی' سر ہلانا بھی مشکل' تب میں نے دل ہی دل میں اپنے مولا سے یوں عرض کی' "میرے اللہ! اگر اس سال آپ کی طرف سے اس بندے کے بچوں کے لئے دودھ کا کوٹا نہیں لکھا گیا' تو الحمد للہ! منظور!! ہمارا بھی بغیر دودھ کے گذارا ہو ہی جائے گا' آخر ساری دنیا تو روزانہ دودھ پی کر نہیں سوتی۔ ہزاروں آدمی بغیر دودھ زندگی بسر کرتے ہوں گے' مگر اس جانور پر آپ کا جو "امر" دو تین گھنٹے میں نافذ ہونے والا ہے' وہ "امر" بندہ ابھی نافذ کر دیتا ہے' کم از کم اس جانور کی اتنی دیر کی تکلیف تو کم ہو جائے گی۔ دل میں یہ کہہ کر میں نے اپنے پڑوسی کو بلا لیا' اور بھینس کی ٹانگوں کو رستے سے باندھ دیا' اور اپنی دھوتی کا لنگوٹ کس لیا' اور چھری تیز کر کے بھینس کے قریب ہو گیا' تاکہ اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دوں' جونہی میں اس کے قریب ہوا وہ فوراً" ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور رمبھانے لگی' جسے سن کر اس کا "کٹرو" بھاگا بھاگا آیا۔ اسے دیکھ کر بھینس "پسم" گئی' تھن دودھ سے بھر گئے اور اس کا بچہ چسر چسر دودھ پینے لگا۔ اور پھر تو وہ بھینس الحمد للہ ایسی سیٹ ہوئی کہ بکری جیسی اصیل' تندرست و توانا بنی رہی' نہ صرف یہ کہ بھینس درست ہوئی' بلکہ دوسرے معاملات و حالات بھی اللہ تعالی نے درست فرما دیے۔ غالباً" شیطان اپنا آخری داؤ آزما کر ناکام ہو چکا تھا' اور نصرت الہی بندہ کے شامل حال ہو چکی تھی۔ فللہ الحمد۔

گوشت کا لوتھڑا

غالباً" ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے' مشرقی پنجاب سے ہجرت کے بعد بندہ کا خاندان اور برادرم مولوی محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان جہانیاں بلاک نمبر دو کے ایک مکان میں رہتے تھے' جس میں صرف دو کمرے تھے' ہر خاندان کے لئے ایک کمرہ تھا۔ بندہ کی ایک ہمشیرہ (ز) بھی اسی مکان میں رہتی تھیں۔ ان کے سسرال میلسی کے علاقہ میں تھے' اور ان کے بچہ ہونے والا تھا' گرمی اور سردی کا بین بین کا موسم تھا' کہ ہمشیرہ بوقت نماز فجر کمرہ سے باہر آئیں' تو صحن میں ایک بڑا ٹکڑا تازہ بتازہ گوشت کا دیکھا۔ بڑی حیران ہوئیں' کہ گلی والا دروازہ تو بند تھا' لہٰذا کتا بھی اسے اندر نہیں لا سکتا اور بلی اتنے بڑے اور وزنی گوشت کو لے کر دیواریں نہیں پھاند سکتی' اور پھر یہ کہیں سے کھایا ہوا بھی نہیں ہے' لہٰذا ضرور یہ کسی کی جادو ٹونے کی شرارت ہے۔ مگر بحمد للہ والدین اور ماموں جی' نانا جی کی تربیت اور دعاؤں سے اس کا اللہ کریم پر یقین و توکل ایسا محکم تھا' کہ فوراً ہی دل نے فیصلہ دیدیا' کہ جس نے بھی یہ کارستانی کی ہے وہ انشاء اللہ ناکام و نامراد ہو گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ذرہ بھر نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر اس نے اس لوتھڑے کو چمٹے سے پکڑا اور بسم اللہ پڑھ کر بلدیہ کے رکھے ہوئے کوڑے کے ڈرم میں باہر گلی میں ڈال دیا۔ دن کو ہماری ضعیف پھوپھی (ن) کو جب یہ سارا قصہ معلوم ہوا تو وہ بیچاری' پرانے زمانے کی سیدھی سادی عورت' بہت گھبرائی' اور کہنے لگی بیٹی! یہ تو نے کیا غضب کیا' کہ خود اسے ہاتھ لگا دیا' تو مجھے کہدیتی تو میں اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتی تاکہ جو نقصان پہنچنا ہو تا وہ مجھے پہنچ جاتا' اور تو بچی رہتی' اب تو یہ خطرہ پورا موجود ہے کہ کسی دشمن نے یہ سارا کھڑاگ صرف تیرے لئے کھڑا کیا ہے' کہ خدانخواستہ اس طرح تیرے پیٹ والا بچہ زندہ نہ رہے' اور اس دشمن کلموہی کا بچہ بچ جائے۔ اس پر ہمشیرہ نے کہا "پھوپھی! تو ذرہ بھر بھی فکر نہ کر' نہ مجھے انشاء اللہ کچھ (نقصان) ہو گا اور نہ انشاء اللہ تجھے ہو گا۔" اور پھر الحمد للہ کسی کو کچھ بھی نہیں ہوا اور وہی اس کے بطن والا بیٹا اب کئی بیٹے بیٹیوں کا باپ ہے بلکہ الحمد للہ اب تو وہ "نانا جان" بھی بن چکا ہے۔

شربت اور چائے

برادر عزیز و مکرم ڈاکٹر کفایت اللہ سلمانی نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کا دلچسپ واقعہ سنایا۔

ڈاکٹر صاحب (آپ ڈاکٹر عبدالرشید پیہم سمجھ لیں) بڑے قوی الجثہ' ریٹائرڈ فوجی اور صحیح العقیدہ شخص تھے' کئی شہروں کے سرکاری ہسپتالوں میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے' انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا' کہ میری شادی ساہیوال کے کسی موضع میں ہوئی تھی' وہاں میں اپنی اہلیہ کو لینے کے لئے پہنچا' کچھ دیر آرام کر کے میں نے اپنی ساس کو کہا "امی! مجھے جلدی چائے بنا کر دو۔ (چونکہ میں چائے کا عادی تھا) کچھ دیر گذری' تو میں نے دیکھا کہ میری ساس کمرے کے اندر باہر آجا رہی ہے' خیر میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی' کہ کھانا وغیرہ تیار کرنا ہو گا' مگر خاصی دیر ہو گئی اور چائے نہ آئی' اتنے میں میری ساس مجھ سے کچھ دور سے ہی کہنے لگی بیٹا! شربت بنادوں؟ میں نے کہا نہیں امی میں نے تو چائے پینی ہے! اس پر وہ چلی گئی' تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور کہنے لگی سکنجبین بنادوں؟ میں نے کہا نہیں! میں نے تو صرف چائے ہی پینی ہے۔ اور ساتھ ہی میں حیران بھی ہوا کہ چائے بنانے میں اتنی دیر کیوں کر رہی ہے؟ میری ساس ادھر ادھر ہوئی' تو میری اہلیہ نے مجھے اشارہ سے بلایا' اور چپکے سے کہا کہ آج "گیارھویں شریف" ہے اس وجہ سے گھر کی گائے کا دودھ بالکل استعمال نہیں کریں گے۔ بلکہ جو گاؤں کے ساتھ ہی "ملنگوں کا ڈیرہ" ہے' وہاں دودھ ان کو پہنچایا جائے گا اسی لئے امی آپ کی چائے بنانے سے مشکل میں پھنسی ہوئی ہے" مجھے یہ سن کر بہت غصہ آیا اور کہا امی! ابھی گائے کا دودھ دوہو' اور مجھے چائے بنا کر دو۔ وہ بیچاری تو (اس کفر عظیم کے ارتکاب کے تصور سے ہی) لرز گئی' بولنا چاہتی تھی مگر آواز نہ نکلتی تھی' تب میں نے پھر دوبارہ اسے کہا' امی' یہ کیا فضول حرکت ہے کہ گھر والے مالک تو دودھ کو ترستے رہیں' اور وہ بھنگی چرسی' مسٹنڈے ملنگ اس دودھ پر عیش کریں' جلدی کرو اور دودھ نکالو! تب وہ ہاتھ جوڑ کر بولی بیٹے! مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں' اور

یہاں قیمتاً" دودھ ملتا ہی نہیں' بتاؤ اب میں کیا کر سکتی ہوں؟ اس پر میں نے کہا' اچھا میں خود اس گائے کا دودھ دوہتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں برتن لے کر اس گائے کو دوہنے بیٹھا' تو وہ لاتیں چلانے لگی اور سرخ سرخ آنکھیں نکال کر پھنکارے مارنے لگی۔ تب میں نے اس کے بچھڑے کو اس کے آگے کیا کہ وہ ذرا رام ہو جائے' مگر کیا مجال کہ اس پر ذرا بھی اثر ہو۔ اصل میں شیطان نے اس کو نچانا شروع کر دیا تھا' کہ بچھڑا دودھ پینے کے لئے آگے بڑھتا اور گائے اسکو لاتیں مارتی' جب کئی بار یہی کچھ ہوا تو بہت مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے باواز بلند اپنی ساس کو کہا امی! اگر آج اس گائے نے دودھ نہ دیا تو خواہ مجھے اسے ذبح کرنا پڑے میں اسے چھوڑوں گا نہیں" اور پھر میں نے پہلے تو اپنا غصہ بچھڑے پر اتارا' اور اس پندرہ بیس سیر وزنی بچھڑے کو اٹھا کر مکان کی کچی اونچی دیوار کے اوپر سے گلی میں پھینک دیا۔ گلی میں وہ دھماکے سے گرا اور میں نے خیال کیا' کہ اس کی گردن نہیں تو ایک آدھ ٹانگ ضرور ٹوٹ گئی ہو گی۔ مگر میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ وہ بچھڑا گلی کے دروازے میں سے نہایت آرام سے ٹھیک ٹھاک خراماں خراماں چلا آرہا ہے۔ اس کا رخ اب بھی گائے کی طرف تھا' پھر گائے نے ایک نظر اس کو دیکھا' اور فوراً" ہی دودھ تھنوں میں بھر کر اسے دودھ پلانے کے لئے تیار ہو گئی' اور بچھڑا آرام سے دودھ پینے لگا اور پھر میں نے اسے ہٹا کر میں نے دودھ نکالا اور چائے بنائی گئی۔

تحقیق : ۔ڈاکٹر صاحب موصوف کوئی دینی مستند مروجہ ٹائپ کے عالم فاضل یا مروجہ معنوں میں عملیات والے "عامل" بھی نہ تھے' مگر ان کا پختہ عقیدہ اور یقین و استقلال دیکھ کر شیطان رفو چکر ہو گیا۔

برکت علی گجر

مرحوم برکت علی نہایت سیدھے سادے' مفلس مگر مخلص مسلمان تھے' صرف قرآن مجید ناظرہ پڑھے ہوئے تھے' اور نماز پنجگانہ کے بعد صرف اس کی تلاوت ہی ان کا شغل تھا' انہوں نے اپنا واقعہ مجھے سنایا' کہ شہر کی ریلوے لائن اور نہر کا پل جہاں کراس کرتے ہیں' وہاں چوہدری اللہ رکھا صاحب کا اینٹوں کا بھٹہ ہوا کرتا تھا' شیشم کے اونچے گھنے درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا کمرہ سا بنا ہوا تھا جس کے ساتھ ہی چک کا قبرستان بھی تھا' (اسی وجہ سے شاید وہاں کوئی چوکیدار ٹکتا نہیں تھا) ایک بار چوہدری صاحب نے مجھے کہا کہ صوفی! تو رات کو وہاں سو جایا کر! میں نے ہامی بھرلی تو کہا کہ ڈرتا تو نہیں؟ میں نے کہا صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے! خیر میں نے رات کو چارپائی اندر سے نکالی اور شیشم کے نیچے بچھا کر نماز سے فراغت کے بعد سونے کے لئے اس پر لیٹ گیا' کچھ دیر بعد درخت پر کھڑبڑ سی ہوئی اور ایک جانور نے اوپر سے چھلانگ لگائی اور مجھ سے کچھ دور گرا اور بھاگ گیا' میں نے سوچا بلی ہو گی' اور سو گیا۔ دوسری رات پھر درخت سے ایک بلی کی جسامت کے برابر جانور نیچے آیا اور آہستہ سے میرے داہنی جانب چارپائی پر لیٹ گیا' میں نے اسے کہنی ماری اور نیچے گرا دیا' کچھ دیر بعد وہی "جانور" چار پائی پر میری بائیں جانب آکر لیٹ گیا' تو میں نے بائیں کہنی مار کر پھر اسے نیچے گرا دیا' کچھ دیر بعد پھر وہی جانور میرے پاؤں کی طرف پائینتی پر آکر لیٹ گیا' اور میں نے لات مار کر اسے نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد وہ ایسا غائب ہوا کہ میں جب تک وہاں رہا نہ وہ کبھی بھی میرے پاس آیا اور نہ کبھی نظر آیا۔

تحقیق: ۔میاں برکت مرحوم بھی محض سیدھے سادے مسلمان تھے' اللہ تعالی پر یقین محکم اور غیر اللہ سے بیزاری و بیخوفی کی صفات نے شیطانی سکیم کو ناکام بنا دیا وللہ الحمد۔

بہروپیا

بہروپیا۔ ہاں ایک "متقدس" بہروپیا' جس نے اپنی ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر رکھی ہے' اور وہ اتنا عیار اور اپنے فن میں اتنا ماہر ہے' کہ بڑے بڑے عقلمندوں کو وہ چکر دینے کی کوشش کرتا ہے اور اکثر کامیاب رہتا ہے' سوائے اس کے جسے اللہ کریم بچانا چاہیں' اس کے جال سے کوئی نہیں بچ سکتا۔۔۔۔۔ وہ کون ہے؟۔۔۔۔ مضمون کے اخیر کا انتظار فرمایئے۔

پچھلے صفحات میں امیر المجاہدین صوفی عبداللہ صاحب رحمہ اللہ ماموںکانجن والوں کا ذکر خیر ہوا ہے انہی کا ایک حیرت انگیز بلکہ عبرت انگیز واقعہ سنئے (الفاظ ان کے نہیں مفہوم انہی کا ہے)

اوائل جوانی میں مجھے بزرگوں سے "فیض" حاصل کرنے اور معروف عوامی الفاظ میں ان سے "اللہ اللہ سیکھنے" کا بہت شوق تھا' اگرچہ میں مسلکا" اہلحدیث تھا' مگر میں نے مذکورہ مقصد کے حصول کے لئے حلقہ ارادت کا دائرہ خاصا وسیع کر رکھا تھا' اور اسی سلسلہ میں میں مشہور "گدیوں" اور "درباروں" پر بھی جاتا رہا۔ مگر جہاں جاتا' ایسی ظاہر و باہر خلاف شریعت حرکات دیکھتا' کہ دل شکستہ ہو کر دوسری جگہ کا رخ کر لیتا۔ اسی طرح پھرتا پھراتا پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کی خدمت میں جا پہنچا' جو اگرچہ میرے ہم مسلک تو نہ تھے' مگر وہاں اس حلقہ کی اکثر مروجہ خرافات موجود نہ تھیں' اور پیر صاحب پابندی شریعت کرتے اور کرواتے بھی دیکھے' مثلاً" نماز باجماعت کا اہتمام اور نماز کی پہلی صف میں مشرع شکل (داڑھی والے) نمازیوں کو جگہ دینی' اور ان کے مریدین و معتقدین خواہ وہ کتنے ہی بڑے افسر ہوں' اگر وہ اس سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل سے محروم ہیں (یعنی داڑھی منڈی ہوئی ہے) تو ان کو پچھلی کسی صف میں جگہ دی جاتی' نیز ان پیر صاحب کے مریدوں کو پیر صاحب کو سجدہ کرنے کی اجازت بھی نہ تھی وغیرہ۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ یہیں ڈیرے ڈالدئے جائیں! (اور اس کے لئے ان کی منظوری اور منظوری سے قبل "علامات وہابیت در صلوۃ کا عارضی التوا ضروری امور تھے)

اور پھر میں نے ان سے "فیض حاصل" کرنے کی اجازت حاصل کی اور اتنے خلوص اور جذبے کے ساتھ ان کی خدمت کی' کہ بہت جلد پیر صاحب کے دل میں یہ جگہ بنالی کہ سوائے ایک خصوصی معتمد پرانے خادم کے یا مجھے' اور کسی خادم یا مرید کو یہ اجازت نہ تھی' کہ پیر صاحب کے خاص "حجرہ شریف" (جو دوسری منزل پر تھا) بغیر اجازت ہر وقت جا سکے۔ اس حجرہ شریف میں حضرت پیر صاحب آرام یا اوراد و وظائف فرمایا کرتے تھے' بہر حال یہ سلسلہ چلتا رہا' حتیٰ کہ ایک روز میں ان کے حجرہ شریف میں اوپر جانے لگا (غالباً" رات کا وقت تھا اور حجرہ کے اندر اور باہر روشنی تھی) حجرہ کا کواڑ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا' میں جونہی دروازے کے قریب ہوا' تو اندر سے مجھے پیر صاحب کی جھلک نظر آئی جو نہایت انہماک اور جذبے کے ساتھ وظیفہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ" ذرا بلند آواز سے ادا کر رہے تھے (چونکہ میں نے ابھی تک ان سے یہ وظیفہ یا ایسا کوئی دوسرا شرکیہ فعل علانیہ سرزد ہوتے نہ دیکھا تھا لہٰذا) مجھے یہ وظیفہ سنتے ہی اتنا صدمہ ہوا کہ میں وہیں سن ہو کر کھڑا رہ گیا' اور میں نے دل میں کہا کہ لے! یہاں بھی کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا والا معاملہ ہی ہوا اب تو یہاں سے کل کو کوچ کر اور کسی اور جگہ کی راہ لے۔ خیر صبح ہوئی تو پیر صاحب نے مجھے اسی حجرہ شریف میں طلب فرمایا اور فرمایا عبداللہ رات کیا بات ہوئی کہ تو واپس چلا گیا؟ میں نے عرض کی حضرت! آپ کے اس شرکیہ وظیفے نے تو آپ سے میری عقیدت کے سارے محل ہی مسمار کر دیئے' حقیقتہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے مجھے بجلی کا "شاک" لگا ہے' میں نے تو بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ حضرت! جہاں توحید کی بجائے شرک ہو رہا ہو' وہاں تو اس کی نحوست سے کوئی دوسرا عمل بھی بارگاہ خداوندی میں قبول نہیں ہوتا' خواہ ہم اس کو کتنا ہی روحانیت اور تصوف کے اعلیٰ مدارج قراد دیتے رہیں۔ اس کے جواب میں پیر صاحب نے اس وظیفہ کے جواز کی کوئی تاویلات یا دلائیل بیان نہیں فرمائے بلکہ صرف یہ فرمایا' کہ "عبداللہ! تجھے پتہ (علم) نہیں' کہ اس وظیفہ کے اثرات کیا ہیں" اور "میں کبھی اس کے اثرات تمہیں دکھلاؤں گا" میں نے دل میں سوچا کہ جو چیز ہے ہی شرک' تو اس کے جو اثرات ہوں گے وہ بھی آلودہ شرک ہی ہوں گے' لہٰذا ان کو دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر خیال آیا' کہ

جہاں اتنا عرصہ تیرا وقت ضائع ہو گیا ہے' وہاں چند دن اور سہی' جہاں ستیاناس' وہاں سوا ستیاناس! ان کے "اثرات" بھی دیکھ لے چنانچہ میں بادل ناخواستہ وہاں ٹھہرا رہا۔ چند روز بعد پیر صاحب نے پھر مجھے یاد فرمایا اور فرمایا "عبداللہ! داتا دربار حاضری دینے جانا ہے تیار ہو جاؤ" تو میں نے پیر صاحب کا لوٹا اور تھیلا سنبھالا اور ہم لاہور کو روانہ ہوئے۔ راوی کے پل سے کچھ پہلے ہی پیر صاحب نے اشارہ کیا کہ یہیں اترنا ہے۔ چنانچہ میں نے کنڈیکٹر کو کہا اور اس نے ہمیں وہاں اتار دیا' اور ہم سڑک کے کنارے کنارے آگے چلنے لگے' سڑک کے ساتھ ساتھ کھیت تھے اور ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی' پیر صاحب آگے اور میں پیچھے تھا' کہ ایک جگہ پیر صاحب ٹھہر گئے' اور انہوں نے نہایت خاموشی سے اشارہ سے مجھے توجہ دلائی کہ ادھر دیکھو! اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا' کہ ایک نہایت وجیہہ و قد آور بزرگ' عربی لباس پہنے' نورانی چہرہ اور ایک منقش ٹوپی سر پر' کھالے کی چھوٹی پلی پر تشریف فرما کھڑے ہیں' اور ٹوپی پر خوبصورت الفاظ میں "علی ہجویری" لکھا ہوا ہے' عین اسی وقت پیر صاحب نے بڑی مسرت سے' آہستہ سے مجھ سے فرمایا "عبداللہ! لوگ داتا صاحب کی حاضری ان کے دربار اور قدموں میں جا کر دیتے ہیں' مگر دیکھ! "اسی وظیفہ" کی برکت سے داتا صاحب خود بنفس نفیس ہمارے استقبال کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔" پھر پیر صاحب آگے بڑھے' اور "داتا صاحب" نے نہایت عجلت سے سبقت فرمائی' اور پیر صاحب کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا کر کافی لمبا "معانقہ" فرمایا۔ کیسی مبارک اور نورانی فضا تھی' خوشبوؤں کی لپٹیں آ رہی تھیں' اور عجیب روحانی کیف و مستی کا سماں تھا۔ ادھر دو "بزرگوں" کا معانقہ شریف طول اور ترقی پذیر ہو رہا تھا' اور ادھر میں اپنے کسی دوسرے ہی خیالات کے مدوجذر میں مبتلا تھا' اور اس ہستی سے جو نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی شان والی ہے' چپکے چپکے یہ عرض کر رہا تھا کہ اے ذالجلال والا کرام' یہ کیا تماشہ ہے؟ آپ کا یہ فرمان ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون بالکل حق! کہ ہر فوت شدہ روز قیامت سے پہلے اس دنیا میں دوبارہ نہیں آئے گا' مگر میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں' کہ حضرت سیدنا علی ہجویری رحمہ اللہ' جن کو فوت ہوئے صدیاں گذر چکیں' یہ میرے سامنے موجود ہیں۔ فوراً ہی سرکار عالی سے مجھے اس کا جواب معہ طریق

کار مرحمت فرما دیا گیا' اور میں بحمد اللہ مطمئن ہو گیا' اور یہ میرا چہار مرحلہ امر (یعنی سوال جواب اور اطمینان اور طریق کار) صرف چند سیکنڈ میں ہی تکمیل پذیر ہو گیا' خیر جب پیر صاحب معانقہ سے فارغ ہوئے' تو انہوں نے مجھے اشارہ کیا' کہ تم بھی داتا صاحب سے معانقہ کرو! چنانچہ میں نے "داتا صاحب" کے سینہ مبارک سے خوب مضبوطی سے اپنا سینہ ملا کر انہیں بھینچ لیا' اور پھر اسی القاء ربانی کے مطابق میں نے اونچی آواز سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا' تب فوراً" ہی "داتا صاحب" نے خاصی گھبراہٹ اور طاقت سے اپنے آپ کو مجھ سے چھڑایا' اور گوز مارتے ہوئے ایسی تیزی سے غائب ہوئے کہ نام و نشان تک نظر نہ آیا' خود تو غائب ہوئے ہی تھے' مگر طرہ یہ کہ وہ معطر و معنبر فضا' نورانی و متبرک ماحول بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے' خوشبوؤں کی بجائے اب وہاں نہایت دل آزار بدبو پھیلی ہوئی تھی' یہ دیکھ کر مجھ پر الحمد للہ سب حقیقت واضح ہو چکی تھی اور الحمد للہ ثم الحمد للہ میرے ایمان میں تازگی و اضافہ ہو چکا تھا' مگر اس "الحمد للہ" کے ساتھ ایک "انا للہ" بھی! کہ پیر صاحب یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اپنے اس عقیدہ و وظیفہ سے تائب ہونے کے خیال سے بھی محروم رہے' کہ کچھ دیر "بھونچکا" سے رہنے کے بعد مجھے فرمانے لگے "عبداللہ! یہ تو نے کیا غضب کیا' کہ داتا صاحب کو ناراض کر دیا' جا تو دفع ہو جا اور آئندہ میرے پاس کبھی نہ آنا" میں نے عرض کیا' حضرت داتا صاحب تو یہی لا حول روزانہ سینکڑوں بار خود پڑھتے ہوں گے' یہ وظیفہ جو ان کو اتنا محبوب تھا' اس سے تو وہ ہرگز ناراض نہیں ہوتے ہوں گے' اور لا حول سے جو ناراض ہوتا اور بھاگتا ہے' اس کا علم آپ کو بھی اچھی طرح ہے' اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ آئندہ میرے پاس کبھی نہ آنا' تو حضرت! آپ کے پاس میں کیا لینے آؤں گا؟ جو کچھ آپ کے پاس تھا اس کا تو پول کھل چکا' انھم اتخذو اشیاطین اولیاء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون (سورہ اعراف آیت ۳۰) انہوں نے خدا کی بجائے شیاطین کو دوست بنایا ہوا ہے' اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔

کیوں جناب! "بہروپیئے" کو آپ نے پہچان لیا؟

شاید کچھ احباب صوفی عبداللہ صاحب موصوف کے' وظیفہ "یا شیخ عبدالقادر الخ"

کے متعلق نظریہ و عمل کو ضرورت سے زیادہ "سخت اور غلو" قرار دیں، مگر حضرت سیدنا شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق ان کے موجودہ معتقدین جو غلط عقائد و تصورات اپنے اذہان میں پیوست کئے ہوئے ہیں، ان کی حدود و مقدار و اصلیت سے تو وہ خود ہی واقف ہوں گے، مگر ان لوگوں کے لٹریچر اور مواعیظ میں جو صفات و اختیارات سیدنا جیلانی رحمہ اللہ کے بیان فرمائے گئے ہیں، ان کے علم کے بعد تو صوفی صاحب موصوف کا موقف ضرورت سے کچھ "نرم" ہی معلوم ہوتا ہے۔ ایک فوت شدہ لڑکے کو زندہ کرنے کے لئے حضرت جیلانی کا فوری جست فرما کر، آسمانوں سے حضرت عزرائیل سے اس دن کی (فوت شدہ لوگوں کی) روحوں کی تھیلی چھین کر الٹ دینا، اور اس سے اس دن کے دنیا کے سارے مردے دوبارہ زندہ ہو جانا، اور پھر عزرائیل کا روتے ہوئے اللہ تعالی کے پاس اپنی اس "توہین" کا حال بتانا، اور اس کے مداوا کی درخواست کرنا، اور (نعوذ باللہ کفر کفر نبا شد) اللہ تعالی کا اس کو چپ کرا دینا اور ـــــــ ہندوستان میں راقم الحروف نے بچوں کے لئے لکھی گئی آسان زبان میں ایک چھوٹی سی کتاب جس کا نام یاد نہیں، مگر وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی مختصر سوانح عمری پر مشتمل تھی، پڑھی تھی، مصنف تھے مولانا عبدالرحمن شوق امرتسری، اس میں ان کی دوسری کرامات کے ساتھ ایک کرامت یہ بھی لکھی تھی، کہ سیدنا جیلانی کی (غالباً" افطاری کی) کسی شخص نے آکر دعوت کی جو حضرت نے منظور فرمائی، وہ چلا گیا تو ایک اور آدمی نے اسی وقت کی دعوت طعام اپنے گھر کی پیشکش کی، آپنے وہ بھی منظور فرمالی، پھر تیسرا شخص اسی وقت کی دعوت کی منظوری لے گیا، اسی طرح (غالباً") آٹھ دس آدمی ایک ہی وقت کی دعوت افطار اپنے اپنے گھروں میں دے گئے، اور آپ نے سب کی دعوت منظور فرما لی، ایک شخص جو شروع سے ہی وہاں موجود تھا، اس نے عرض کی، حضرت! آپ ان سب لوگوں کی دعوت میں کیسے جائیں گے؟ اس پر آپ نے اسے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا تو اس نے بند کر لیں، پھر فرمایا کھولو! تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، اور یہ عجیب منظر دیکھا کہ اسی صحن میں ایک بیری کے درخت کے ہر ایک پتے پر آپ علیحدہ علیحدہ جلوہ افروز ہیں، پھر آپ نے فرمایا "اسی طرح ہم ہر دعوت میں بیک وقت شریک ہوں گے" اب آپ خود اندازہ فرمالیں، کہ ایسے مومنین اصل خدائی اختیارات تو ایسے

بزرگوں کے پاس سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو محض تبرک کے طور پر تسلیم کرتے ہیں
وما یومن اکثر ھم باللہ الا وھم مشرکون ○ (سورہ یوسف آیت ۱۰۶) ان میں
سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں مگر ساتھ شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔

وسیلہ اعمال

مغرب کی نماز کے بعد راقم الحروف مسجد سے باہر نکلا' تو ایک نو جوان کو منتظر پایا' تعارف کرایا تو پتہ چلا کہ بے سہارا' مہاجر اور یتیم ہے' اس نے اپنی پریشانی بتائی' کہ میری پیدائش سے قبل ہی میرا والد دوبارہ ھندوستان چلا گیا تھا' پھر چالیس سال ہو گئے پتہ نہیں چلا زندہ بھی ہے یا نہیں؟ میری برادری نے مجھے کوئی سہارا نہیں دیا' اور میں مٹی میں رل مل کر جوان ہو گیا' تو مجھے اپنی شادی کی فکر ہوئی (غریب کو کون پوچھتا ہے؟) خود ہی میں نے تگ و دو کی' اور ایک بیوہ عیسائی عورت جسکی ایک لڑکی بھی تھی' کو مسلمان کیا' اور برادری سے کہا' کہ میں تم سے ایک پیسہ بھی طلب نہیں کرتا' مگر آپ کی مہربانی اور احسان ہو گا' کہ صرف نکاح میں شامل ہو جاؤ! مگر وہ اس پر ناراض ہو گئے' کہ غیروں میں شادی کرتا ہے۔ نہ خود میری شادی کرنی نہ کرنے دینی! بڑی مشکل اور منتوں سے انہیں راضی کیا' پھر بھی کچھ لوگ ہی شامل ہوئے سبھی تو نہ ہوئے۔ اس کے کئی سال بعد اب پھر وہی مسئلہ پیش آگیا کہ' اس عورت کی لڑکی مسلمان نہ ہوئی تھی اور وہ اپنے (عیسائی) ننھیال سے ملتی ملاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کو بھی اسی طرح مسلمان کر کے کسی مسلم لڑکے کے نکاح میں دیدیا جائے' تاکہ ننھیال کا مسیحی تعلق ختم ہو۔ مگر اس کے لئے کوئی مسلم لڑکا نہ ملتا تھا' بڑی مشکل سے برادری کا ایک لڑکا تیار کیا' اور برادری کی بھی پہلے کی طرح منتیں کیں' کہ صرف نکاح میں شامل ہو جاؤ' مگر حسب سابق وہ اکڑ گئے' بہزار دقت چند لوگ آمادہ ہوئے' کل کو نکاح ہے' مگر آج (بقایا شرکت نہ کرنے والی برادری نے) سارا کام ہی بگاڑ دیا' کہ جو لوگ شامل ہو رہے تھے ان کو بھی' اور لڑکے کو بھی گمراہ کر دیا' سارے ہی منکر ہو گئے' میرا کچھ کرو! میں نے کہا میں کیا کر سکتا ہوں' کچھ عرصہ باقی ہوتا تو کوئی دعا وظیفہ یا استغفار وغیرہ تو خود کرتا' تو کچھ امید کام بننے کی ہوتی' مگر یہ ہتھیلی پر سرسوں کیسے جم سکتی ہے؟ وہ بیچارا شاید کتنی اور جگہ سے پریشان آیا تھا' مایوس سا ہو کر کھڑا رہا' دفعتہ" بندہ کے دل میں خیال آیا اور اس سے کہا کہ اگرچہ صرف آج کی رات ہی میسر ہے'

تاہم ایک کام تم خود کر کے دیکھو' شاید اللہ کریم تمہارا کام بنا دیں۔ اور پھر بندہ نے مختصرا" بخاری شریف میں مذکور غار میں بند ہو جانے والوں کا واقعہ سنایا' دو آدمیوں کی آپ بیتی تو بندہ کو یاد آگئی تیسرے کی یاد نہ آئی۔ بہرحال اسی طریقہ پر دعا مانگنے کا بندہ نے اسے کہا' کہ ان لوگوں کی طرح تم بھی اللہ تعالی کی بارگاہ میں اپنی پوری یقینی خالص نیکی (جس میں ریا تک کا شائبہ بھی نہ ہو اور تمہارا دل پر اس پر مطمئن ہو اور اس کے خلوص کی گواہی دے) بطور وسیلہ پیش کرو' اور عرض کرو' کہ اے میرے اللہ! اگر میری وہ نیکی' (جو میں نے آپ کے فضل و کرم اور توفیق سے ہی ادا کی) صرف آپ کی رضا کے لئے ہی کی ہے اور وہ آپ کی بارگاہ میں (آپ کے فضل و کرم سے) قبول ہے' تو اس نیکی کے طفیل (صدقہ اور وسیلہ سے) میری یہ مصیبت دور فرما دے' اور میرا کام بنا دے! بندہ کی یہ بات سن کر وہ خاموشی سے چلا گیا' پھر تقریبا" ایک سال کا عرصہ گذر گیا کہ دو آدمی بندہ کے گھر آئے' ایک کی گود میں بچہ تھا' ایک کو تو بندہ نے پہچان لیا' کچھ شکل اور کچھ آواز سے (بندہ کی بصارت کمزور ہے) دوسرے آدمی نے بات کی تو بندہ کو شبہ سا ہوا کہ شاید یہ وہی آدمی ہے' مزید تقویت اس خیال سے ہوئی' کہ اس کا ساتھی اسی کی برادری کا تھا' تب بندہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو وہی آدمی ہے جس کا بیٹی کے کے نکاح کا معاملہ گڑ بڑ ہو گیا تھا؟ کہنے لگا ہاں! بندہ نے پوچھا کہ اس معاملہ کا کیا بنا؟ کہا میں نے گھر جا کر اسی طرح دعا مانگی' کہ اپنی توبہ کے وسیلہ سے (کہ میں پہلے جوا وغیرہ کئی گناہوں میں مبتلا تھا پھر میں تائب ہو گیا تھا) کہ یا اللہ! اگر میری توبہ صحیح ہے تو اس کے طفیل میرا یہ کام ٹھیک کر دے' اور پھر اللہ تعالی کا ایسا کرم ہوا' کہ صبح کو وہ بگڑے ہوئے سارے افراد خود میرے گھر آگئے اور کہنے لگے' جلدی کرو! جلدی نکاح پڑھوا کر فارغ ہو جاؤ اور کسی کا انتظار نہ کرو۔" (اللہ اکبر واللہ الحمد)

تحقیق: ۔اشخاص (فوت شدہ) کے وسیلہ سے دعا مانگنا تو اختلافی ہے' مگر اپنے اعمال حسنہ کے وسیلہ سے بحوالہ واقعہ غار غیر اختلافی ہے۔ زندہ اشخاص کے وسیلہ کی شکل یہ ہے کہ ان سے دعا کرائی جائے' اور فوت شدہ کا وسیلہ پکڑنے کا مسئلہ صرف رواجی ہے' اور جو دلیل اس کے جواز میں دی جاتی ہے صرف ایک نابینا والی روایت ہے جبکہ وہ روایتہ" اس لائق نہیں ہے' کہ اسے توحید جیسے راس الاعمال والعقائد امر پر اثر انداز

تسلیم کیا جائے' ایک زیادہ یا کم خطرہ والی' اور ایک خطرہ سے بالکل پاک چیز! عاقل ان میں سے کون سی چیز اختیار کرے گا؟ صرف اللہ تعالی سے بغیر کسی وسیلہ کے دعا مانگنے کا تذکرہ اور اس کی تاکید تو اتنی کثرت سے قرآن و حدیث میں آئی ہے کہ بعض اہل اللہ تو اسے مومن کا مقصد حیات ہی قرار دیتے ہیں۔ بدلیل وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون مقصد خلقت عبادت' اور عبادت کا مغز الدعا مخ العبادہ کے مطابق دعا' اور دوسری حدیث شریف کے مطابق الدعاء ھی العبادہ (دعا ہی عبادت ہے) اور ہمارے لئے قرآنی و نبوی دعائیں ہی دستور حیات ہیں' جس سے اللہ تعالی سے مانگنے سے اللہ تعالی سے تعلق جڑا رہتا ہے' اور مسنون دعاؤں کی صورت میں نبی اکرم ﷺ سے تعلق بھی جڑا رہتا ہے۔ ان دونوں نعمتوں کے حصول کے بعد اور کیا چاہیے؟ گویا اس طرح مومن کا مقصد حیات پورا ہو رہا ہے۔ نیز قرآنی اور نبوی دعاؤں کی مثال ایسی ہے جیسے حاکم مجاز' (مجسٹریٹ) سائل کو بلا کر خود کہے' کہ "تم اس مضمون کی درخواست لکھ یا لکھوا کر لاؤ" صرف اتنی بات سے ہی سائل کو اس بات سے بے حد خوشی حاصل ہو گی' اور اسے یقین ہو جائے گا کہ بس میرا کام بن گیا' یہ تو اہمیت ہے اللہ تعالی سے دعا مانگنے کی۔ انبیاء علیہم السلام اور خصوصا" نبی اکرم ﷺ کے الفاظ اور طریقہ مبارک سے (جس میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام شامل ہیں) میں سے کسی ایک نبی کی دعا بھی' نص صحیحہ کے مطابق کسی وسیلہ کے ساتھ موجود نہیں' براہ راست صرف اللہ کریم سے ہی مانگنا مذکور ہے (صرف ایک روایت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی دعا بوسیلہ سید المرسلین ﷺ کے منقول ہے جو روایتہ درایتہ" اور صریحا" لائق ترجیح یا تعدیل نہیں' کہ اللہ تعالی تو ارشاد فرماتے ہیں فتلقی ادم من ربه کلمات فتاب علیه اور دوسری جگہ یہی کلمات ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین بیان بھی فرما دیئے گئے ہیں' کہ ہم نے آدم کو کچھ کلمات سکھائے' پھر اس کی توبہ قبول کی (وہ کلمات یہ تھے)' اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اور اگر آپ ہمیں معاف نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم یقینا" بڑے نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور یہ روایت اس کے برعکس کچھ اور ہی بیان کر رہی ہے) اور یہ

امر بھی ملحوظ رہے' کہ کیا کسی ضعیف یا موضوع روایت میں بھی یہ تاکید کہیں آئی ہے' کہ "تم اللہ تعالیٰ سے بغیر وسیلہ اشخاص کے دعا نہ مانگو۔" اگر وسیلہ اتنا ہی ضروری ہوتا تو جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ذکر ہے وہیں وسیلہ کی شرط بھی ضرور موجود ہوتی۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بندہ کے ایک عزیز ایک نوجوان کو لے کر آئے' جو خاصے معزز و متمول خاندان کے فرد تھے' یہ کئی بھائی تھے ان کے والد محترم نے مناسب جانا کہ ریٹائر منٹ کے بعد اپنی زندگی میں ہی انہیں جائداد تقسیم کر دی جائے' مگر اس سلسلہ میں بڑی رکاوٹ یہ پیش آئی کہ' ایک بیٹا جو ذرا زیادہ ہی غصیلا اور آزاد قسم کا تھا' اپنے حصہ سے زیادہ اور اپنی مرضی کا آئٹم لینا چاہتا تھا' اور اس پر اڑا ہوا تھا۔ والدین' بہنوں' بھائیوں' کسی کی نہ مانتا تھا اور تقریباً" مرنے مارنے پر بھی اتر آیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک پلاٹ کا معاملہ بھی تھا۔ جس کے مطابق اگر وہ بیٹا ان کی بات نہ مانے' تو ان کو لاکھوں کا خسارہ بمطابق ایگریمنٹ اٹھانا پڑتا۔ اور سارے معاملے کی حدالوقت (میعاد) ختم ہونے میں صرف ایک رات ہی باقی تھی' بندہ کو پھر اس سے انقباض ہوا مگر اتفاق سے یہ لوگ بھی پہلے کیس والے کی برادری سے تعلق رکھتے تھے' لہٰذا انہیں بھی "وسیلہ اعمال" کا نسخہ بتایا اور اضافہ یہ کیا' کہ اپنی امی کو کہنا' کہ وہ تو ضرور ہی یہ عمل کریں کہ وہ بندہ کی والدہ مرحومہ کی دینی بہن ہیں' اور گھر کا کوئی دوسرا فرد یا ان کے والد صاحب بھی کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ سن کر وہ چلے گئے' اور کئی دن بعد دوبارہ کسی اور کام سے آئے' اور اس معاملہ کے متعلق بتلایا' کہ ہم نے اسی طرح "وسیلہ عمل" کے ذریعہ دعا کی اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم ہوا' کہ صبح کو وہ ہمارا "کو کڑو" بھائی خود ہی گھر آیا' اور کہنے لگا کہ اچھا تم جس طرح کہتے ہو میں مان لیتا ہوں' مگر میری یہ شرط ہے (اور بہت ہی معمولی سی شرط پیش کی) اس طرح الحمد للہ وہ ہماری اتنی بڑی مصیبت اللہ تعالیٰ نے دور فرما دی جس کے ازالہ سے ہم سب عاجز تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ

عجز اور فخر

چند سال کا واقعہ ہے کہ جناب حافظ مشہود الحسن (تبدیل شدہ نام) تشریف لائے‘ مسجد کے باہر منتظر تھے‘ فرمایا کام ہے! بندہ انہیں گھر لایا‘ چائے پلائی اور غرض پوچھی‘ فرمایا‘ آپ کو معلوم ہے کہ میں دیہاتی سیلانی طبیعت کا مالک ہوں‘ کچھ عرصہ امامت کرائی پھر دوسری جگہ! میرا معمول ہے کہ میں جہاں جاؤں‘ خود نماز پڑھاؤں یا کسی کی اقتداء میں نماز پڑھوں‘ نماز کے بعد کھڑا ہو کر اعلان کرتا ہوں‘ کہ اگر کوئی شخص آپ میں سے ایسا ہے جس کا یہ خیال ہو‘ کہ لوگ ٹیکے (انجکشن) لگواتے ہیں‘ دوا کھاتے ہیں تو اثر اور فائدہ ہوتا ہے‘ مگر جو لوگ چند لفظ آہستہ پڑھتے اور دم کرتے یا تعویذ دیتے ہیں‘ یہ سب غلط اور دھوکہ ہے‘ تو وہ سامنے آئے! اور اگر کسی شخص کا کوئی مسئلہ الجھا ہوا ہے‘ کسی طرح بھی حل نہیں ہوتا یا کوئی شخص ایسا ہے جو ایسا مریض ہے‘ کہ ہر قسم کے علاج کروا کر مایوس ہو چکا ہے‘ تو وہ مجھ سے بات کرے! پھر جو آتا اور میں اسے دیتا یا بتاتا الحمد للہ ہمیشہ فائدہ ہوتا اور کامیابی نصیب ہوتی‘ مگر اب خود میرے اپنے گھر میں ایک معاملہ ایسا پیش آگیا (بیٹا نافرمان ہو گیا) کہ میں نے ہر چارا کر ڈالا‘ اور ہر قسم کے پاپڑ بیلے مگر بالکل بے اثر‘ پھر میں پریشان ہو کر اپنے مرشد صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سارا دکھڑا بیان کیا‘ اور انہوں نے جو مجھے بتایا وہ بھی میں نے کیا مگر سب کچھ بے فائدہ ثابت ہوا۔ پھر میں ان کے مرشد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کیا‘ انہوں نے جو علاج مجھے بتایا وہ بھی کیا‘ مگر بات وہیں کی وہیں رہی‘ ذرہ بھر بھی فرق نہیں پڑا‘ پھر میں کئی اور بزرگوں کے پاس گیا اور جو وظیفہ وغیرہ مجھے انہوں نے بتایا وہ بھی کیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات! آج میں یہاں خطیب جامع مولانا (مسلک بریلوی) کی خدمت میں حاضر ہوا‘ اور انہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا‘ اس سے میری تسلی نہیں ہوئی‘ پھر میں خطیب جامع مولانا (مسک دیوبندی) کے پاس حاضر ہوا اور انہوں نے جو کچھ فرمایا‘ سچی بات یہ ہے کہ اس پر بھی میری تسلی نہیں ہوئی۔ اب میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ کیا ہو گیا؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا‘ اور اب ہوا‘ تو

ایسا سخت معاملہ ہوا' کہ سارے علاج بیکار ثابت ہوئے! بندہ نے عرض کیا "آپ نے جن دو طبقات سے رجوع کیا ہے' یعنی طبقہ بزرگان اور طبقہ علماء' بندہ ان دونوں میں سے نہیں ہے' البتہ ایک دیہاتی ضرب المثل کے مطابق کہ "اگر مشورے کا وقت نہیں تو دیوار کی طرف منہ کر کے وہ مشورہ طلب بات کہدو' شاید اتنی سی دیر میں اللہ تعالیٰ تمہارے اس مطلوبہ مسئلہ کا حل تمہارے ذہن میں ڈال دیں' بس محض دیوار کی حیثیت سے بندہ عرض کرتا ہے' شاید اللہ کریم آپ کا مسئلہ حل فرما دیں' وہ یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن' جیسے انسان کا جسم اور اس کی روح' یہ پنکھا اور بلب آپ کے سامنے نظر آرہے ہیں' یہ شکل ان کی ظاہری ہے اور ان کی اصل بجلی ہے' انسان میں روح ہے اور ان چیزوں میں بجلی ہے تو یہ کام کریں گی ورنہ بے کار ہیں۔ اسی طرح آپ جو علاج (بذریعہ دم درود' تعویذ' وظیفہ وغیرہ) کرتے تھے' وہ تو اس کام کی ظاہری شکل تھی' اس میں اصل چیز کیا تھی؟ حافظ صاحب تو خاموش رہے' بندہ نے خود عرض کیا کہ ان اعمال میں اصل اور ان کی روح یا جان "اللہ کریم سے دعا" تھی کہ اے اللہ کریم! ہم عاجز' بے بس اور خطا کار اس مصیبت کے متحمل نہیں ہیں' لہٰذا اپنی رحمت سے اس کو عافیت کے ساتھ دور فرما دے! پھر اگر سرکار کی مرضی ہو' تو وہ جانور کی بھی مان لیتے ہیں' اور اگر مرضی نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں مانتے! اس پر حافظ صاحب فرمانے لگے بس! (الحمد للہ) میری تسلی ہو گئی "بندہ نے ایک واقعہ ازمواعیظ حضرت تھانوی رحمہ اللہ (مفہوماً") انہیں سنایا کہ جب سقوط بغداد کے موقع پر تاتاریوں نے لاکھوں انسانوں کو تہ تیغ کر دیا اور کوئی بھی ان کو روکنے والا نہ رہا' اس وقت بغداد کے مضافات کی ایک بستی میں ایک مستجاب الدعوات بزرگ (نام بھول گیا) رہا کرتے تھے' فقیر آدمی تھے 'لوگ اپنی مشکلات و امراض کے لئے آتے' اور ان سے دم دعا کرواتے' مذکورہ صورتحال میں بستی کے چند دانشور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضرت' بغداد تو ختم ہو گیا' اگر ان ظالم تاتاریوں کا کوئی دستہ لشکر ادھر آنکلا' تو ہمارا کچھ بھی نہیں بچے گا' آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو ہم سے دور ہی رکھے! انہوں نے فرمایا' اچھا میں بھی دعا کرونگا اور کچھ چارہ تم بھی کرنا' کہ مسجد کی چھت پر ہمہ وقت ایک آدمی نقارہ لے کر موجود رہے۔ اول تو انشاء اللہ

تاتاری ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے اور اگر خدانخواستہ وہ ادھر آئے بھی' تو دو تین صد گھوڑوں کی ٹاپوں سے پیدا شدہ گرد کئی میل سے ان کے آنے کی نشاندہی کر دیے گی' تب وہ شخص خطرے کا نقارہ بجا دے اور پھر تم کہیں محفوظ مقامات پر چھپ جانا' اور میں بھی اس وقت دعا کرونگا۔ پھر تین چار دن بعد تاتاریوں کے آنے کے خطرہ کا نقارہ بجا' لوگ چھپ گئے اور اس بزرگ ولی اللہ نے نقارہ سن کر اپنے سامنے پڑا ہوا خالی پیالہ بسم اللہ پڑھ کر اوندھا کر دیا۔ امر الٰہی سے بستی حملہ آوروں کی نگاہوں سے غائب ہو گئی' اور وہ ٹھہر کر ادھر دیکھنے' اور آپس میں بحث و تمحیص کرنے لگے' کہ آگے کہاں جا رہے ہو؟ وہاں تو صرف ریت کے ٹیلے ہی نظر آرہے ہیں' کچھ ان میں سے اصرار کرتے رہے کہ آگے بستی تھی' مکانات' مسجد اور درخت تھے لہٰذا ضرور جانا چاہیے۔ آخر واپسی کا فیصلہ ہوا اور وہ واپس ہو گئے۔ نقارے والے نے کافی دیر حملہ آوروں کے وہاں نہ پہنچنے پر اطمینان کا سانس لیا اور خطرے کے ختم ہونے کا علامتی نقارہ بجانا شروع کر دیا' بزرگ نے پیالہ سیدھا کر دیا تقدیراً" ہوا ادھر کی چل رہتی تھی' جدھر تاتاری جا رہے تھے' انہوں نے نقارے کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا کہ بستی' درخت' مکانات' مسجد سب صاف نظر آرہے ہیں وہ پھر ٹھہرگئے. اور کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ جب ہم بستی کی طرف اپنا منہ (رخ) کرتے ہیں تو وہ غائب ہو جاتی ہے' اور پیٹھ کرتے ہیں تو نظر آنے لگتی ہے' اچھا پھر اسی طرف چلتے ہیں' انہیں آتے دیکھ کر نقارچی نے پھر خطرے کا نقارہ بجا دیا بزرگ صاحب نے پھر پیالہ الٹا کر دیا' بستی نظروں سے غائب ہو گئی' وہ حملہ آور پھر رک گئے اور بحث مباحثہ کے بعد پھر واپس چلے' دوبارہ خطرہ ٹلنے کا نقارہ بجا پیالہ سیدھا ہوا' بستی نظر آنے لگی' تاتاری پھر بستی کو چلے' اسی طرح تین بار ہوا' تیسری بار جب حملہ آور بستی کی جانب بڑھے' اور خطرے کا نقارہ بجا تو ان بزرگ ولی اللہ نے ارادہ کیا' کہ پیالہ کو الٹا کروں' تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا' کہ "خبردار! تو کیا سمجھتا ہے؟ بستی غائب حاضر تیرے پیالے سے ہو رہی ہے؟ نہیں! یہ تو نہیں ہم کر رہے ہیں' مگر اب ہم یہ نہیں کریں گے' اس لئے کہ تجھے تو اتنا بھی علم نہیں' کہ ہم نے اہل بغداد کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا ہے؟ چونکہ ان کے اعمال بد اس حد تک پہنچ چکے تھے' کہ ان میں اصلاح کی کوئی رمق تک باقی نہ رہی

تھی' تب ہم نے تاتاریوں کی صورت میں ان پر "عذاب" نازل کیا ہے اور ان کو سزا دی ہے' تو کون ہوتا ہے ہمارے کاموں میں دخل دینے والا اور مجرموں کو چھڑانے والا؟ کیا تو اپنے آپ کو کچھ "کرنی والا" سمجھتا ہے' اچھا تو ذرا سا ہاتھ بڑھا کر دیکھ! سوائے ایک کام کے اور کچھ بھی نہیں ہو گا' اور وہ کام کیا ہے؟ یہ کہ ہم تیرا نام اپنے "اولیا" (دوستوں) کی فہرست میں سے کاٹ دیں گے!" اس انتباہ ربانی کو سن کر ان کی تو حالت ہی غیر ہو گئی کہ ہائیں! یہ کیا ہو گیا؟ میں تو خدمت خلق اور برادران اسلام کی خیر خواہی سمجھ کر یہ سب کچھ کر رہا تھا' اور اس سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا' اب اگر سرکار ہی اس سے ناراض ہوں' تو ساری دینا جائے بھاڑ میں' مجھے اس کی کیا پروا ہے؟ اسی وقت سجدہ میں گر گئے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہے' پھر کہاں کا پیالہ اور کہاں کے لوگ؟ غیر اللہ کے سب خیال تک قلب سے نکل گئے' روتے رہے روتے رہے' حتیٰ کہ ظالموں نے آکر انہیں بھی شہید کر دیا اور بستی کو بھی تباہ و برباد کر دیا" یہ واقعہ سن کر حافظ صاحب موصوف چلے گئے اور تقریباً تین چار سال بعد پھر غریب خانہ پر کسی مقصد کے لئے تشریف لائے' اور ضمناً" دریافت کیا' کہ چند سال پیشتر کا میرا واقعہ آپ کو یاد ہے؟ بندہ نے کہا ہاں! پھر خود ہی فرمایا' کہ میں نے آپ سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ سے خوب ہی استغفار کیا (یعنی بکثرت) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہ عقیدہ لاینحل حل فرما دیا وللہ الحمد۔

تحقیق :۔ ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب اپنے طریق علاج کا مریض سے معاوضہ نہ لیتے ہوں مگر غالباً" غیر محسوس طریقے پر حب جاہ ساتھ ساتھ چلتی رہی' کہ شہرت تو ہوتی رہی' دوسرے یہ کہ مسلسل کامیابی سے اپنی ذات کے متعلق (غیر محسوس طریقے پر) یہ تاثر ساتھ چلتا رہا' کہ ہم کچھ "بن" گئے ہیں یا کہیں "پہنچ" گئے ہیں! (حالانکہ اصلی بننا اور پہنچنا تو وہ ہو گا جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مقام عطا فرما کر اسے "بنائیں" گے اور "پہنچنا" بھی وہی گا جہاں وہ اسے "پہنچائیں" گے' وہی اصلی اور آخری اور پکی الاٹمنٹ ہے۔ اللہ کریم محض اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو حسنت مستقرا ومقاما والوں میں داخل فرمائیں۔ (آمین)! اور بزرگوں کے جواہرات میں سے ایک "کوہ نور"، ضرہے کہ کثرت اور اد و ظائف سے "عجب" پیدا

ہوتا ہے' اس کا خیال رکھنا چاہئے' اس کی بجائے "دعا" جتنی بھی زیادہ مانگی جائے اس سے "عجز" (عاجزی) پیدا ہوتا ہے" ظاہر ہے کہ عجب مبغوض ہے اور عجز محمود۔۔۔ ایک حدیث قدسی (مفہوم عرض ہے) پر ایمان تو تھا' مگر فہم سے بالا مضمون معلوم ہوتا تھا کہ "اے آدم کے بیٹو!! اگر تم اول سے آخر تک سب جسد واحد بن جاؤ اور کلیتہ" میرے مطیع بن جاؤ تو میں ایک دوسری مخلوق پیدا کروں گا' جو گناہ کرے گی اور مجھ سے معافی مانگے گی اور میں انہیں معاف کروں گا" کیا اللہ تعالیٰ کو گناہ پسند ہیں کہ گناہ نہ کرنے والوں کے ختم ہو جانے کے بعد' نئے گناہ کرنے والوں کو پیدا فرمائے گا؟ نہیں! گناہ مطلوب نہیں بلکہ گناہ گار' گناہ کے بعد جو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے' اور اس معافی میں جو عاجزی (عجز) موجود ہے (اسی انسان کی بھلائی کے لئے) وہی عجز مطلوب ہے۔ فافہم!

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھنے کا فیصلہ فرمالیں پھر اس کے دین کی حفاظت فرماتے ہیں' اور جو دنیا اس کے دین کی بگاڑنے والی ہو' اس کو اس بندے سے دور فرما دیتے ہیں' بظاہر تو اس بندے کا نقصان ہوا مگر حقیقتہ" دوہرا فائدہ ہوا کہ زہر قاتل سے بچا دیا اور حیات ابدی کا سامان بنا دیا' جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کے واقعہ میں قرآن مجید میں قتل معصوم کی وجہ' اس لڑکے کا آئندہ طاغوت اور کفر کا نمائندہ بن کر والدین کے دین کو بگاڑنے والا بننا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے اس مضر چیز کو دور فرما دیا' اور اس بچے کے مومنین والدین کے اعمال حسنہ میں جو صبر کی کمی تھی کہ صبر صدمہ پر ہوتا ہے اور صدمہ پہلے پہنچا نہیں تھا' اب صبر کا وقوع ہوا اور اس کا اجر بھی مترتب ہو کر دیگر حسنات میں شامل ہوا تو اردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ زکوۃ واقرب رحما کے مصداق نہایت صالح' پاکیزہ اخلاق اور رحمدل اولاد اس کے بدلہ میں عطا فرمائی' سبحان اللہ!

اینٹوں کی بارش

کئی سال کی بات ہے ایک معمر شخص اپنے وطنی (نام تبصرف قلیل) میاں نور دین
ھٹہ آئے اگرچہ امی تھے' مگر حضرت نانا جی رحمۃ اللہ علیہ نے جو وظیفہ و اعمال و احکام انہیں
بتائے تھے ان پر جیسے تیسے بھی ان سے ہو سکا عمل کرتے رہے' نماز روزہ کے پابند تو
ہونا ہی تھا' ایک روز تشریف لائے اور فرمایا بیٹا! ہم تو بڑی مصیبت میں پھنس گئے' کہ
گرمی کا موسم تھا ہمارے گھر میں (کہ دیہات میں تھا اور اس وقت وہاں بجلی نہ آئی
تھی) عشاء کے بعد روڑے برسنے لگے۔ ہم نے سوچا' محلّہ کے لڑکے کھیل کھیل میں
شرارتوں پر اتر آئے ہیں لہٰذا اندر سے انہیں للکارا کہ بھاگ جاؤ ورنہ ہم پکڑ کر مرمت
کریں گے۔ دوسرے دن' تیسرے دن' روزانہ کئی دن عین اسی وقت پر یہ کام ہوتا رہا'
تب ہم نے سوچا "یہ تو کوئی اور ہی بات ہے' کہ کسی مخالف نے ہمیں ڈرانے کے لئے
(کہ یہاں جنات نے ڈیرا ڈال دیا ہے) یہ سکیم بنائی ہے' اور اب کسی ناواقف آدمی کو
خریدار بنا کر ہماری زرعی اراضی اور مکانات نہایت تھوڑی قیمت پر ہتھیانا چاہتا ہے' کہ
اب تو یہ یہاں سے بھاگنے کو تیار ہی ہوں گے" مگر ہم اپنی جدی موروثی جائداد کو اس
طرح ہرگز ضائع نہ کریں گے' بلکہ دشمن کو پکڑنے کا انتظام کریں گے۔ پھر ہم نے
مشورہ کر کے اپنے خاندان سے (کہ خاصا بڑا تھا) چار نوجوان تکڑے چھانٹے' اور انہیں
چار ٹارچیں نئی خرید کر دیں' کہ جس جانب سے بھی روڑے آئیں' لائٹ پھینکو اور اس
کو پکڑو! جب مذکور' وقت ہوا تو روڑے پھر آنے لگے' اندر گھر والوں نے شور مچایا' اور
بتایا کہ اس سائیڈ سے روڑے آ رہے ہیں' ادھر والے نوجوان نے ادھر ادھر لائٹ
پھینکی مگر کوئی متنفس نظر نہ آیا' پھر بقایا تینوں نوجوان بھی ادھر آکر "روڑے مار" کی
تلاش کرنے لگے' مگر کوئی شخص بھی نظر نہ آیا' تب تو یہ بھی ڈر گئے اور صبح کو تو یقین
ہو گیا' کہ جب انہیں روڑے آنے والی جانب زمین پر کوئی "پیٹر کھرا" (نشانات قدم)
نظر نہ آیا' کہ یہ انسانوں کی نہیں' بلکہ واقعی جنات کی کارستانی ہے' اس کے علاج کے
لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ بندہ نے اس خیال سے کہ عموماً لوگ ایسا علاج کرنے اور

کرانے والے پہلا مرحلہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ عامل صاحب متاثرہ مقام پر تشریف لا کر اس کا اچھی طرح معائنہ فرمائیں' پھر مراقبہ فرمائیں فراغت کے بعد پر اسرار انداز میں دائیں بائیں سر ہلائیں' اور بڑی سی "ہوں" کریں اور فرمائیں "بڑا زبردست حملہ ہوا ہے" "بڑی مشکل سے قابو میں آئیں گے وغیرہ" اور پھر وہ اپنا سارا طریق علاج انہیں بتائیں' انقباض محسوس کر کے میں نے انہیں بتایا کہ آپ کو معلوم ہی ہے میں تو کتنے سال سے کہیں آنے جانے سے معذور ہوں' آپ کسی حافظ صاحب کو بلوا کر وہاں جیسے وہ کہیں پڑھائی کروائیں۔ یہ سن کر وہ چلے گئے' اور کئی دن کے بعد پھر آئے' اور بتایا کہ میں نے کئی دن پڑھائی کروائی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

تو بندہ نے انہیں چند کیل دم کر کے اور ایک تعویذ دیا' کہ ان کیلوں کو چاروں کونوں میں گاڑ دو اور تعویذ مکان میں دیوار پر لگا دو' (غالباً" دو تین ہفتہ بعد وہ) پھر آیا اور بتایا' کہ وہ سلسلہ تو اسی طرح جاری ہے اور کوئی فرق نہیں پڑا' بندہ پریشان سا ہوا اور کہا کہ کہیں دوسری جگہ سے پتہ کرو' یہ سن کر وہ بھی پریشان سے ہو گئے' اسی وقت بندہ کے ذہن میں آیا اور بندہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے چند باتیں آپ بتائیں گے؟ کہا کیوں نہیں؟ کہا' تمہارے گھر کے جتنے افراد ہیں سب کے نام اور عمریں لکھواؤ' انہوں نے لکھوا دیا تب پوچھا' ان میں سے دس سالہ لڑکا لڑکی اور اس سے بڑے جتنے مرد عورتیں ہیں' ان میں کون نمازی ہے اور کون بے نماز؟ وہ سوچ سوچ کر یاد کر کر کے بتانے لگے' کہ بحمد اللہ وہ سب نمازی ہیں' پھر پوچھا کتا گھر میں پالا ہوا ہے؟ کہا نہیں! پوچھا کوئی تصویر جاندار کی' مرد' عورت' بچہ بزرگ یا کسی جانور کی زیبائش کے لئے مکان میں لگائی ہوئی ہے؟ کہا نہیں' تب بندہ نے کہا' اب انشاء اللہ آپ کا کام بن جائے گا' البتہ پہلے آپ خود صرف دو چھوٹے چھوٹے کام کریں' کہ گھر جا کر سب عورتوں کو کہدیں' کہ اگر کوئی اکیلی عورت بھی گھر میں ہو تو' ننگے سر بغیر ضرورت نہ ہو بلکہ کپڑا سر پر رکھے' دوسرے یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد اگر آپ کا وضو کا قائم رہنا یقینی طور پر یاد ہو تو فبہا ورنہ دوبارہ وضو کر لیں' اور جس جگہ روڑے گرتے ہیں' روڑے گرنے کے وقت سے بیس پچیس منٹ پہلے وہیں کھڑے ہو جائیں' اور بالکل نہ ڈریں' کہ آپ کو روڑے کی ضرب لگے گی' وہاں کھڑے ہو کر بہ آواز بلند' تین بار یہ الفاظ کہیں کہ

"وہ چار چیزیں ہمارے ہاں نہیں ہیں" یہی کلمات تین تین بار روزانہ تین رات اسی وقت کہیں! وہ صاحب سن کر چلے گئے' شاید یہ خیال بھی کرتے ہوں گے' کہ اگر ہم خود کر سکتے تو ان کے پاس کیوں آتے؟ اب ہمیں یہ جو کام خود کرنے کے لیے کہہ دیا ہے' تو شاید اس طرح ہمیں ٹرخا دیا ہے' تاہم وہ بیچارے اور کر بھی کیا سکتے تھے! خیر میاں صاحب موصوف نے گھر جا کر پہلے تو عورتوں کو یہ کہا کہ بیبیو! سن لو! اگر اکیلی بھی بیٹھی ہو تو ننگے سر نہ بیٹھنا' بلکہ سر پر کپڑا ضرور رکھنا' دوسرے اس نے نماز عشاء کے بعد خود تین بار وہ کلمات کہدیئے' اور قربان جایئے' اللہ کریم کی قدرت کے' کہ کتنے عرصہ سے جاری شدہ وہ روڑوں کی بارش کا سلسلہ اسی رات بند ہو گیا الحمد للہ! پھر ایک سال گذرا تو میاں صاحب پھر تشریف لائے اور بتایا' کہ میں نے گذشتہ سال یہاں سے جا کر دونوں کام کئے اور الحمد للہ اسی روز سے آج تک بالکل خیریت اور امن و امان ہے' مگر میں اب اس لئے آیا ہوں کہ گذشتہ رات میں سونے لگا تو مجھے خیال آیا' کہ پچھلے سال یہی موسم تھا اور یہی جگہ تھی' کہ ہم پر کتنی مصیبت آئی ہوئی تھی' اور ہم نے اسکے دور کرنے کے لئے کتنے ترلے کئے' پڑھائی' تعویذات وغیرہ' مگر کوئی بھی علاج کارگر نہ ہوا' اور جو علاج کارگر ہوا وہ ایسا مختصر اور عجیب حیران کن' اور پھر مجھے چار چیزوں والی بات تو یاد آئی مگر وہ چار چیزیں یاد نہیں آئیں' بہت سوچتا رہا مگر کامیاب نہ ہوا' اب دوبارہ وہی چار چیزیں پوچھنے آیا ہوں کہ وہ کونسی تھیں؟ بندہ نے کہا کہ آپ سے پوچھ کر ہی تو آپ کو یہ کہا گیا تھا' کہ آپ عشاء کے بعد کہیں' کہ وہ چار چیزیں ہمارے پاس نہیں' بغیر پوچھے تو نہیں کہا تھا کہ ایک یا زیادہ چیزیں ان میں سے آپ کے گھر موجود ہوتیں اور آپ غلط بیانی کر دیتے' بولے ہاں بات تو یہی تھی مگر آپ دیکھ نہیں رہے' کہ میں کتنا بوڑھا ہوں اور ان پڑھ بھی ہوں' مجھے وہ بالکل بھول گئیں' دوبارہ بتا دیں! تب بندہ نے انہیں وہ چاروں چیزیں یعنی بے نماز' کتا' جاندار کی تصویر اور ننگے سر عورت بتائیں' اور وہ سن کر چلے گئے' مگر تین ماہ بعد پھر آئے اور کہنے لگے' بیٹا جی' وہ کام تو پھر شروع ہو گیا' پتہ نہیں کیوں؟ راقم نے کہا کہ "وہی چار چیزیں" یاد کرو' کہ ان میں سے کون سی چیز آپ کے گھر میں آ گئی ہے' اس پر وہ سوچنے لگے اور کہنے لگے ہاں! میرے بڑے سے چھوٹے لڑکے نے نماز چھوڑ دی ہے' بندہ نے کہا بس یہی ہے چور'

پھر وہ چلے گئے اور چند ماہ بعد کسی اور کام کے لئے آئے' تو بتایا کہ واپس جا کر میں نے اپنے اس بیٹے کو کہا' کہ پتر! دیکھ! یہ ساری مصیبت دوبارہ صرف تمہاری وجہ سے شروع ہوئی ہے' اب تم جانو اور تمہارا کام! یہ سن کر وہ چپ چاپ اٹھا' اللہ تعالی نے اسے ہدایت دی۔ اور اس نے غسل کیا' کپڑے بدلے اور نماز شروع کر دی اور پھر الحمد للہ! کہ اسی دن ہی وہ "باران زحمت" بند ہو گئی' اور اللہ تعالی کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ کئی سال گذر گئے کہ پھر وہ حرکت ابھی تک نہیں ہوئی۔

تحقیق : ۔دیکھئے عملیات سے حالات درست نہیں ہوئے (اگرچہ یہ عملیات غیر شرعی بھی نہ تھے) مگر اللہ تعالی نے اعمال سے احوال درست فرما دیئے۔ ثابت ہوا کہ اعمال شریعت ہی دارین کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ وللہ الحمد! پہلے تین اسباب بے نمازی' کتا اور تصویر کا ذکر تو یکجا ایک روایت میں ہے کہ ان کی موجودگی میں رحمت کا فرشتہ وہاں نہیں آتا' ننگے سر عورت کا ذکر حدیث جبرئیل علیہ السلام میں ہے' کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف میں ان کے سر پر کپڑا نہیں تھا تو جبرئیلؑ اندر داخل نہیں ہوئے' اور ظاہر ہے کہ جب انسان کے محافظ باڈی گارڈ) یعنی فرشتے سرکاری حکم سے اسے چھوڑ کر چلے جائیں' تو ان (شیاطین جنات) چوروں کو آنے سے کون روک سکتا ہے؟

لاتوں کے بھوت

یہ بھی کئی سال کا واقعہ ہے' راقم کے ایک دوست بڑے ذہین' عقائد و اعمال صحیح والے (اصل نام پتہ کی بجائے آپ حکیم عبدالحی شمسی سمجھ لیں اور علاقہ وہاڑی کا دیہاتی) تشریف لائے' مقصد آمد دریافت کیا' تو فرمانے لگے میں تو بہت پریشان ہوں' وجہ یہ بتائی کہ میرے بیٹے کو جنات کی تکلیف تھی' میں نے کبھی دم کر دیا کبھی نہ کیا' کبھی کچھ فائدہ ہوا کبھی نہ ہوا' ایسے ہی یہ سلسلہ چلتا رہا' پھر اس سے چھوٹی میری بیٹی بالغ ہو گئی' تو اس شریر نے میرے بیٹے کو چھوڑا اور میری بیٹی کو ستانا شروع کر دیا (دورہ پڑتا تھا کہ پیٹ درد سے شروع ہوتا پھر اینٹھن سے بدن تڑ مڑ جاتا اور بیہوشی ہو جاتی' سخت تکلیف ہوتی تھی) اس بات سے مجھے شدید فکر لاحق ہوا' کہ بیٹی تو پرایا دھن ہے' اب اس کا کیا بنے گا؟ چنانچہ اس تکلیف کے علاج کے لئے جن مشہور عاملوں اور گدیوں کے حالات مزید معلوم کرتا تو صورت یہ بنتی نظر آتی' کہ ان کے علاج میں "پہلے ایمان کا صفایا پھر کام بقایا" کا اصول اور طریق کار پر عمل کرایا جاتا ہے' ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کو تو یہ چیز کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی' لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ ایمان بچانا مقدم اور جان بچانا موخر' اور پھر اس کے لئے بہت مشکل سے ایک دیو بندی حافظ صاحب بہاولپور کے دیہی دور دراز علاقہ سے تلاش کئے' انہوں نے فرمایا' میں خود چالیس دن تمہارے پاس رہ کر روزانہ مریضہ کو دم کیا کروں گا' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی چلہ پورا کیا' اور الحمد للہ ان چالیس ایام میں مریضہ کو کوئی دورہ نہیں پڑا' تب حافظ صاحب نے فرمایا' اب آپ بالکل مطمئن رہیں کہ وہ تکلیف کلیتہ دور ہو چکی ہے' اب یہ تعویذ لو اور اسے مریضہ کے گلے میں ڈال دو۔ اس کے بعد حافظ صاحب رخصت ہوئے اور ہم بہت خوش ہوئے کہ مصیبت دور ہو گئی' مگر ہماری یہ خوشی بہت عارضی ثابت ہوئی' کہ تیسرے دن ہی پھر وہی سابقہ دورہ پڑا' بچی کو اسی طرح تکلیف شدید شروع ہو گئی' جسے دیکھ کر' اور مزید اس خیال سے کہ ہم نے اپنا پورا زور اور اہتمام صحیح عامل تلاش کرنے میں صرف کیا' پھر عامل صاحب نے بھی اپنا

مکمل زور صرف کیا' مگر بات وہیں کی وہیں رہی۔ اب مجھے کوئی راستہ نجات کا نظر نہیں آتا اور نہ کوئی اور صورت کام بننے کی نظر آتی ہے اور اس تاثر سے میرا دل بھر آیا' آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے (بچی کی حالت دورہ میں) اس "دورہ ساز" جن کے آگے ہاتھ جوڑے' اور عاجزی سے کہا' آپ اتنی مہربانی فرمائیں' کہ اس بچی کو چھوڑ دیں——— کیونکہ آپ کی بھی کوئی بہن یا بیٹی ہو گی' اسی طرح آپ اس بیٹی کو بھی اپنی بیٹی ہی سمجھ کر چھوڑ دیں' لڑکے کو آپ تنگ کرتے رہیں تو ہم اس پر صبر کر لیں گے' مگر جناب' وہ تو ٹس سے مس نہ ہوا' اور دورہ پورے پہلے وقت تک پڑا رہا' اب میں بے حد پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ بندہ نے عرض کیا کہ اس بات سے تو خوشی ہوئی کہ آپ "ایمان بگاڑ" عاملین کے پاس نہیں گئے' مگر یہ بات بندہ کے لئے بہت حیران کن ہے کہ آپ اپنے اس عقیدہ اور عمل کے باوجود' مروجہ خیالات و توہمات سے کسی حد متاثر ہو گئے' اور آپ اپنے آخری حصہ فعل کی حد تک پہنچ گئے' تفصیل اس اجمال کی یہ ہے' کہ انسان کو کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو سب سے پہلے تو وہ اپنی عقل کے مطابق اس کی توجیہہ کرتا ہے' وہ فٹ نہ بیٹھے تو اس امر کے ماہرین سے رجوع کرتا ہے یا مشہور زمانہ تاثرات کے مطابق دیگر لائحہ عمل اختیار کرتا ہے' یا کوئی عالمی دانشور (سائنسدان وغیرہ) کے نظریات کے مطابق اس کے وقوع کے اسباب کا تعین اور علاج کرتا ہے' یہ طریقہ تو دیگر سب انسانوں کا ہے' مگر مسلمان کی ترتیب یہ نہیں ہے' بلکہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے دین و شریعت سے اس کے اسباب و علل معلوم کرتا ہے' بقایا دوسرے امور اگر اس کی تصدیق کریں تو فبہا اور اگر اس کے خلاف ہوں' تو ان سب کی (حتیٰ کہ اپنے مشاہدہ کی بھی) تغلیط و تنکیر کرتا ہے' کیونکہ خالق حقائق جو حقائق بیان فرمائے' یا اس کے بتائے ہوئے حقائق اس کا نبیؑ بتائے وہی صحیح بلکہ اصح ہو سکتے ہیں۔ (مشاہدہ مذکور کے متعلق اگر وسوسہ آئے کہ چشم دید گواہ کی شہادت تو ہر زمانہ کی عدالتیں تسلیم کرتی ہیں' ہم اسے کیسے غلط قرار دیدیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے' کہ ہم کئی بار اپنے مشاہدہ کو خود غلط قرار دیدیتے ہیں' اور اس پر ذرا تعجب و تردد نہیں ہوتا' مثلاً ہم ریل گاڑی میں بیٹھے ہیں' اور گاڑی پوری تیز رفتاری سے دوڑی جا رہی ہے' ہم باہر دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ درخت اور مکان

پیچھے کو دوڑے جا رہے ہیں اور ہم آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں' مگر فوراً" ہی عقل ہمارے مشاہدہ کو غلط قرار دیدیتی ہے' کہ جو کچھ نظر آرہا ہے حقیقت اس کے برعکس ہے' یعنی درخت اور مکان کھڑے ہیں اور ہم (ریل گاڑی میں آگے کو) دوڑے جا رہے ہیں' یعنی ساکن متحرک نظر آتا ہے اور متحرک ساکن! اسی طرح گھڑی کی سیکنڈ کی سوئی سب کو چلتی نظر آتی ہے' مگر گھنٹے والی چلتی نظر آتی بلکہ ساکن نظر آتی ہے' لیکن اس کی سکونت کی تغلیط عقل فوراً" کر دیتی ہے' کہ بیشک یہ چلتی نظر نہیں آتی مگر چلتی ضرور ہے' تبھی تو ایک سے دو' دو سے تین اور ہر اگلے ہندسہ پر پہنچتی ہے) اب آپ اپنے اس معاملہ کو لیں' پہلے تو ہم یہ معلوم کریں اور یہ بنیادی بات ہے کہ اس عالم آب و گل میں انسان و جنات کی حیثیت و مقام عند اللہ کیا ہے؟ ضمناً" ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا' کہ ان جنات و شیاطین کے حدود اختیارات کیا ہیں؟ قرآن پاک کے پارہ اول کے مضمون و مفہوم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جب خلافت خاکی (آدم) کو عطا فرمانے کی تقریب منعقد فرمائی' تو اس میں نوری مخلوق (ملائکہ) ناری (ابلیس) موجود تھے ملائکہ کی حیثیت سرکاری فورس کی ہے' جو سرکار کے مقرر کردہ خلیفہ کے غیبی امور سرکار کی مرضی کے مطابق (نہ کی خلیفہ کی مرضی کے مطابق) سرانجام دیتے ہیں' لہٰذا علامت اظہار اطاعت (سجدہ) کی ادائیگی ملائکہ نے فوراً کر دی' مگر ابلیس نے (جو اپنی خلافت کی توقع میں لاکھوں سال عبادت کرتا رہا' اپنی سکیم فیل ہوتے دیکھ کر) (انکار کر دیا' اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے مردود قرار دیدیا' اس کے بعد جنت میں آدمؑ کے دخول اور حوا سمیت اخراج اور ھبوط کے معاملات پیش آئے۔ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد ابلیس اور اس کی ذریت' سارے کے سارے اسی زمین کے باسی ہیں' اور اپنے حلقہ اور حدود کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں' ظاہر ہے دونوں باہمی دشمن ہیں۔ ایک فریق جنات (کہ ابلیس جنات میں سے تھا) دوسرے سے بہت زیادہ طاقتور' نظر نہ آنے والا' تعداد میں بھی زیادہ' دوسرا فریق (انسان) کمزور' نظر آنے والا اور تعداد میں ان سے کم' دونوں ایک ہی دنیا میں ہیں۔ مگر فائق ترین فریق دوسرے اضعف فریق کو (اگر اسے قدرت ہو تو) کیوں نیست و نابود کر کے سب انسانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا نہیں دیتا؟ وجہ وہی' کہ ابن آدم کو سند خلافت ملی ہوئی

ہے' اور اس سند کا صحیح ابقاء ایمان و توکل علی اللہ کی صفات کے ساتھ ہے' اور ملائکہ کی گورنمنٹ فورس اس کے ساتھ ہے اس سے ثابت ہوا' کہ جنات محکوم ہیں اور انسان حاکم! دوسری بات اس کے ساتھ یہ ملائیں' کہ کفار عرب سفر میں سنسان جگہ پڑاؤ کرتے' تو سونے سے پہلے ایک آدمی ٹیلے پر چڑھ کر اعلان کرتا کہ "اے اس علاقہ کے جنو! بھوتو' پریو وغیرہ سن لو! کہ ہم اس علاقہ کے جنات کے سردار کی پناہ میں آگئے ہیں' لہٰذا ہمیں کوئی جن بھوت وغیرہ تنگ نہ کرے۔" (یہ ان کی یکطرفہ کاروائی تھی کیونکہ ان کی جنات کے سردار یا کسی اور جن سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تھی تو اس کی پناہ حاصل کرنے کا کیا سوال؟) لیکن حاکم طبقہ (انسان) کے محکوم (جنات) سے خوف زدہ ہونے اور ان کی پناہ حاصل کرنے کے مذکورہ بالا طریقہ نے جنات کو بد دماغ بنا دیا اور وہ اپنے آپ کو "کچھ" سمجھنے لگے وانہ کان رجال من الا نس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا (سورہ جن آیت ٦) اور انسانوں میں سے لوگوں نے جنوں سے پناہ مانگنی شروع کر دی جس نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔ اس کی مثال تو ایسی ہے' جیسے ایک ڈپٹی کمشنر' چور یا چوکیدار کے آگے ہاتھ باندھ کر اس کی منتیں کرنے لگے' تو اس چور کا بد دماغ ہو جانا اور مغرور بن جانا عین فطری' اور اس کا باعث خود وہ ڈی سی ہے۔ اب آپ خود یہ خیال فرمالیں' کہ آپ نے اس "محکوم" کے سامنے ہاتھ جوڑے' اور گریہ زاری کی تو کیا صحیح کام کیا؟ اب آپ یہ کام کریں کہ جب دورہ پڑے' فوراً" وضو کرلیں' اور مریضہ کی چھنگلیا پکڑ کر آیۃ الکرسی اور معوذتین پڑھ کر دم کریں' اور اپنا عطیہ خداوندی "حق خلافت" استعمال کریں' اور اسے کہیں' کہ میں اب تک بھولا ہوا تھا' اب مجھے حقیقت حاصل ہو گئی ہے' اس لئے اب تو میری اس بیٹی کو تو کیا تنگ کرے گا' اگر میں نے اس علاقہ سے تمہاری ساری "پکھیاں" (خانہ بدوشوں کے خیمے) نہ اٹھوا دیں تو میرا نام بدل دینا۔ بہرحال حکیم صاحب کچھ مطمئن ہو گئے' اور مزید بندہ نے انہیں ایک تعویذ دیا' کہ مریضہ کے بائیں بازو پر باندھ دینا۔۔۔۔ حکیم صاحب تشریف لے گئے اور تقریباً" ایک سال بعد پھر تشریف لائے' اور کاروائی سنائی کہ میں نے یہاں سے واپس جا کر اسی طرح کیا' اور الحمد للہ ایک سال تک کوئی دورہ وغیرہ نہیں ہوا' مگر اب دو تین روز ہوئے' ایسا دورہ پڑا' کہ ساری کسرپوری کر

دی۔ ہوا یوں کہ میں شام کو مطب بند کر کے گھر آیا تو اہلیہ نے بتایا' کہ بیٹی کے پیٹ میں درد ہے اور وہ بے ہوش پڑی ہے۔ میرے دل میں یہ تو خیال تک بھی نہ آیا' کہ وہی پہلا (جنات کا بصورت پیٹ درد ابتدائی) دورہ عود کر آیا ہے' کیونکہ مجھے یہ یقین ہو چکا تھا' کہ وہ خبیث تو اسے چھوڑ کر دفع ہو چکا ہے' مگر میں حیران تھا' کہ پیٹ درد کا مریض تو چیختا چلاتا اور درد سے لوٹ پوٹ ہوتا ہے' بے ہوش تو نہیں ہوتا! ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میری اہلیہ نے کہا کہ ہفتہ عشرہ ہوا' یہ نہانے کے لئے غسل خانہ' گئی' تو تعویذ وہاں رکھ کر بھول گئی' پھر وہ تعویذ کہیں گم ہو گیا۔ تب میں سمجھ گیا۔ کہ یہ تو وہی "سابقہ دورہ" ہے' مجھے علاج تو آتا ہی تھا' میں نے فوراً" وضو کیا اور بیٹی کے پاس آکر پہلے تو اسے ہوش میں لانے کے لئے آوازیں دیں' پھر پانی کے چھینٹے مارے' مگر وہ اسی طرح بے ہوش اور بے سدھ پڑی رہی۔ تب میں نے سابقہ طریقہ استعمال کیا' اور کہا "جناب پھر تشریف لے آئے ہیں یہ سن کر لڑکی نے فوراً آنکھیں کھول دیں پھر ذرا دیر کے بعد کہا اب آپ ذرا یہ ارشاد فرمائیں کہ شرافت کے ساتھ رخصت ہونا پسند فرمائیں گے یا کوئی سبق حاصل کر کے جانا ہے؟" میرا یہ کہنا ہی تھا کہ لڑکی فوراً" ہوش میں آگئی اور دوسرے فقرے پر بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا اور پھر وہ مسلسل ہنستی ہی رہی' جب خاصی دیر ہنستے ہوئے ہو گئی' تو میں یہ سمجھا کہ یہ ھنسنا بھی اسی "دورہ" کی دوسری شکل ہے' اس لیے میں اسے کہتا رہا بیٹی چپ کرو' بیٹی چپ کرو' مگر وہ اپنی مرضی سے ہی ھنسنا بند ہوئی' اور کہنے لگی ابا جی! اب مجھے دورہ دورہ کچھ نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تو ھنستی کیوں تھی؟ کہنے لگی' ابا جی! آپ کو تو نظر نہیں آتا تھا' مگر میں تو دیکھ رہی تھی' کہ جب آپ نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ آپ پھر تشریف لے آئے ہیں' تو وہ (خبیث) میرا گلا چھوڑ کر بھاگا' اور قصبہ کے باہر جو گاؤں کے کوڑے کا بہت بڑا ڈھیر تھا' اس کے اوپر جا کر کھڑا ہو گیا' اور حیران پریشان سا ہو کر ادھر دیکھنے لگا کہ اب آگے کیا ہوتا ہے؟ یعنی اگر یہ لوگ ڈھیلے پڑ گئے تو پھر واپس آکر پہلے کی طرح تنگ کروں گا' اور اگر دوسرا معاملہ ہوا' تو دیکھا جائے گا' مگر جب آپ نے دھمکی دی' کہ تو نے شرافت کے ساتھ جانا ہے یا کوئی نصیحت حاصل کر کے ہی جانا ہے' تو اتنا خوفزدہ ہوا' کہ اپنی جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا' اس کے جوتیاں چھوڑ کر بھاگنے

کے انداز سے ہی مجھے بے اختیار اتنی زبردست اور طویل ہنسی آئی' کہ کہاں تو میرا گلا گھونٹ رکھا تھا' اور کہاں یہ' کہ جوتیاں اس لئے چھوڑ دیں کہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے بھاگ سکے۔

حکیم صاحب نے فرمایا' مہربانی فرما کر مجھے اس کا تعویذ دوبارہ دیدیں' چنانچہ تعویذ دیدیا گیا' اور پھر بحمدللہ اس لڑکی کی شادی بھی ہو گئی۔ اور الحمد للہ تعالی نے اسے بچے بھی عطا فرمائے اور پھر اسے یا اس کی اولاد کو کوئی "دورہ" وغیرہ نہیں پڑا۔

حکیم صاحب صحیح عقائد و اعمال کے حامل تھے' اس لئے ان سے گھر کے حالات کی کوئی تفصیل احکام شرعیہ پر عمل کی نہیں دریافت کی' بعد میں بغیر استفسار کسی اور ذریعہ سے از خود معلوم ہوا کہ ننھیال سے مروجہ توہمات کا تاثر گھر میں موجود تھا' جس کا خاطر خواہ ازالہ نہ ہو سکا تھا' شاید یہ وجہ "دخول شر" کی بنی' اور پھر شاید مذکورہ حالات سے اللہ کریم نے ان کی کسی حد تک اصلاح فرما دی ہو' تو اتباع شریعت کی برکت سے اللہ تعالی نے ان پر رحمت نازل فرما کر ان کی مشکل آسان فرما دی' اور یہ صفت "خروج شر" کا باعث بنی وللہ الحمد۔ وضاحتی نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں[1]

---

[1] اگر شبہ ہو کہ یہ بھی "حلول" کے اثبات کی دلیل ہے' تو جواب یہ ہے کہ یہ "مس شیطانی" ہے جس کا انسان اپنے غلط عقائد اور اعمال کی وجہ سے خود موقع فراہم کرتا ہے' حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق شیطان انسان کے کندھے پر غالبا" (مینڈک کی صورت میں) بیٹھا اپنے لمبے سونڈ سے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اگر مسلمان بحمد اللہ متنبہ ہو گیا اور اللہ تعالی کو (زبانی و عملی) یاد کیا تو یہ اپنی سونڈ پیچھے کھینچ لیتا ہے' جب انسان غافل ہوا پھر انجکشن لگاتا ہے' اگر وسوسہ سے زیادہ تسلط ہوا تو یہ بھی انسان کی اپنی شامت اعمال سے ہوا انما سلطانه على الذين يتولونه والذين هم به مشركون ○ (سورہ النحل آیت ۹۹' ۱۰۰) یقیناً شیطان کا تسلط اللہ پر ایمان لانے اور اس پر توکل کرنے والوں پر نہیں ہوتا' اس کا زور انہیں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔ لہٰذا خواہ مخواہ اس سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔

پاپوش کفر شکن

یہ مولانا محمد سلیمان رحمہ اللہ روڑوی کا واقعہ ہے' کہ جب انہوں نے کتاب و سنت کی دعوت اور شرک و بدعات کی تردید پر مبنی اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا' تو مروجہ دین دار (جو دین کے علم و عمل سے کورے تھے اور صرف باپ دادا کی رسومات کو ہی دین سمجھ کر اس سے چمٹے ہوئے تھے) اس پر سخت ناراض ہوئے' اور ہر ممکن تکالیف پہنچانے کی کوشش کرتے رہے' حتی کہ ان کا ان کے چند ساتھوں سمیت بائیکاٹ کر دیا گیا' مسجد میں بھی داخلہ بند کر دیا گیا' آپ ان دنوں قصبہ کے شمالی جانب ایک بڑے تالاب (گرو سر) کے ارد گرد بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ میں اپنے ہمراہیوں سمیت اذان اور نماز با جماعت ادا کرتے۔ اللہ کریم نے آپ کی دعا رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا (اے میرے رب تو مجھے جہاں لیجا سچائی کے ساتھ لیجا' اور جہاں سے رخصت کر سچائی کے ساتھ رخصت' کر اور کسی مقتدر کو میرا مدد گار بنا دے۔ (مفہوم) قبول فرمائی اور "سلطان نصیر" کا اس شکل میں ظہور ہوا' کہ اہل قصبہ غیر مسلموں کے قلوب میں ان کی محبت ڈال دی' یہ غیر مسلم لوگ بڑے با اثر زمیندار تھے' کچھ پرانے زمانہ میں شرافت کی اقدار کو بھی خاصا ملحوظ رکھا جاتا تھا' لہٰذا انہوں نے ان مفسدین کے سرغنوں کو بلا کر دھمکایا کہ خبردار! جو "میاں جی" کو کچھ کہا' کیا انہوں نے تمہاری چوری کی ہے' قتل کیا ہے یا گالیاں دی ہیں یا کوئی اور جرم کیا ہے؟ وہ تو بہت بھلے مانس پرس ہیں رب کا نام ہی لیتے ہیں' تمہارا کیا بگاڑتے ہیں۔ اب اگر ان کو کچھ کہا تو ہم تمہیں سمجھ لیں گے" تب کہیں ان کی جان ان سے چھوٹی۔ انہی ایام کا ایک واقعہ ہے' کہ آپ کے ایک شاگرد مقتدی نے جب "راہ ہدایت" پر چلنا اور "شرک و بدعات" کو ترک کرنا شروع کیا' تو اسی سلسلہ میں "گیارھویں شریف" کی نیاز چھوڑنے کا عہد کر لیا' جب پھر پہلی "گیارھویں" کی رات آئی' اور اس نے سابقہ طے شدہ پروگرام کے مطابق "گیارھویں شریف" کی نیاز نہ دی' تو اس کے دل میں یہ خدشہ بھی موجود تھا'

کہ اتنی پشتوں سے جس "عمل" میں کبھی ناغہ تک نہیں ہوا' اور اسے دودھ اور دودھ دینے والے جانور کے وجود کے لئے کلیتہ" لازم و ملزوم سمجھا جاتا رہا' اور اس میں غفلت یا ناغہ کو ان دونوں چیزوں کے نقصان پر محمول کیا جاتا رہا' اب پتہ نہیں کیا بنے گا؟ رات تو خیر گذر گئی' فجر کی اذان کے بعد ڈرتے ڈرتے مویشیوں کے باڑے کا دروازہ کھولتے ہی' پہلی نظر میں یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا' کہ ساری بھینسیں اور بکریاں مردہ پڑی ہیں بڑا پریشان ہوا اور اسی طرح فورا" دروازہ بند کر کے مسجد میں آیا' نماز ہو رہی تھی' حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کی اور انہیں یہ واقعہ بتایا' آپ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے چلو' مجھے دکھاؤ! چنانچہ دونوں وہاں آئے' اور اس شخص نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سب جانور مرے پڑے ہیں' حضرت اندر داخل ہوئے اور اپنا جوتا اتارا اور بہ آواز بلند لا حول پڑھ کر اس بھینس کے دونوں سینگوں کے درمیان جڑ دیا' جو سب سے آگے دروازے کے بالکل قریب پڑی ہوئی تھی' دو تین جوتے ہی اس کے سر پر پڑے تھے کہ کان جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' پھر دوسری بھینس کی طرف رخ کیا ہی تھا کہ وہ خود ہی کھڑی ہو گئی اور پھر باقی جانور بکریاں وغیرہ بھی اٹھ کر جگالی کرنے لگیں' اور سب ایسی "فٹ" ہوئیں' جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں' اور اس طرح "پاپوش مبارک" کی ایک ہی "ضرب مومن" نے "کید الشیطان" کے "تار عنکبوت" کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' کیسا عجیب معالج اور کیسا عجیب علاج؟ ایک مریض کو دوا دی تو "ہسپتال" کے سارے مریض اسی ایک خوراک سے تندرست ہو گئے' وللہ الحمد۔

واضح رہے کہ مویشی حقیقتہ مر نہیں گئے تھے' بلکہ "شیطان" کے "مس خفی" سے وہ دم سادھ کر بے ہوش اور "کالمیت" بن گئے تھے' وہاں بجلی کی روشنی بھی نہ تھی' اور مالک کا دل پہلے ہی خوفزدہ تھا' ایک لمحہ اس نے ان مویشیوں کو بیک نظر دیکھا ہلایا جلایا بھی نہیں' جس سے اس نے انہیں مردہ خیال کیا' حالانکہ وہ صرف بیہوش تھے۔

حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ کی ڈاچی

مشہور مفسر و محدث حضرت حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ اسی قسم کا مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری صاحب نے اپنی تصنیف الفیوض المحمدیہ میں بیان کیا ہے' کہ ایک دفعہ حافظ صاحب سفر میں ڈاچی (اونٹنی) پر سوار کہیں جا رہے تھے' کہ نماز کا وقت ہو گیا' راستہ میں ایک قبرستان تھا' جہاں پانی اور درخت دیکھ کر آپ نے وہاں وضو کیا اور اونٹنی درختوں پر چھوڑ دی' وہاں کے مجاوروں نے ان سے کہا' کہ یہاں اونٹنی نہ چھوڑو' ورنہ بابا جی (صاحب مزار) اونٹنی کو مار دیں گے' مگر حافظ صاحب نے اس کی پرواہ نہ کی۔ نماز پڑھ کر انہوں نے دیکھا' کہ اونٹنی بے ہوش پڑی ہے' اور مجاور خوش ہو رہے ہیں کہ ہماری بات نہیں مانی تو نتیجہ دیکھ لیا' حافظ صاحب نے اونٹنی کو دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ یہ صرف شیطانی اثر (چکر) ہے' چنانچہ انہوں نے اپنا جوتا اتارا اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر اسے مارنا شروع کر دیا' چار پانچ جوتے کھا کر ہی وہ درست ہو گئی کہ شیطان بھاگ گیا' تب مجاور کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ حافظ لکھو کے والے بھی بڑے بھاری بزرگ ہیں' تبھی تو اونٹنی کو زندہ کر کے لیجا رہے ہیں۔ (ص ۱۰۲)

وہاڑی کے ایک موضع میں کئی احباب سلیمانی ہجرت کے بعد آباد ہوئے' بارشوں کی وجہ سے سوکھے ایندھن کی قلت تھی' ان میں سے کسی نے قبرستان میں کئی سوکھے درخت دیکھے' تو ان کی تو عید ہو گئی' وہاں کے مقامی مسلمانوں نے روکا کہ جو شخص یہاں کی لکڑی توڑے تو صاحب مزار ناراض ہو کر اس کی ٹانگ توڑ دیتے ہیں' اس پر انہوں نے جواب دیا" اگر توڑتا ہو گا تو تمہاری توڑتا ہو گا' ہماری نہیں توڑ سکتا" اور ہوا بھی ایسے ہی' کہ انہوں نے سوکھی لکڑیوں سے قبرستان خالی کر دیا گیا' مگر کسی کو خراش تک نہ آئی۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میرے انہی پرانے کپڑوں میں ہی دفن کر دینا' نئے کپڑے (کفن) کے مردوں کی نسبت زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں' اسی اصول پر آپ ان لکڑیوں کا معاملہ قیاس کر لیجئے اور یہاں تو "تردید

شرک" کا عمل بھی مزید شامل تھا' جو اس کی اہمیت پر وال تھا' اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ان غیر مرئی مخلوقات سے نفع و ضرر کا یقین رکھنے والے ہی کم و بیش ان سے (اپنے اوہام باطلہ کی بنا پر) متاثر ہوتے ہیں' جو صحیح عقیدہ و عمل والے لوگ ہیں' وہ تو ان کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے' کہ فاعل و موثر حقیقی محض اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات ہی ہے' اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے کہ ظاہری اعمال پر عامل کی طرف انتساب ہمارے لئے جائز قرار دیدیا' جیسے کسی نے کسی کو کھانا کھلا دیا تو کہہ سکتے ہیں اس کی امداد کی' اور گالی دی' تھپڑ مار دیا تو اس کی طرف ضرر کی نسبت جائز ہے' اگرچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر ہی موقوف ہے وہ چاہے تو یہ فعل بھی وجود میں نہ آئے مگر غیر مرئی انتساب ضرر و نفع و محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہے' اس کے امر کو کوئی روک نہیں سکتا وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ (سورہ ھود آیت ۱۰۷) اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے' تو اس کے سوا کوئی بھی اسے دور نہیں کر سکتا' اور اگر وہ تجھے کوئی خیر عطا فرمانا چاہے' تو کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا (مفہوم) اس لئے مومن کا کامل یقین صرف اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات پر ہی ہوتا ہے' اور باقی کلی امور اسی یقین و ایمان کے تابع ہیں' اور غیر مومن بھی اگر ان توہمات کا منکر ہو تو اسے بھی کچھ ضرر نہیں پہنچتا (بلکہ وہی لوگ اس "چکر" میں پھنستے ہیں کہ جو ان کے معتقد ہوتے ہیں۔) شاید اس لیے کہ وہ نادانستہ ہی سہی یکفر بالطاغوت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ (اگرچہ یومن باللہ کی صفت انہیں نصیب نہیں ہوتی مگر کفر بالطاغوت کا ثمرہ "تحفظ عن الضرر" تو انہیں مل جاتا ہے" "اجر" نہیں ملتا کہ ایمان باللہ سے محروم ہیں' ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔)

متحدہ ھندوستان میں دو مجرد (چھڑے) بھائی پنڈت رہا کرتے تھے' ایک اپنے دھرم کا غلو کی حد تک پیروکار (بھگت) دوسرا بر عکس' بھگت جی نے گھر کے ایک کونے میں اونچا چبوترہ بنا کر اس کو گائے کے پاک (پوتر) گوبر سے لیپ کر' اوپر ایک اور چھوٹی "چبوتری" بنا کر' اوپر اپنے دیوتا (معبود) کا بت نصب کیا ہوا تھا' اور اس کو سردی گرمی سے بچانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا' یہ بھگت بہت سویرے سویرے اٹھتا' اپنے خدا

(بت) کو اشنان (غسل) دیتا' پھر لوبان وغیرہ (خوشبو) کی دھونی دیتا' پھر اس کے سامنے چار زانو ہو کر (آلتی پالتی مار کر) بیٹھ جاتا' اور نہایت دھیان (خشوع و خضوع) سے بڑی دیر تک اس کی پوجا (عبادت) کرتا' ماتھا ٹیکتا (سجدہ کرتا) اور اس کے گن گاتا (حمد بیان کرتا)' فارغ ہو کر دونوں کا ناشتہ تیار کرتا' اس کا دوسرا بھائی اس کے بالکل الٹ عقیدہ و عمل کا تھا' چوریاں کرتا' لہٰذا پچھلی رات گھر میں آکر سو رہتا' اور خاصے دن چڑھے بیدار ہوتا اور اٹھ کر پہلا کام یہ کرتا' کہ خوشبوؤں کے وجود سے وہ سمجھ لیتا کہ اس بھگت نے آج پھر اس پتھر کو نہلایا ہے' اور اس کو خوشبو سنگھائی ہے اور پھر اس کے آگے رویا پیٹا ہے' ہاتھ جوڑے اور ماتھا رگڑا ہے' اس بات سے اس کو غصہ چڑھتا' کہ یہ بھائی کیسا بیوقوف ہے؟ ایسے پتھر کی پوجا کرتا ہے جو ہل جل نہیں سکتا' مکھی تک نہیں اڑا سکتا' کتا اس پر پیشاب کر دے تو اس کو بھگا نہیں سکتا' جو بت اپنا اتنا کام نہیں کر سکتا وہ اس کے یا دوسروں کے کیا کام بنائے گا؟ اور پھر چونکہ یہ بھائی کمائی بھی کر کے لاتا تھا اور' بڑا طاقتور بھی تھا اور بھگت جی نکما' نکھٹو اور منحنی سے جسم کا تھا' لہٰذا اس پر اس کا رعب اور غلبہ بھی لازمی تھا' یہ بھائی اپنے بھگت بھائی کی روزانہ اس فضول حرکت کا غصہ اس بت پر اتارتا' اور بیدار ہو کر پہلا کام یہ کرتا' کہ پانچ سات جوتے اس بت کے سر پر جڑتا' اور پھر گرجدار آواز سے بھائی کو کہتا "اوبگلے! لا کیا پکایا ہے" وہ بھگت روزانہ لہو کے گھونٹ پی کر چپ کر جاتا' اور خاموشی سے ناشتہ اس کے آگے لا کر رکھ دیتا اور وہ کھا پی کر اپنی مجلسوں میں چلا جاتا۔

ایک سال تک روزانہ یہی ہوتا رہا' بھگت بت کی پوجا کرتا رہا اور دوسرا جوتوں سے اس بت کی خبر لیتا رہا' ایک سال کے بعد وہ بت بھگت جی کو خواب میں ملا' اور کہا تم دیکھتے ہو' روزانہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ اب تک تو ہم نے صبر کیا ہے' مگر اب صبر نہیں ہوتا کہ حد ہو گئی' لہٰذا اب یا تو تم اپنے بھائی کو روک لو' ورنہ ہم "تمہاری" گردن توڑ دیں گے' یہ سن کر اس بھگت نے ہاتھ جوڑ کر بینتی (عرض) کی کہ مہاراج! اگر آپ کی ہتیا (بے عزتی) کرتا ہے تو وہ کرتا ہے' میں تو روزانہ آپ کی پوجا اور سیوا (عبادت اور خدمت) کرتا ہوں' اس لئے آپ نے گردن توڑنی ہے تو اس کی توڑیں' میری گردن کیوں توڑتے ہیں؟ تو اس بت نے جواب دیا کہ "ہمارا زور تو تم

جیسوں پر ہی چلتا ہے ان جیسوں پر نہیں چلتا"

ہجرت کے بعد مشرقی پنجاب میں ہزاروں ایسے مزارات مسلمان چھوڑ آئے' جن پر وہ ہر جمعرات کو باقاعدگی سے "چراغاں" کرتے تھے' اور ہر سال چادر چڑھاتے' ان سے اپنی مصیبتوں کو دور کرنے کی دعائیں مانگتے' نذر دیتے اور منتیں مانتے تھے' اور بفرض محال کبھی ناغہ یا کمی ہو جاتی تو (تقدیرا" تکلیف پہنچنے پر ان کے عقیدہ کے مطابق) ان کی شامت آجاتی اور وہ ان سے ایسے ڈرتے کہ اللہ تعالی سے بھی شاید اتنا نہ ڈرتے ہوں۔ کخشیتہ اللّٰہ او اشد خشیہ 'مگر جب یہ لوگ انہیں وہیں چھوڑ آئے تو پھر ان کا کوئی پرسان حال نہ رہا' بلکہ کئی جگہ کفار نے ان مزارات کو پیوند زمین کر کے وہاں اپنی بلڈنگیں تعمیر کر لیں' اور ان لوگوں کا وہ صاحب مزار کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ اسی طرح جو کفار مغربی پنجاب میں اپنے مندر اور استھان چھوڑ گئے' مسلمان مہاجرین نے ان کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور وہاں اپنے مویشی باندھنے لگے۔ مگر ان مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوا' حالانکہ انہی بتوں کی پوجا پاٹ میں اگر ان کے پرستار ذرا کوتاہی کرتے تو ضرور شیطان ان کو کوئی تکلیف پہنچاتا اور یہ اسے اپنی اسی کوتاہی پر ہی محمول کرتے۔

تتمہ

چند امور ضرور یہ جو اپنے مقام پر ذکر کرنے سے رہ گئے' اب عرض خدمت ہیں۔
ا۔ غلط عاملین جو لوگوں کے ایمان اور مال لوٹتے ہیں' یہ کیوں اتنے (دنیاوی لحاظ سے) روز بروز ترقی پر ہیں؟ اور ان کا مکروہ کاروبار عروج پر ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے چند باتیں پہلے ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔
ا۔ اللہ تعالیٰ نے نزدیک (بمطابق مضمون حدیث قدسی) "دنیا اور مافیہا کی حیثیت اور قدر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں' اگر اتنی بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیا جاتا" بزرگوں کی تشریح کے مطابق کفار اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اسی لئے وافر دے رکھی ہے' جیسے لوگ کوڑا کرکٹ گھر سے باہر پھینک دیتے ہیں' اور اس کوڑے کو جمع کرنے والے بھنگی (خاکروب) شام کو اکٹھے ہو کر فخر کریں کہ میں نے چار ٹوکرے گندگی کے کمائے دوسرا کہے پانچ' تیسرا کہے چھ؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر صرف دین کی ہے' اور وہ یہ نعمت اسے عطا فرماتے ہیں جس سے اس کو پیار و محبت ہو' اور اللہ کی رضا اور دخول مقام رضا یعنی جنت بھی اہل دین کے لئے ہی مختص ہے' اور ظاہر ہے کہ ایسے ایمان کے لٹیروں کے پاس آنے والے دینی رہنمائی کے حصول کے لئے تو نہیں آتے' بلکہ صرف دنیا کے مفادات (جائز و ناجائز) کے لئے آتے ہیں' اور پھر اللہ تعالیٰ کوڑا کرکٹ ان کی طرف پھینک دیتے ہیں من کان یرید حرث الدنیا نوته منها و ماله فی الاخرة من نصیب ۝ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۰ جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم دنیا میں ہی دے دیتے ہیں' مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور پھر یہ بدقسمت لوگ اپنی دنیا کا حصہ حاصل کر کے "حظ آخرت" سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اللھم احفظنا
ب۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ کی روزی جتنی مقدر فرمائی ہے وہ بصورت حلال ہے' مگر شیطان اپنے ہتھکنڈوں سے اسے حرام ذرائع سے دلواتا ہے یہ چکمہ دیکر' کہ تو یہ فراڈ اور ظلم کرے گا تو تھوڑی سی مدت میں ہی امیر بن جائے گا' حالانکہ اسے اس سے ذرہ

پھر بھی زیادہ نہیں ملے گا جو اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے' اور جس کا اسے علم نہیں ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دن چڑھے سفر میں کوئی نفل نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آئی' تو اس صحرا میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہونے کے باعث ایک راہ گیر کو کہا کہ بھائی' اگر کوئی تکلیف نہ ہو تو تھوڑی دیر میرے گھوڑے کی لگام پکڑ کر بیٹھے رہو' میں دو نفل ادا کر لوں' اسنے بخوشی قبول کیا' حضرت رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بالمشافہ حاضری ہوتی تھی' ان کی نماز میں محویت دیکھ کر اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ تو اگر گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ جائے تو انہیں پتہ بھی نہیں لگے گا' مگر جب پکڑا گیا تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' لہٰذا یہ سکیم تو رہنے دیے' البتہ لگام اتار کر بھاگ جا' چنانچہ اسنے گھوڑے کی لگام اتاری اور رفو چکر ہو گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز ختم کی' تو دیکھا کہ نہ لگام موجود نہ لگام تھامنے والا' اور گھوڑا چکر سا کاٹ رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا پٹکا اس کے گلے میں ڈالا اور شہر میں آگئے' شہر کے بازار میں ایک نیا آدمی وہی لگام ہاتھ میں لئے بیچنے کی آواز لگا رہا تھا' حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو میرے گھوڑے کی لگام ہے۔ اس نے کہا تو پھر آپ لے لیں۔ فرمایا قیمتاً" لوں گا' مگر پہلے یہ بتا کہ یہ تو نے کہاں سے لی ہے؟ وہ بولا ایک آدمی بازار میں بیچ رہا تھا' دیہاتی سا تھا میں نے اس سے خرید لی' حضرت نے اس کا حلیہ پوچھا تو وہی آدمی معلوم ہوا' پھر آپ نے پوچھا کتنے میں خریدی؟ کہا دو درم میں! حضرت علی رضی اللہ عنہ دو درم کا لفظ سن کر ہنسنے لگے' اس نے پوچھا حضرت ہنسنے کی کیا بات ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا (واقعہ بتا کر) کہ جب میں نے وہ نفل نماز شروع کی تھی' تو دل میں ہی پہلے یہ نیت کر لی تھی کہ اس شخص کے احسان کے عوض میں اسے دو درم نماز پڑھ کر دے دوں گا' مگر شیطان نے اسے ورغلایا اور جو درم اسے حلال طریقے سے نیکی کے ساتھ ملنے تھے' اتنے ہی درم اسے ملے مگر حرام طریقے سے گناہ کے ساتھ! بس یہی بات ہے اگر انسان سمجھ لے تو بہت سی حرامکاریوں سے .بفضلہ تعالیٰ بچ سکتا ہے' اور پھر یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ اپنی روزی حرام ذریعہ سے ہی حاصل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو حرام ہی دیتے ہیں کیونکہ حرام غذا سے بدیوں کے ارتکاب کے خیالات ہی پیدا ہوں گے۔ اور وہ ان پر عمل کرتا رہے گا اور گناہ کی سڑک پر دوڑتا ہی رہے گا' حتیٰ کہ اگر توبہ کی توفیق

نہ ملی تو سیدھا جہنم میں جا گرے گا (العیاذ باللہ)۔ حدیث پاک کا مضمون ہے کہ حرام غذا سے پرورش پانے والا بدن (دوزخ) کی آگ کے ہی لائق ہے' اب یہ دین و ایمان کے دشمن لوگوں کو فریب کاریوں سے لوٹتے ہیں۔ سرا سر حرام ہے اور ان لوگوں کو حلال کبھی نصیب نہیں ہوتا' سچا واقعہ سنئے : مولانا حکیم محمد عبداللہ رحمہ اللہ روڑی لاہور میں کسی دوست کے پاس ملنے گئے' دن کی کسی نماز کا وقت آگیا' دونوں قریبی مسجد میں چلے گئے' حکیم صاحب فرماتے ہیں میرا جوتا خاصا پرانا تھا پھر چوری کے خطرہ سے باہر سیڑھیوں پر اتار کر ساتھ لے لیا' مگر میزبان صاحب نے اپنی جوتی جو تقریباً نئی تھی وہیں سیڑھیوں پر جو بازار کی سڑک سے ملحق تھیں چھوڑ دی' میں نے خیال کیا کہ شاید بھول گئے ہیں لہٰذا ان سے کہا' کہ کیا میں آپ کی جوتی اٹھا کر اندر لے آؤں؟ تو انہوں نے کہا نہیں یہیں پڑی رہنے دیں' میں نے کہا حضرت! کتنی قیمتی جوتی ہے' کوئی اٹھا لے گا' بولے نہیں' میری جوتی کوئی نہیں اٹھائے گا' خیر میں تو اپنا جوتا اندر ہی لے گیا اور نماز پڑھ کر ہم مسجد سے باہر آنے لگے' تو مجھے غالب گمان یہی تھا کہ جوتی وہاں موجود نہیں ہو گی' مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جوتی وہیں پڑی تھی' خیر ہم گھر واپس آئے' راستہ میں میں نے ان سے پوچھا کہ یہ معاملہ صرف آج ہی ہوا ہے یا پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟ میزبان فرمانے لگے' میرا تو یہ روزانہ کا یہی معمول ہے' اس پر میں نے ان سے پوچھا کیا آپ جوتی پر کوئی دم کرتے ہیں؟ کہا نہیں' بلکہ ایک چٹکلا استعمال کرتا ہوں' میں نے پوچھا وہ چٹکلا' ذرا بتائیں تو سہی' فرمایا چٹکلا یہ ہے کہ "جب میں جوتی اتارتا ہوں تو ضرور یہ نیت کر لیتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے میری یہ جوتی چرالی' تو میری طرف سے اسے معاف اور حلال ہے"' اب جو شخص اسے چرانے کی کوشش کرتا ہے پہلے اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ خاصا قیمتی مال ہے' مگر فوراً ہی شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ یا خیال ڈالتا ہے' کہ کنکھیوں سے دیکھ' وہ آدمی تجھے دیکھ رہا ہے' ابھی تو دھر لیا جائے گا' چنانچہ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے' اور دوبارہ پھر دوسری جانب سے آتا ہے تو سامنے دوسری جوتیاں پڑی ہوتی ہیں' وہ ان میں سے کوئی ایک اٹھا کر چھپا لیتا ہے' اور اس وقت اس کے دل میں کوئی خطرہ یا خیال پیدا نہیں ہوتا سوائے اس کے' کہ تو کتنے عرصہ سے یہ کام کامیابی کے ساتھ کر رہا ہے' ایسے ہی اب

بھی کامیاب ہو گا' بھلا شیطان ان پہلی جوتیوں کے اٹھانے کے وقت کیوں اسے روک دیتا ہے' اس لئے کہ اگر حلال لقمہ اور روزی اسے نصیب ہو گئی' تو اس کی برکت سے کہیں یہ تائب ہی نہ ہو جائے اور پھر حرام خوری کے ساتھ تسلسل اسے مزید گمراہی میں دھکیلتا رہتا ہے' اور جس طرح ایک صالح اور متقی' حلال کمائی سے روزی حاصل کرنے والے شخص کو حرام' بلکہ مشتبہ روزی بھی بلائے جان اور عذاب معلوم ہوتی ہے' اسی طرح حرام کھانے والوں کو حلال روزی بھی وبال جان معلوم ہوتی ہے' اور شیطان اس سے نفرت یا کراہت یا مصنوعی خوف کے ذریعہ اسے اس سے باز رکھتا ہے' بس یہی ٹوٹکہ ہے (الفاظ یا تطویل صاحب میزبان کی نہیں البتہ مفہوم ان کا ہے) ایسے عاملین و حاملین ضلالت تو ظاہر ہے کہ حرام مال کے انبار جمع کر رہے ہیں' مگر کسی حد تک اس معاملہ کا یہ پہلو بھی شاید مبنی بر حقیقت ہو' کہ جس طرح بدکردار' حرام خور وہ دین اور عقل کے دشمن "عاملین" ہوتے ہیں' اسی طرح اکثر ان کے پھندے میں وہی لوگ پھنستے ہیں جو بے دین' جاہل' مشرک اور حرام کاروبار کرنے والے ہوں' ذرا وسعت نظر سے کام لیں' آج کل زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت و امانت عموماً رخصت اور خیانت و ظلم اور مکرو فریب کا دور دورہ ہے' چوری' ڈاکے' قتل' لوٹ مار' ملاوٹ منشیات کے ساتھ سود اور جوا تو اتنا عام ہو گیا ہے' کہ پوری معاشی اور معاشرتی زندگی پر حاوی ہو چکا ہے' کوئی بھی متقی شخص اس سے باوجود کوشش کے نہیں بچ سکتا' روٹی' پانی' کپڑا' گلیاں' سڑک' جنہیں آپ استعمال کرتے ہیں' یہودیوں کے دیئے ہوئے قرضوں سے' سود کے ساتھ چلنے والے کارخانوں نہروں' ہیڈورکس' بیج' کھاد' تعمیراتی ٹھیکے ان سب سے آپ مستغنی نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے جو چیز آپ نے خریدی تو اس میں آپ نے بھی حصہ سود ادا کیا' ہاں اضطراراً" اور اختیاراً" کا فرق ضرور ہے اور اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس شخص سے معاملہ فرمائیں گے' مگر صریحاً" اخلاقی جرائم پر مبنی دولت جب آئے گی تو اخراج کے لئے زور لگائے گی' اور پھر وہ انہی حرامخوروں کے پاس نذرانوں کی صورت میں' یا اولاد کے اللے تللوں میں یا موذی امراض کے علاج میں خرچ ہو گی۔ اس طرح وہ مال تو اپنے پاس رہا نہیں' البتہ جس کا حق مار کر اسے حاصل کیا اس کا وبال ضرور سر پر باقی رہا' اور آپ کی بصیرت اگر ذرا غور و تدبر فرمائیں

تو یہ دیکھے گی اور گواہی دیے گی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے پابند شریعت لوگ جو .بفضلہ تعالیٰ حتی الامکان غلط عقائد و اعمال اور اوہام و خرافات خصوصاً" دنیا کی زیب و زیبائش کے پھندے سے بچتے ہیں' کتنی سکون سے اور صاف ستھری زندگی بسر کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی جان' مال' رزق اور اولاد میں برکت عطا فرماتے ہیں' وہ دین کے معاملہ میں اونچے کو اور دنیا کے معاملہ میں نیچے کے شخص کو دیکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں اور آخرت کی اصلی اور دائمی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ان کو اکثر مصائب و آلام' موذی امراض' سیئی الاسقام' حادثات' مقدمات اور نافرمان اولاد وغیرہ سے بچائے رکھتے ہیں' ایسے لوگ ہرگز دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے قابو میں نہیں آتے' کیونکہ وہ ان کے قریب ہی نہیں جاتے نہ وہ خود کسی کو دھوکہ دیتے ہیں اور نہ کسی سے دھوکا کھاتے ہیں۔ لا یخدع ولا یخدع 'اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمہ وقت ان کے شامل حال رہتی ہے نتیجہ" جان بھی محفوظ' ایمان بھی محفوظ' اور مال بھی محفوظ' نعم اجر العاملین کا کچھ مزہ دنیا میں بھی انہیں نصیب ہو جاتا ہے وللہ الحمد۔ اور اگر انہیں تقدیراً" کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا رجوع پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے اور اس تکلیف کا تدارک بھی بمطابق شریعت کرتے ہیں' مگر ان کی نظر ظاہری اسباب و علاج پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہی رہتی ہے غیر اللہ کی طرف غیر شرعی رابطہ کا تو انہیں تصور تک نہیں ہوتا اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمة و اولئک ھم المھتدون ○ (البقرہ آیت نمبر ۱۵۷) انہیں خوشخبری دے دو کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی' اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

ج۔ اس معاملہ کا' کہ یہ جو غلط گمراہ کن لوگ پھل پھول رہے نظر آتے ہیں' ایک پہلو اور بھی ہے' بقول مولانا سعید احمد صاحب مکی و مدنی دامت برکاتہم' جو انہوں نے اپنے وعظ ملتان میں ارشاد فرمایا' وہ کسی خاص فرد یا طبقہ سے مخاطب نہیں بلکہ عمومی بات بیان فرما رہے تھے' کہ "بھائیو! یہ فکر نہ کرو کہ تمہیں روزی ملے گی یا نہیں؟ ضرور ملے گی' بلکہ سارے ہی کام بنیں گے' کیونکہ جس ذات (حق تعالیٰ جل

شانہ) نے اپنی جن مخلوق کو پیدا فرمایا ہے' ان کی ضروریات کا تکفل بھی اسی کے ذمہ ہے' کیونکہ خالق' مالک اور حاجت روا وہی ایک ہستی ہی ہے ' اور سب انسانوں کے کام بھی وہی بناتا ہے' مگر دو طریقے سے' فرمانبرداروں کے خوشی سے اور نافرمانوں کے ناراضگی سے' بناتا ضرور ہے' کیونکہ اور کوئی خدا تو ہے نہیں' مثلاً" یوں سمجھئے جیسے ایک آدمی نے طوطا پالا ہے' وہ روزانہ اس کو روٹی دیتا ہے' خوشی سے' کہ وہ بول چہک کر مالک کا دل خوش کرتا ہے' ایک دن اس گھر میں کہیں سے چوہا آگھسا' مالک مکان نے اسے پکڑنے کے لئے پنجرہ (چوہے دان) میں اسی روٹی میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر اس میں لگا دیا' دیکھئے دونوں جانور اس کے گھر میں رہتے ہیں' اسی طرح مسلم و کافر سبھی اس دنیا میں رہتے ہیں' اور مکان والے نے دونوں کو ایک ہی روٹی دی' اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مسلم و کافر کو روزی دے رہے ہیں' دونوں کاموں میں مساوات ہے' مگر ہر صاحب عقل فوراً" سمجھ لیتا ہے کہ طوطے کی روٹی اس کے لئے رحمت ہے' اور چوہے کے لئے عذاب!" (مفہوم) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ شخص کی زندگی حقیقتہ" عذاب ہوتی ہے کہ سکون نصیب نہیں ہوتا' جو اصل ہے عمدہ زندگانی کی' اور پھر موت کے وقت تو (اللہ تعالیٰ بچائے) وہی چوہے کے "کڑکی" میں گردن پھنسی' آنکھیں باہر نکلی ہوئیں اور جیسے زمین اور آسمان چکی کے دو پاٹ ہیں اور درمیان میں وہ پس رہا ہے کی حالت! بس فکر اللہ کریم کی خوشی اور رضا کی کرنی چاہئے؟

د۔ محدود اور لا محدود کا کیا تقابل و موازنہ' کہ آخرت لا محدود اور دنیا کی انسان کی انفرادی زندگی بالکل محدود' پھر بھی سمجھانے کے لئے اللہ کے بندے آخرت کے ایک دن کا اور انسانی زندگی کی اسی (۸۰) سالہ عمر کا تقابلی حساب کر کے بتاتے ہیں' کہ کان مقدارہ خمسین الف سنة ○ کے مطابق آخرت کا ایک (خاص) دن پچاس ہزار سال کا ہو گا (ہمارے سالوں کے حساب سے) جو شخص اس دنیا میں اسی (۸۰) سال زندگی گذار گیا' اس کی پوری زندگی اس ایک دن کے مقابلے میں صرف اڑھائی منٹ بنتی ہے' اب ہم ذرا غور کریں کہ اس اڑھائی منٹ کے لئے ہم اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کتنے اور کیسے بے دردی سے ضائع کرتے ہیں۔ پورے عرصہ آخرت کے مقابلے میں تو شاید ساری انسانی زندگی ایک سیکنڈ کا ہزار واں حصہ بھی نہ بنے۔

۲- مذکورہ غلط قسم کے عاملین کے دل میں اگر ذرا سا بھی خدا کا خوف موجود ہو' تو اپنے فریب اور حرام روزی کے ساتھ ایک اور خوفناک جرم کے ارتکاب کے امکان کی طرف بھی توجہ فرمائیں' کہ مسئلہ ثقہ بندہ نے دیکھا' کہ اگر کوئی شخص (از قسم عامل) کسی مریض کے متعلق دل میں یہ سمجھتا ہے' کہ اس کا صحیح علاج ادویہ یا آپریشن وغیرہ سے ہی ہو سکتا ہے' مگر وہ اپنی عیاری' چرب زبانی اور محض اپنے مفاد کے لئے اسے کہتا ہے کہ "جی! یہ تو چیز ہی کیا ہے' میرے پاس ایسے عملیات' حاضرات اور موکل وغیرہ ہیں' جو اس مرض کو کلیتہ" جلد دور کر دیں گے' میرے سامنے ان ڈاکٹروں' حکیموں کی کیا حیثیت ہے؟ اور بس تم فوراً صرف میرا ہی علاج شروع کر دو۔ پھر دیکھو کیسے فنا فٹ ٹھیک ہوتے ہو" اور اس طرح اگر وہ مریض صحیح علاج نہ ہونے سے مر جاتا ہے' تو یہ عامل عنداللہ اس کا کلی یا جزوی قاتل قرار دیا جائے گا۔

۳- جائز قسم کے تعویذات' عملیات' دم و درود وغیرہ کرنے والے حضرات بھی اس کے متعلق نوٹ فرما لیں' کہ "دعویٰ شفاء" کرنا تو محض طفلانہ حرکت ہے' اور "دعویٰ علاج" بھی بذریعہ تعویذات و عملیات صرف تین چار تکالیف کے لئے ہو سکتا ہے' یعنی جنات' سحر' نظربد اور اٹھراہ' ہمراہ مناسب ادویہ' باقی جتنے امراض ہیں وہ لائق دوا ہیں' جن کی ادویہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں' اور وہ بے فائدہ پیدا نہیں کی گئیں' ان کا علاج انہی سے کیا جانا چاہئے۔

۴- آخری اور ضروری موضوع: "لاتوں کے بھوت" کے واقعہ کے تحت جنات اور اس کے شرعی حقیقت و دفعیہ کا کچھ ذکر ہو چکا ہے' مگر "سحر" کے متعلق ذکر نہیں ہوا حالانکہ یہ بھی "جنات" کے ہوا سے کم نہیں' بلکہ شاید اس سے زیادہ ہی ہو۔ لہٰذا اس کے متعلق بھی کچھ معروضات! بہ عنوان "قربانی کا بکرا" کچھ ذکر مسمر یزم کا اور ساحرین فرعون کا ہوا ہے' جس سے یخیل الیه من سحر هم انها تسعی اور سحروا اعین الناس کی آیات سے حقیقت سحر یہی معلوم ہوئی' کہ ساحر (عامل) فریق ثانی (معمول شعوری) یا غیر شعوری کو اپنے جسم کی مختلف حرکات چرب زبانی' آنکھوں' ہاتھوں وغیرہ سے نیز مزید کسی شعبدہ بازی سے متاثر کر لیتا ہے' اور وہ مطلوبہ ساحر چیز کو اسی طرح دیکھتا ہے' جیسے اور جسے ساحر مکرر کہہ کہہ کر دکھلانا چاہتا ہے' یعنی

"رائی" کی قوت متخیلہ کو متاثر کر کے اسے خلاف حقیقت مشاہدہ کراتا ہے' "رائی" کی "رویت" کے ذریعہ وہ اس کی "نظر بندی" بھی اسی طرح کرتا ہے (غالباً" لفظ نظر بندی صحیح نہ ہو کہ نظر بند تو نہیں ہوتی البتہ فریب ضرور کھا جاتی ہے لہٰذا لفظ "نظر فریبی" غالباً" مناسب ہو گا) اس "سحر" کے ذریعہ مرئی (نظر آنے والی چیز) کی قلب ماہیت نہیں ہوتی' بلکہ یہ محض فریب نظر ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تاثر عامل و معمول کے بالمشافہ (آمنے سامنے) ہونے پر ہی ہوتا ہے' غائب پر اس کا اثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور بالمشافہ بھی آپ نے کسی اندھے بہرے شخص پر بغیر اسے مس کئے' یا اطلاع دیئے' سحر یا مسمریزم کا اثر ہوتے کبھی نہیں دیکھا ہو گا' لہٰذا سب سے بڑے تاریخی و قرآنی واقعہ ساحرین سے اس سحر کی حقیقت تو معلوم ہو گئی' سحر کی دوسری قسم استمداداز شیاطین کے ذریعہ روحانی و جسمانی غلاظت خور و غلاظت پوش لوگ کچھ خوفناک قسم کی حرکات کرتے' ہیں اور شیاطین الانس و الجن ان کی ہیبت کذائی اور غلط سلط پروپیگنڈہ سے لوگوں میں ان کے "حل المشکلات" ہونے کا تصور پھیلاتے ہیں' صحیح علم دین نہ ہونے کے سبب لوگ' خصوصاً" خواتین' ان کے جال میں زیادہ پھنستی ہیں' مگر یہ اپنے خداؤں (شیاطین) سے صرف اتنا کام ہی کروا سکتے ہیں' جتنا ان کے اختیار اور بس میں ہے۔ اور وہ بالکل معمولی ہے' اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ مشروط ہے' اگر اللہ جل شانہ نہ چاہیں تو وہ ذرہ بھر بھی وہ نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے' اور اتنا کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش کے لئے رکھا ہے۔

<u>شیطانی اختیارات کی حقیقت</u> وحدود : اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں انه لیس سلطان علی الذین امنوا و علی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم مشرکون ○ یعد هم و یمنیهم و ما یعد هم الشیطن الا غرورا ○ (سورہ نحل آیت ۹۹' ۱۰) شیطان کا قابو صحیح ایمان اور توکل رکھنے والوں پر نہیں چلتا بلکہ صرف شیطان کے دوستوں اور مشرکوں پر چلتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (سورہ النساء آیت ۱۲۰) وہ (شیطان) ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے' مگر شیطان کے سارے وعدے محض فریب (دھوکا) ہیں' شیطان انسان کو صرف جھوٹے وعدوں اور خوشنما تمناؤں کے جال میں پھنساتا ہے (زبردستی کسی

کو گمراہ نہیں کر سکتا) دوسری جگہ ارشاد ربانی کا مفہوم ہے' کہ قیامت کے روز شیطان اپنے پیرو کاروں کو کہے گا کہ میرا تم لوگوں (انسانوں) پر کوئی زور نہیں تھا' میں صرف تمہیں بلاتا تھا اور تم دوڑے چلے آتے تھے' اب مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (سورہ ابراہیم آیت ۲۲) ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس شیطان کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں (قابو نہیں) مگر جتنا کچھ ہے' اس سے ہم یہ دیکھنا چاہے' کہ کون آخرت کو ماننے والا' اور کون اس کے بارے میں شک میں ہے (۳۴ : ۲۱) یعنی یہ ابلیس قلب انسانی میں وساوس پیدا کرتا ہے' اگر فوراً (بفضلہ) تعالیٰ متنبہ ہو کر استغفار' لا حول پڑھ کر اللہ کی طرف رجوع کیا تو یہ دوڑ جاتا ہے' اگر اپنے اختیار سے اس وسوسہ کو آگے چلاتے رہے' اور سکیم بناتے رہے اور پھر اس پر عمل بھی کر لیا تو خود پھنسے۔ یہ تو روحانی ضرر کا بیان ہوا' اسی پر جسمانی ضرر کو قیاس کر لیجئے (وسوسہ آجانا غیر اختیاری ہے لہٰذا اس پر مواخذہ نہیں نہ اس کا ضرر ہے' اس سے آگے اختیاری ہے کہ اسے آگے چلاتا رہے' تو اس پر مواخذہ ہے وان تبدو ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ (سورہ البقرہ آیت ۲۸۴) تم اپنے دل کی باتوں کو خواہ ظاہر کرو' خواہ چھپاؤ' اللہ تعالیٰ تم سے بہرحال ان کا حساب لے لے گا۔) جسمانی ضرر کی مثال لیجئے۔ دس بارہ افراد سردیوں میں ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں' بچے مرد' عورتیں! مگر صرف ایک عورت کے بال کی لٹ بیدار ہونے پر کٹی ہوئی ملتی ہے' کیا کوئی ساحر خود آیا؟ نہیں! باہر سے دروازہ بند' اور اندر اس کمرے کا بھی کنڈا لگا ہوا' ظاہر ہے' کہ کسی جنات کے ذریعہ ہی یہ حرکت کی گئی ہے (بلکہ کروائی گئی ہے)' یعنی جو ایسا مس شیطانی ہو گا وہ "ممسوس" یعنی خود انسان کی غلطی کی وجہ سے ہو گا اور وہ بلا واسطہ ہو گا اسے جنات کی شرارت کہتے ہیں' اور جو ساحر جنات کے ذریعہ ایسی کاروائی کرائیں وہ بالواسطہ ہو گا اسے سحر یا جادو کہتے ہیں یعنی' دونوں میں جنات ہی کی کارستانی کار فرما ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بال تراش جن بھی دشمن ہے' اور اسے بھیجنے والا بھی دشمن' اور بھجوانے والا بھی دشمن' اب اس دشمن جن کو سو فیصد کلی ضرر پہنچانے کا سنہری موقع حاصل ہے مگر وہ صرف بال کاٹنے پر اکتفا کیوں کرتا ہے؟ اور یہ جن غائب بھی ہے (نظر بھی نہیں آتا) اور جس پر "وار" کیا جا رہا ہے وہ بیدار بھی نہیں کہ

شور ہی مچا سکے، جن قوی تر بھی ہے اور عورت کمزور، پھر وہ اس عورت کی گردن ہی کیوں نہیں کاٹ دیتا؟ وجہ یہ ہے کہ اسے یہ اختیار ہی حاصل نہیں، اس کے اختیار کی حد اور اختیار صرف بال یا کپڑا کاٹ دینے تک ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا یا سنا ہو گا کہ جنات جو روڑے اینٹیں وغیرہ پھینکتے ہیں، وہ انسانوں یا جانوروں کے جسم پر نہیں گرتیں، بلکہ ان کے پاس ادھر ادھر گرتی ہیں، اور جب سے انسان کی تاریخ کا علم ہوا ہے، کبھی دنیا بھر میں کسی جن نے نہ کسی انسان کو قتل کیا اور نہ اس کی گردن کاٹی، بلکہ یہ جنات تو صرف وہم ڈالنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑتے ہیں، اگر انسان کیوں اور کیسے اور کون کے تین "ککوں" کے چکر میں پھنس گیا، تو شیطان کی سکیم چالو ہو جاتی ہے، اور پھر وہ شخص غیر اللہ کے پاس پہنچتا ہے، اور اپنا مال جان اور ایمان برباد کرتا ہے، اور اس پر پڑ شیطان کا تسلط مزید بڑھ جاتا ہے۔ اگر نظر صرف اللہ کریم پر ہی رہی، اور اس کے احکام پر عمل کیا تو شیطانی مکر کا جال ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

قصہ ہاروت و ماروت : -اس قصہ کے متعلق جو داستانیں بعض کتب میں ملتی ہیں وہ عجیب ہوشربا ہیں، دو فرشتوں، ہاروت و ماروت کا انسانی شکل میں دنیا میں آنا، اللہ تعالیٰ کا ان کو سحر دے کر نازل فرمانا اور ان کا لوگوں کو سحر (جادو) سکھانا اور ایک عورت "زہرہ" نامی سے تعلق پیدا کرنا اور پھر اس عورت کا اڑ کر آسمان پر "ستارہ" بن جانا اور فرشتوں کا سزا کے طور پر بابل میں کنویں میں الٹا لٹکا دیا جانا، حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں جادو کا زور و شور ہونا بلکہ نعوذ باللہ حضرت سلیمانؑ کا خود بھی جادو کرنا کروانا مذکور ہے۔ دراصل یہ بھی اسی بنی اسرائیلیات میں سے ہے، کیونکہ یہودی (بنی اسرائیل) اپنے تعیشات کے جواز کا بہانہ بنانے کے لیے مختلف انبیاؑ پر نہایت شرمناک الزمات لگاتے تھے (بلکہ وہ ان کی کتب میں بھی درج تھے) کہ جب انبیاء گناہوں سے نہیں بچ سکے تو ہم کیسے بچ سکتے ہیں یہ بھی انہیں میں سے ایک ہے، ثقہ محدثین و مفسرین نے اس قصہ میں جہاں وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا (سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین (جن) کفر کا کام کرتے تھے، اسی طرح آگے وما انزل علی الملکین ببابل هاروت و ماروت بھی مانافیہ ہے، یعنی بابل میں ہاروت و ماروت نامی فرشتے بھی نازل نہیں کئے گئے، بلکہ جن شیاطین۔ (سحر) کا کام کرتے تھے۔ اس

طرح اللہ تعالیٰ یہود کے اس الزام کی تردید فرما رہے ہیں' کہ یہ سارا واقعہ (کفر سلیمان اور نزول ہاروت و ماروت) ہی جھوٹ ہے' حضرت سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا' اور نہ ہی بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتے نازل کئے گئے (جب وہ آئے ہی نہیں تو ان کا بابل میں سحر سکھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) البتہ دو شیطان جنات تھے' جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے وہ کفر کا کام کرتے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہمیشہ حق دے کر نازل فرمایا ہے ما ننزل الملائکۃ الا بالحق ○ سحر جو باطل اور کفر ہے' دے کر کبھی نازل نہیں فرمایا' لہٰذا مذکورہ یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ثابت ہوتا۔

مدنی یہودی جادو گروں کا قصہ:۔ اچھے بھلے ثقہ دینداروں میں مدینہ منورہ کے یہودی لبید بن اعصم کے حضور نبی کریم ﷺ پر جادو کر دینے' اور اس میں کامیاب ہو جانے کے "واقعہ" سے "سحر" کا برحق ہونے' اور انتہائی ضرر رساں ہونے کا یقین اور خوف پھیلا ہوا ہے' واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے' کہ مدینہ منورہ کے یہودی لبید بن اعصم نے کسی طرح حضور اکرم ﷺ کے کنگھے سے چند بال مبارک حاصل کر لئے' اور پھر ان پر سحر کی کلام پڑھ پڑھ کر پھونکیں مارتا اور بالوں کو گانٹھیں دیتا رہا' پھر ان موئے مبارک کو کھجور کے درخت کے خوشہ میں (کہ انسانی شکل سے مشابہ ہوتا ہے) بند کر کے' دو پتھروں کے درمیان اسے رکھ کر جنگل کے کسی کنوئیں میں ڈال دیا (تو پتھروں کا بوجھ خوشہ پر اور بال مبارک پر پڑا' جس سے حضور اکرم ﷺ کی طبیعت پر بھی بوجھ پڑا) اور آپ کی طبیعت ناساز رہنے لگی' اور (دنیاوی بعض معاملات میں) آپؐ کو نسیان لاحق ہو گیا' پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یہ کیا ہو گیا؟ مجھے بتایا جائے! تو دو فرشتوں کے باہمی مکالمہ سے سارا معاملہ معلوم ہو گیا' اور آپؐ نے دو صحابہ ؓ کو بھیج کر کوئیں سے پتھر نکلوائے اور پتھروں میں سے بال نکلوائے اور معوذتین پڑھیں' تو ہر آیت پر بال کی ایک گرہ کھل جاتی' اور جتنی آیات تھیں' اتنی ہی گرہ تھیں جب آیات سے پوری گرہ کھل گئیں' تو طبیعت مبارک ہشاش بشاش ہو گئی (مفہوم) یہ روایت کئی وجوہ کی بناء پر نقلاً" و عقلاً" محل نظر ہے' اول یہ کہ سند کے تیسرے واسطہ تک خبر واحد ہے' اور خبر واحد دین کے بنیادی امور عقائد و فرائض وغیرہ میں حجت تسلیم نہیں کی جاتی' اور صحاح کی ایک روایت میں تو تیسرے درجے کی ضعیف روایات کا سہارا لیا

گیا ہے' دوم: اگر یہ واقعہ اسی طرح "واقع" ہوا ہوتا تو جملہ اعدائے اسلام یہود' کفار اور منافقین کے لئے تو ایک زبردست ہتھیار مہیا ہو جاتا' اور وہ حضور اکرم ﷺ کو ہر ممکن طریقہ سے مطلوبہ ضرر پہنچانے میں ناکامی کے بعد' ایسی زبردست کامیابی حاصل کر کے پروپیگنڈے کا ایسا طوفان بپا کرتے' کہ اسلام کے دوستوں اور دشمنوں' دونوں طبقات کی طرف سے صحیح اور غلط ہزاروں روایات اس واقعہ کی ملتیں' خصوصاً صحابہ' تابعین' حضرت امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ سے تو بکثرت صحیح روایات ملتیں' مگر کتب سیرت و تاریخ اس صورت حال سے خالی ہیں سوم درایتہ" تو اس روایت کا متن ہی نص سے متعارض ہے روایتہ" اس کا حال یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ھشام بھی ہے جس کا دماغ بالتحقیق ۱۳۲ھ میں خراب ہو گیا تھا' اور اس ھشام سے روایت کرنے والے سب عراقی ہیں۔ مدنی کوئی بھی نہیں' چہارم: ھشام کے بعد کے راویوں میں اختلافات کی وجہ سے یہ حدیث مضطرب ہے' کوئی کہتا ہے کنگھی نکالی گئی' کوئی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں' کہ یا رسول اکرم ﷺ آپ نے کنگھی کو کیوں نہیں نکالا؟ ایک راوی کہتا ہے کہ آپؐ نے اچانک فرشتوں کو خواب میں دیکھا (جنہوں نے حقیقت واقعہ بیان کی) دوسرا کہتا ہے کہ آپ نے خوب دعا کی' ایک راوی کہتا ہے کہ آپ کو مغالطہ صرف ازواج مطہرات کی باری میں ان کے ہاں جانے میں ہوتا تھا' دوسرا کہتا ہے ہر کام میں ہوتا تھا' ایک راوی مذکورہ کیفیت چھ ماہ' دوسرا نو ماہ' تیسرا ایک سال اور کوئی راوی بقایا ساری عمر بیان کرتا ہے' رواۃ کی اس حالت سے تو یہ شبہ قوی ہوتا ہے کہ واقعی ھشام کا دماغ خراب ہو گیا تھا پنجم' سحر کی پہلی قسم یعنی تاثر بالمشافہ (مسمریزم) تو یہ ہے ہی نہیں' کہ یہودی جادوگر نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے آکر تو جادو نہیں کیا اور اس طرح ہوتا بھی تو حضورؐ اس سے ہرگز متاثر نہ ہوتے اور یہ دوسری قسم کا بھی ناممکن ہے' کہ سب خباثتوں کی جڑ ابلیس ہے اور اس کو اور اس کی نسل کو جب عام متقی مسلمانوں پر بھی ایسی دسترس حاصل نہیں ہے انه ليس له سلطان على الذين امنوا وعلى ربهم يتوكلون اور ان عبادى ليس لك عليهم سلطان تو سید الانبیا ﷺ پر تو کوئی شیطانی اثر خفیف تر درجہ کا تصور بھی نعوذ باللہ نہیں کیا جا سکتا' کہ یہ سحر بھی اگر ہوتا تو استمداد عن الشیاطن پر ہی مبنی ہوتا۔ جو علماء یہ دلیل دیتے ہیں کہ

نبیؐ کو بخار ہو سکتا ہے' ان کے دانت مبارک شہید ہو سکتے ہیں تو ان پر سحر جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے' اس کے متعلق عرض ہے کہ مذکورہ تکالیف تو بدنی ہیں' جن سے کوئی بشر مستغنی نہیں ہو سکتا' جس طرح بھوک' نیند' سردی' گرمی' بیماری وغیرہ حاجات بشریہ ہیں' مگر سحر جسمانی عارضہ نہیں' روحانی عارضہ ہے' اور روح اور قلب مہبط وحی ہیں' اگر وہ مس شیطانی یا نعوذ باللہ دخل شیطانی کی زد میں آجائیں' تو وحی مشکوک اور دین کی بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا روایت مرجوح کے متن پر غور کرنا چاہئے! سب سے مقدم کتاب اللہ ہے' جس کی حفاظت کا وعدہ اور ذمہ اللہ جل شانہ نے خود لیا ہے' پھر اس کی آیات دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں' اس سے ما بعد کے ماخذ' جو اور جتنا اس کی تصدیق کریں' وہ مطابق نص ہیں! بقایا ماخذ کی تطبیق کریں گے' نہ ہو سکے تو اس مسئلہ کو پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹا دیا جائے گا' اور گزارش ہے کہ ان روایات کو بھی اسی اصول کے مطابق دیکھا جائے ششم' اس مزعومہ واقعہ کی شہرت روایان کے مطابق "وقوعہ" سے ۱۳۳ سال بعد ہوئی' اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے ۱۳۰ سال بعد سوا صدی کے طویل زمانہ میں چند اشخاص کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی! کیا یہ کوئی "علم باطنی" تھا جس کا اخفاء ضروری تھا؟ ہفتم: روایات مذکورہ میں آپؐ کو نسیان کی وجہ سے جو عوارض پیش آتے تھے وہ متعدد بیان کیے گئے ہیں' آپ نے کوئی کام نہیں کیا (ہوتا تو خیال فرماتے کہ کر لیا ہے' اور کوئی کام کر چکے ہوتے تو خیال فرماتے کہ نہیں کیا' ازواج مطہرات کی باری بھول جاتے' کسی چیز کو دیکھنے میں بھی شبہ ہونے لگا کہ دیکھا ہے یا نہیں؟ آپ گھلنے لگے وغیرہ----- مگر آپ ذرا غور فرمائیں کہ خیالات و یادداشت کا مرکز دماغ ہے' مذکورہ بیانات سے کیا ثابت کیا جانا مقصود ہے؟ اعدائے اسلام کے لئے تو سنہری موقع ہو گا' کہ نعوذ باللہ یہ مسلمان خود تسلیم کرتے ہیں' کہ ان کے نبی کے دماغ پر اثر ہو گیا تھا (استغفراللہ) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسی آفات سے محفوظ رکھنے کا اولین اہتمام فرمایا ہے۔ کفار انبیاءؑ کو کہتے کہ یہ دیوانہ اور مجنوں ہے' اللہ تعالیٰ پر واہ نہیں فرماتے' بلکہ ان کے اس بکواس کی سزا کا ذکر فرماتے ہیں وفی موسیٰ اذا رسلناہ الی فرعون بسلطان مبین---الی -- وقال ساحر اومجنون' فاخذناہ و جنودہ فنبذناہ بالیم ○ دیگر انبیاءؑ سب

کو کفار نے مجنون کہا کذالک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالو ساحرا و مجنون یعنی منکرین حق کا یہ الزام تھا کہ یہ نبی مجنون ہے (نعوذ باللہ) اس کا دماغ چل گیا ہے' مگر کیا صورت بالا میں نبی اکرم ﷺ کے مرکز یاداشت پر باطل اثرات کے موثر ہونے کی تصدیق کر کے ہم مذکورہ مسلسل الزام کی تائید کر رہے ہیں یا تکذیب؟ اور یہ پہلو بھی مد نظر رکھیے' کہ شریعت کے احکام کا مکلف تو صحیح الدماغ شخص ہی ہوتا ہے' اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو محترم ھستی شریعت کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی وصول کرتی ہے' وہ ایک طرف مکلف سے ہزاروں لاکھوں درجہ افضل اور مستحق بلکہ منبع شریعت بھی ہو' اور دوسری طرف نعوذ باللہ اپنی دماغی کیفیت کی وجہ سے اس شریعت پر عمل کرنے کی مکلف بھی نہ ہو مگر اپنے امتیوں پر وہ شریعت نافذ بھی کرتے رہیں۔ یہ کیسا عجیب تضاد ہے؟ مشتم کفار عموماً انبیاء علیہم اسلام کو مسحور (سحرزدہ) بھی کہتے تھے' خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کو "رجل مسحور" کہتے تھے ان تتبعون الا رجلا مسحورا اور اللہ تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ باطل (سحر' شیطان وغیرہ) اس کے قریب بھی نہیں آسکتے۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و من خلفہ اور واللہ یعصمک من الناس' مگر اس روایت کے ذریعہ ہم کفار کے اس الزام کو صحیح ثابت کر رہے ہیں یا غلط ؟ نہم مذکور روایت کا مضمون ولا یفلح السحر حیث اتی کے بھی متعارض ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ساحر کبھی کامیاب نہیں ہوتا" مگر یہاں ساحر کو کامیاب بیان کیا گیا ہے دھم : فرق مراتب : ساحرین فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میدان مقابلہ میں ساحرین کا نعرہ تھا قد افلح الیوم من استعلی آج کے دن جو غالب آگیا وہی کامیاب ہو گا) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی موسیٰؑ کو اسی جگہ یہ بشارت دی لا تخف انک انت الا علی گھبرا نہیں تو ہی کامیاب ہو گا) اور پھر دنیا نے دیکھا' کہ فرعونی جادو گر ناکام اور بنی اسرائیل کے نبی کامیاب ہو گئے' مگر یہاں آپ کیا دیکھ رہے ہیں' کہ بنی اسرائیل کا یہودی ساحر کامیاب اور سید الانبیاء علیہم اسلام غیر کامیاب! کیا یہ انہی بنی اسرائیلیات کا تبرک نہیں ہے؟

جو انبیاء علیہم السلام پر شرمناک الزمات گھڑنے والے ماحول سے آکر' اسلام قبول کرنے

والے چند اشخاص' غیر شعوری طور پر بقدر قلیل یہ تاثر ہمراہ لائے' اور نسل بعد نسل اس میں اضافہ ہوتا رہا' اور محققین نے اس کی تنقیح بھی کی۔ ملعون یہودیوں (بنی اسرائیل) کے خرافات کا تاثر کتب متعلقہ میں نمونۃً ملاحظہ فرمائیے: حضرت سلیمانؑ کا دنیا میں پہلی بار بلقیس کی پنڈلیوں کے لئے ہڑتال سے "بال صفاپاؤڈر" تیار کرانا' حضرت اسماعیلؑ کی جگہ حضرت اسحٰقؑ کو "ذبیح اللہ" قرار دینا' حضرت داوٗدؑ کا اپنی فوج کے افسر کی بیوی کو چھت سے نہاتے دیکھ کر اس کے خاوند کو محاذ کے فرنٹ پر بھیج کر مروا دینا' اور اس کی بیوی کو حرم میں داخل کر لینا' حضرت سلیمانؑ کی قوت مردمی کا ایسا حساب لگانا' جو عقل اور حیاء بھی تسلیم کرنے سے منقبض ہو' نیز حضرت سلیمانؑ کی حکومت بے مثال کی وجہ محض ایک انگوٹھی قرار دینا' حضرت سلیمانؑ والی نمل (چیونٹی) بھیڑئے کی جسامت کی بنا دینا وغیرہ سے اندازہ کیجئے۔ اس بھیڑئے جتنی چیونٹی کی روایت کی حقیقت ابن کثیر رحمہ اللہ نے عجیب طرح کھول کر رکھ دی' فرماتے ہیں "نمل" مذکور "ذباب" یعنی مکھی جتنی بڑی تھی' مگر پڑھنے والے نے "ذباب" کو "ذئب" یعنی بھیڑیا پڑھ لیا (عرب بغیر الف درمیانی کے بھی اسم لکھتے تھے جیسے رحمٰن' کفر (رحمان اور کافر) ایسے ہی ذبب اور ذئب تقریباً" یکساں الفاظ معلوم ہوتے ہیں) اس طرح چشم زدن میں چیونٹی' مکھی کی جسامت سے بڑھ کر بھیڑئے کی جسامت کے برابر ہو گئی۔

ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کریں' کہ یہودی مدنی جادو گروں والی حدیث کی سند تو بہت مضبوط ہے' لہٰذا اس میں ذرہ بھر بھی شک کی گنجائش نہیں' تو اس کے متعلق عرض ہے' کہ کیا کلام اللہ سے بھی زیادہ کوئی اور بات مستند ہے؟ اور کیا یہ حرفاً" حرفاً" بلکہ حرف کے شوشہ تک اسی طرح مصئون و محفوظ اور لا ریب ہے جس طرح قرآن پاک' جس کے متعلق حق تعالٰی گارنٹی بیان فرما رہے ہیں۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (سورہ الحجر آیت ۹) اور ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہاں ایک عجیب چیز حفاظت کلام الٰہی کی (صرف صوری کے) متعلق ملاحظہ فرمائیے' قرآن پاک کے کاتب کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے' ان میں سے کسی نے کہیں کوئی لفظ دوسرے سے ذرا سا مختلف حروف میں لکھ دیا (پڑھنے میں دونوں یکساں ہیں' مگر آج تک وہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہی لولین

کتابت اسی طرح چلی آرہی ہے' جیسے لفظ شجرۃ ہر جگہ گول تا (ۃ) سے ہے' مگر سورہ الدخان آیت نمبر ۴۳ میں یہ لفظ (صرف ایک اسی جگہ) کشتی نما تا (ت) سے ہے ان شجرت الزقوم! اسی طرح جس کاتب نے حیوۃ لکھ دیا وہاں وہ اسی طرح چلا آرہا ہے' اور جہاں حیات لکھ دیا وہ اسی طرح چلا آرہا ہے۔ اسی طرح صلوۃ اور صلوات کا بھی غالباً" فرق موجود ہے وغیرہ' مگر احادیث میں اکثر ایک واقعہ کے مختلف الفاظ اور بیانات جن میں راوی کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے موجود ہوتا ہے' اگرچہ بہت حد تک بعض محتاط راویان کرام نے وضاحت بھی فرما دی ہے کہ مجھے اس لفظ میں شک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا یا یہ؟ تاہم کسی صورت میں بھی سنداً" قرآن پاک و حدیث مبارک کے موجودہ ذخائر ہم پلہ قرار نہیں دیئے جا سکتے' اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہر چیز کو سب سے پہلے کلام اللہ پر پیش کرنا ہی صحیح بلکہ اصح طریقہ ہے' لہٰذا اس چیز کا حل بھی قرآن پاک کی دوسری آیات سے کیا جانا چاہیے' اس کے بعد سنت رسول اکرم ﷺ پھر اشل فالا مثل۔ کلام اللہ کے متعارض یا غیر مطابق امر لائق تاویل ہو گا۔ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے آنحضرت ﷺ پر سحر موثر کی احادیث کو وضعی (بمطابق استفادہ از جماعت المسلمین) اور شرمناک کہا ہے۔

کذبات ثلاثہ :- مضبوط سند کی دلیل والے دوستوں کی خدمت میں کذبات ثلاثہ کی مثال پیش خدمت ہے' حدیث شفاعت کبریٰ میں قیامت کے روز حضرت ابراہیمؑ کے اپنے تین "جھوٹ" بولنے کی حیاء کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ کے دربار میں لوگوں کی شفاعت کرانے سے عذر کر دینا مذکور ہے' اور وہ جھوٹ بھی بیان کئے گئے ہیں' جن میں سے دو کا ذکر قرآن پاک میں اور ایک کا حدیث (روایت) میں ہے' قرآن میں تو ایک بت توڑ کر مکر جانا (نعوذ باللہ) بل فعلہ کبیرہم ھذا اور دوسرا غالباً اسی واقعہ سے پہلے شہر سے باہر میلہ قومی میں شرکت نہ کرنے کا "بہانہ" کہ میں تو بیمار ہوں فقال انی سقیم تیسرا جھوٹ روایت میں ہے' کہ اپنی ہجرت کے وقت راستہ میں حضرت سارہ کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے ظالم بادشاہ کو' بجائے ان کو اپنی بیوی کے اپنی بہن بتلایا' اس جھوٹ کو جائز ثابت کرنے کے لئے علماء نے تاویل کی ہے' کہ وہ جھوٹ تو اللہ کے لئے تھے' اور وہ بھی جھوٹ نہیں بلکہ "توریہ" تھے۔ یہ نقشہ تو روایتی

ہے مگر اللہ جل جلالہ اپنے "خلیل" (دوست) کا اپنی کلام میں اس کا نقشہ "بالکل مختلف" بیان فرما رہے ہیں، ان کی خصوصی عزیمت، ایمان، قربانی، حنیفیت، اور صدق وغیرہ کا کئی جگہ ذکر فرمایا گیا، آپ کا خطاب انی جاعلک للناس اماما (امام الناس) ان ابراھیم کان امة قانتا للہ حنیفا (ابراہیم اپنی تنہا ذات میں پوری امت تھے اور حنیف یعنی سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ سے جڑ جانے والے) اواھا منیبا بہت نرم دل غمزدہ اور رجوع الی اللہ والے، سب آزمائشوں میں درجہ اول پانے والے واذا ابتلی ابراھیم ربه بکلمات فاتمھن اور تلک حجتنا اتینا ھا ابراھیم علی قومه نرفع درجات من نشاء (ترفع درجات)، ساری زندگی قربانیوں سے بھر پور، آپ نے اپنی ہر محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کیا، اور ہر خطرے کو جو کسی کو انسان کو پیش آسکتا ہے، اسے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر قبول کیا اور جھیلا، ایسی زبردست غریمت اور شان والے اپنے خلیل نبی ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اللہ عز و جل، اپنی کلام میں اللہ کریم ایک جگہ پوری نو (۹) صفات بیان فرماتے ہیں۔ ان ابراھیم کان امة قانتا للہ حنیفا، لم یک من المشرکین، شاکرا لا نعمه، اجتباہ، و ھداہ الی صراط مستقیم، واتیناہ فی الدنیا حسنة و انه فی الاخرة لمن الصالحین○ سورہ النحل آیت نمبر ۱۲ تا ۱۲۲ (اپنی ذات میں پوری امت، ۲۔ اللہ کا پورا مطیع فرمان، ۳۔ یکسو، ۴۔ کبھی بھی شرک نہ کرنے والا۔ ۵۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا ۶۔ اللہ کا چنا ہوا ۷۔ اللہ تعالیٰ کے سیدھے رستے کو پانے والا، ۸۔ دنیا میں بھلائی پانے والا ۹۔ اور آخرت میں صالحین میں سے اتنی صفات احسن بیان فرما کر اللہ کریم اپنے حبیب محمد رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں، کہ تم بھی ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو، جو یکسو تھا اور شرک کرنے والا نہ تھا، ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا۔ اور حضور اکرم ﷺ خود اپنی سعادت کا اظہار فرماتے ہیں، کہ میں (اپنے محترم دادا) حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا (کی قبولیت کا ثمرہ) ہوں (ربنا وابعث فیھم رسولا منھم)، اور ایسے عظیم الشان جلیل القدر نبی جن کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ صرف خود نہیں بلکہ سب گھرانہ ہی اللہ تعالیٰ کی خصوصی محبت، قربانیوں اور رحمتوں کا مظہر تھا، اور

اللہ تعالیٰ کا اتنا محبوب گھرانہ تھا' کہ ان کی قربانیوں کی اداؤں کو قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرما دیا' اور ان سب "عابدین" کے لئے' جو اس کے دربار میں حاضری دے کر' اس کی مقرر کردہ جمیع فرائض عبادات کا مجموعہ رکن یعنی "حج" ادا کرنا چاہیں' اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کا عابد' عاشق اور مجاہد ثابت کرنا چاہیں' وہ میرے اس دوست (ابراہیم) کی' اور ان کے پیارے گھرانہ کی قربانیوں کی' اسی وقت اور اسی مقام پر' اور اسی طرح' ان کی نقل کریں' تب تمہارا نام صحیح دعویداروں میں لکھا جائے گا' میری بندی ہاجرہ جہاں اور جس طرح دوڑی' اسی طرح تم بھی دوڑو' جہاں میرے بندے ابراہیمؑ نے اپنے بڑھاپے کے (مجازی) سہارے اسمٰعیلؑ کو منہ کے بل اوندھا لٹایا' اور اس پر چھری چلا دی' تم سے اتنی رعایت ہے کہ بجائے بیٹے کے جانور کے گلے پر اسی طرح اسی جگہ چھری چلا دو' اور جہاں شیطان انہیں بھکانے آیا' اور انہوں نے اسے کنکریاں مار کر بھگا دیا' وہیں تم بھی کنکریاں مارو' اور جس طرح وہ میرے اس گھر کے گرد ذوق و شوق سے بیتابانہ چکر لگاتا اور میرے (مجازی) ہاتھ حجر اسود کو بوسہ دیتا تھا' تم بھی اسی طرح کرو' بلکہ اپنی پوری زندگی کو اسی پوری روش پر لاؤ' کہ وہ "حنیف" تھا "مشرک" نہ تھا' یعنی سب مخلوق سے کٹ کر اور بیزار ہو کر صرف اور صرف اللہ کا ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے مخلوق کی ذرہ بھر پرواہ نہ تھی' اگرچہ وہ اکیلا تھا' صرف گھر میں یا شہر یا ملک میں اکیلا نہیں' بلکہ پوری دنیا میں اکیلا' یعنی ایک فی دنیا! کیا اس سے زیادہ کوئی "اقلیت" ہو سکتی ہے؟ اسے ذہن میں رکھنا اور کبھی اپنی اقلیت کا بہانہ نہ کرنا' اور پھر میرے اس "دربار" میں چاروں طرف نظر دوڑاؤ! میرے اس دوست کے گھرانہ کی نشانیاں تمہیں چاروں طرف ابھی تک بکھری نظر آئیں گی' یہ میرا گھر' (بیت اللہ) جسے دونوں پیارے باپ بیٹوں نے تعمیر کیا' یہ رہا زمزم' جو ننھے اسماعیلؑ کی ایڑیوں سے پھوٹا' یہ ہے صفاء و مروہ' جہاں میری بندی ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بیقرار دوڑتی رہیں' یہ ہے مقام ابراہیم' جہاں میرے ابراہیمؑ کے پاؤں میرے گھر کی تعمیر کے وقت پتھر کے اندر ایسے گہرے ثبت ہو گئے' جیسی گیلی مٹی میں' اور یہ رہا منحر (قربان گاہ منیٰ)' اور یہ ہے مقام رمی جمار' ان دونوں باپ بیٹوں کے اعمال حسنہ کی یادگار مقامات' میں نے یہ شرف اپنے کسی اور نبی کو نہیں

بخشا' وجعلها کلمة باقية فی عقبه کیا آپ نے ان پتوں کو دنیا میں کہیں دیکھا ہے' جو آدمؑ اور حواؑ جنت سے اپنے بدن پر لپیٹ کر یہاں لائے تھے؟ طفقا یخصفان علیھما من ورق الجنة کیا صالح علیہ السلام کی اس عجیب الخلقت اور بے نظیر اونٹنی کی کھال کا کوئی ٹکڑا دنیا میں کہیں موجود ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی اس زبردست آیت (عصائے موسوی) کا کوئی سراغ ملتا ہے؟ کیا عیسیٰ علیہ السلام کے باذن اللہ مٹی سے پرندے بنا کر اڑائے جانے والے پرندے کی نسل کی اب کسی نے زیارت کی؟ کیا حضرت سلیمانؑ کے عظیم الشان تخت کی کوئی علامت اب کہیں باقی ہے؟ نہیں! یہ اعزازت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دوست کے خاندان ابراھیمی میں ہی محفوظ اور ختم کر دیئے ----- اپنے "خلیل" کی ایک اور صفت حسنہ کا ذکر' خصوصاً اللہ کریم نے فرمایا ہے' اور وہ ہے "صدق" (سچائی)' جو "کذب" کی ضد ہے' دیکھئے واذ کر فی الکتاب ابراہیم انه کان صدیقا نبیا ○ (سورہ مریم آیت ۴۱) یہاں "صدیق" نبی بیان فرمایا گیا ہے' یعنی ھمیشہ سچ بولنے والا' پکا سچا! صادق نہیں فرمایا یعنی صرف سچا نہیں' بلکہ صیغہ مبالغہ بہت ہی سچا' بمطابق لغت المنجد بہت سچا' سچائی میں کامل' عمل سے اپنی سچائی کی تکمیل کرنے والا' اور مطابق صاحب معارف القرآن' جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولا ہو' اور جس نے اپنے عقیدہ قول و عمل اور ہر حرکت و سکون میں اپنے کو صادق (سچا) ثابت کیا ہو' اللہ تعالیٰ کا یہ دوست خود بھی بہت سچا تھا' ان کا خلف الرشید اسمٰعیلؑ بھی صادق الوعد' اور ان کا دوسرا بیٹا اسحاقؑ اور پوتا یعقوبؑ بھی عطیہ خداوندی تھے اور ان سب کو ہم نے نبی بنایا اور سب کو سچی نام وری عطا فرمائی وجعلنا لھم لسان صدق علیا○ اور فرماتے ہیں وجعلها کلمة باقية فی عقبه' اور اس کا ذکر خیر ہمیشہ باقی رکھا' یہ نقشہ تو وہ ہے جو اپنے دوست خلیل اللہ کا اللہ جل شانہ بیان فرما رہے ہیں' ذرا اس کو ذہن نشین فرمایئے! اور پھر دوسرا نقشہ جو روایت بالا میں موجود ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں! جو تضاد ہو گا وہ ظاہر و بین معلوم ہو گا' امام الامم اور جد نبی کریم ﷺ اور صاحب کلمہ باقیہ' مجسم قربانی' عزیمت کے کوہ ہمالہ' صرف اللہ کی طرف یکسو' اپنی ذات میں امت اور انتہائی سچا' اللہ کا دوست یہاں "صاحب کذبات ثلاثہ" بنا دیا گیا ہے! جبکہ اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو ان صلوتی و

نسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین کی تلقین فرماتا ہے کہ میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور موت سب کچھ ہر لحہ' صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور یہ میرا طریقہ میرے (بزرگ نبی) کا طریقہ ہے' صاف اور سیدھا' جس میں بالکل کجی نہیں' اور یہ طریقہ ابراہیمؑ کا طریقہ و راستہ ہے' جو صرف اللہ کی طرف یکسو تھا' اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا (۶ : ۱۶۲ تا ۱۶۱) اس "مطیع اعظم" اور "صدیق اعظم" کے لئے یہ الفاظ کہ وہ دو جھوٹ تو اللہ کے لئے تھے! حالانکہ ان کی زندگی کا ہر لحہ اللہ کے لئے تھا (نعوذ باللہ تیسرا جھوٹ جو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ؟)' حالانکہ بل فعلہ کے قول کے وقت اس بات کو کہنے والے' یا کسی بھی سننے والے نے اسے جھوٹ نہیں سمجھا' تو تعجب ہے کہ بعد کے لوگ اسے کیسے جھوٹ تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی بھی نبی پر دشمنوں نے بھی کوئی اخلاقی الزام عائد نہیں کیا' یعنی جھوٹ' خیانت وغیرہ! بلکہ حقیقتاً" یہ الزامی جواب تھا بل فعلہ کبیرھم ھذا جس کا جواب کفار نے لقد علمت ما ھولاء ینطقون میں دیا ہے کہ تو بھی اچھی طرح جانتا ہے' کہ یہ تو بول بھی نہیں سکتے (یعنی زبان جو چھوٹی سی ہے وہ نہیں ہلا سکتے تو اتنا بڑا ہاتھ مع گرز کیسے چلا سکتے ہیں؟) اس پر حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول قال اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون (افسوس اور تف ہے تمہاری عقل پر' اور ان بتوں پر' جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو) بھی اسی پر دلالت کرتا ہے' اور اس دلیل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے' بلکہ انہوں نے "طاقت" کا استعمال تجویز کیا' کہ اسے آگ میں جلا دو' دوسرا مبینہ جھوٹ فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم بیان کیا گیا ہے' کیا ان قائلین محترم کے پاس کوئی دلیل ایسی ہے' کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت بیمار نہیں تھے' اور کیا ان لوگوں کے پاس صحت کا "کوئی سرٹیفکیٹ موجود تھا! جسمانی بیماری' خواہ خفیف ہو' کا امکان بھی ہے' اور ہو سکتا ہے کہ عذر کرنے کے لئے یہ فقرہ مروج ہو' نظر نظرۃ فی النجوم اور انبیاء علیہم اسلام کو لوگوں کے اللہ کریم کے دین کی دعوت کو قبول نہ کرنے کا غم ہروقت سوہان روح بنا رہتا تھا' حضور اکرم ﷺ کو اللہ کریم فرماتے ہیں لعلک باخع نفسک الایکونوا مومنین (کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (مفہوم) ولقد

نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں تمہارے متعلق بناتے ہیں' ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے' فلا تذھب نفسک علیھم حسرات پس اے نبیؐ خواہ مخواہ تمہاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے' حضرت لوطؑ فرماتے ہیں انی لعملکم من القالین میں تمہاری کرتوتوں سے ناراض و نالاں ہوں' کیا دل کی گھٹن 'غم اور افسوس اور بدن گھلنا صحت کی نشانی ہے؟ اسی طرح امت کے کفر کا غم حضرت ابراہیمؑ کو بھی تھا (انی سقیم۔) سوال پیدا ہو سکتا ہے' کہ پھر بیماری کی حالت میں حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو کیسے توڑا؟ جواب یہ ہے اللہ کے دشمنوں کے خلاف جذبہ جہاد' ایمان کو اور پھر جسم کو قوت بخشا ہے' اسی جذبہ اور قوت ایمانی نے ان کو بتوں کی شکست و ریخت پر ابھار کر قوی بنا دیا' اور اس طرح آپؑ کو شفاء قلبی وقتی اور فوری حاصل ہوئی' جس طرح امت محمدیہ کو ارشاد ربانی ہے قاتلو ھم یعذبھم اللہ بایدیکم و یخزھم وینصرکم علیھم ولیشف صدور قوم مومنین ○ سورہ انفال' آیت نمبر۱۴۔ اے مومنو! تم کفار سے لڑو! اللہ تمہارے ہاتھوں سے انکو سزا دلوائے گا' اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا' اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا اور مومنین کے دل ٹھنڈے کرے گا' یعنی قتل کفار سے شفاء قلبی کا حصول ہو گا' تیسری بات (متعلقہ کذب غیر قرآنی ہے جس سے فی الحال صرف نظر ہے) سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے اس طرح دو مختلف کردار قاری کے سامنے آتے ہیں' اور یہ تصور تو کسی مومن کے حاشیہ خیال میں نہیں آسکتا' کہ حضور پاک ﷺ کا کوئی قول و فعل اور مرضی مولا" دونوں میں ذرہ کا لاکھواں حصہ بھی تفاوت ہو گا وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اور ان صلوتی و نسکی و محیایی و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ' اسکے بعد تو صرف یہ امر قابل غور رہ جاتا ہے' کہ متن روایت چونکہ کلام الہی سے مختلف و معارض ہے' لہٰذا یہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک نہیں ہو سکتا' عصمت انبیاء ایک بنیادی اور امت کا عام اجماعی مسئلہ ہے' انبیاء کے نبوی اور روحانی درجات تو خصوصی عطاء الہٰی اور بے مثال ہوتے ہیں' دنیوی خصائص عقل' شکل' نسل' عمل اور فضل میں بھی وہ سب سے اعلیٰ اور ممتاز ہوتے ہیں' لہٰذا اس کا صحیح اور ممکنہ حل وہی ہے' جو

حدیث کے بارہ میں اذ'' د تفریط رکھنے والے دونوں گروہوں کے متعلق بعض محقق علماء نے اختیار کیا ہے کہ' ایک گروہ اس روایت کو لے کر پورے ذخیرہ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تمام حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو' اور دوسرا گروہ اس روایت کی وجہ سے روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک چلا گیا ہے' کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے' اور اس بات کی پرواہ نہیں' کہ ایک جلیل القدر نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ اور یہ روایت کذبات ثلاثہ والی محض اسی وجہ سے ہی قابل اعتراض نہیں' کہ یہ ایک نبی کو۔ (نعوذ باللہ) جھوٹا قرار دے رہی ہے' بلکہ اس بناپر بھی غلط ہے کہ وہ تینوں مذکورہ واقعات ہی محل نظر ہیں—— فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم نہیں' کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو' مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے' کیونکہ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں' جن کی وجہ سے متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے' اور وہ ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے' جس کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے' کہ یہ باتیں نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں! اس لئے سند کے ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

یہ طویل معروضات ایسی روایات' جس کی سند ''مضبوط'' مگر متن کلام اللہ اور دیگر احادیث و تعلیمات دین کے بنیادی امور سے متعارض و مختلف ہو' کے حوالہ سے اس لئے پیش خدمت کی گئیں' کہ ''مدنی یہودی جادو گر'' والی روایت میں بھی ایسی ہی صورت حال ہے' لہٰذا جب ان کی واقعات کی صحت و بنیاد ہی مشکوک ہے' تو امت کو مزعومہ و موجبہ سحر' جادو' ٹونا' افسون' کالا' پیلا علم' جنتر' منتر' طلسم وغیرہ کے غیر حقیقی وجود' اور اس کے ضرر' بلکہ دہشت انگیز اوہام و خرافات موجودہ کو' پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دینی چاہیے کیونکہ یہ انسان کو انتہائی وہمی بنا دیتی ہیں اور مسلمان کی شان سے تو یہ بعید ہے' کہ وہ ان کی طرف ذرا بھی التفات بھی کرے' کہ ہمہ وقت اس کی نظر اللہ کریم پر رہنی چاہیے۔ جو نحن اقرب الیہ من حبل الورید اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب کی شان والی ہے' اور اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فرما کر

ہروقت اپنا دربار کھلا رکھتے ہیں۔ جنہیں نہ تھکن ہوتی ہے نہ غفلت' نیند آتی ہے نہ بھوک' اور جس کے پاس ہی سب کچھ ہے اور جو کچھ ہے صرف اسی کا ہے' اور جو سب سے بڑا سخی اور رحم فرمانے والا ہے' بغیر مانگے ہمیں ہزاروں نعمتیں عطا فرمائیں اور عطا فرماتے رہتے ہیں۔ مانگنے پر کیوں نہ عطا فرمائیں گے؟ آداب و شرائط کے ساتھ دعا کبھی ضائع نہیں جاتی' ضرور ملتا ہے' یہاں یا وہاں' دیر یا سویر' تھوڑا یا بہت' کچھ نہ کچھ ملتا ضرور ہے۔ اللہ مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

توہمات مروجہ کے سلسلہ میں اکثر پیشہ ور عاملین نے جنات کے ساتھ ساتھ چڑیل' چھلاوہ' سایہ' پریت' پری' آسیب' ڈائن' چڑیل' ہمزاد' موکل وغیرہ اقسام بھی مشہور کر رکھی ہیں۔ بعض دینی ذہن کے لوگ ہمزاد اور قرین کو ایک ہی جنس قرار دیتے ہیں' بلکہ ایک ہی ہستی! مگر حقائق اس کی تصدیق نہیں کرتے' کیونکہ قرین یا دوسری مذکورہ "بلائیں" اکثر و بیشتر ان عاملین و متاثرین کے نزدیک صرف جسمانی ضرر پہنچاتی ہیں' جبکہ "قرین" قرآن پاک میں صرف "دینی ضرر (گمراہ کرنے والا) یعنی شیطان کی ڈیوٹی دینے والا مذکور ہے' لہٰذا قرین (قریبی ساتھی) شیطان ہی ہے' کوئی علیحدہ مخلوق نہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں ومن یکن الشیطان له قرینا فساء قرینا (شیطان جس کا ساتھی ہوا' وہ بہت برا ساتھی ہے) اور یہی ہمزاد ہے' یار لوگوں نے اپنے مفاد کے لئے غیر مسلم اقوام کے توہمات سے مشابہ ایسی ہوائی مخلوق غیر مرئی خود گھڑ لیں' ورنہ ان کا کوئی حقیقی وجود ثابت نہیں۔

حلول: ۔اس مریضہ میں جن گھس گیا وہی بول رہا ہے' اس مرد میں جنی داخل ہو گئی' وہ اس پر عاشق ہو گئی تھی' وغیرہ باتیں تو مذکورہ ماحول میں کئی بار سنی جاتی ہیں' اگر اس سے مراد شیطان ہو' تو شیطان تو وساوس کے لئے ہر وقت انسان کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے' اگر کوئی دوسری جنس مراد ہے تو اس کا غیر جنس میں گھسنا ناقابل فہم ہے' جیسا ماقبل عرض کیا گیا' کہ اس کرہ ارضی میں اصل کردار تین ہی ہیں' خاکی' نوری' ناری' جب سے یہ مخلوق بنی ہیں' ان میں سے کسی دو مخلوق کی مخلوط نسل وجود میں نہیں آئی' یعنی جس طرح گدھی اور گھوڑے کی مخلوط نسل خچر! نہ کبھی فرشتے اور انسان کی مخلوط مخلوق بنی' نہ فرشتے اور جن کی' اور نہ فرشتے اور انسان کی نہ انسان

اور جن کی! اسی طرح اگر فرشتہ انسان کے جسم میں آج تک نہیں داخل ہوا' تو جنات کیسے انسان میں گھس جاتے ہیں' اور کیا کبھی انسان نے بھی کسی جن کے اندر داخل ہو جانے کا تصور بھی کیا ہے؟ اگر دلیل یہ دی جائے کہ وہ جو مریضہ کے اندر بول رہا ہے' وہ کون ہے؟ جن ہی تو ہے! تو عرض ہے کہ وہ جو نظر آ رہی ہے' وہ خود ہی ہے' اکثر تو مکر ہوتا ہے۔ کبھی سازش یا مرض! اگر دوسری مخلوق اس میں بول رہی ہے تو وہ خود کیوں نہیں بولتی؟ مریضہ کو خواب آور دوا دیدیں تو وہ مخلوق کیوں چپ کر جاتی یا بھاگ جاتی ہے؟ ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ مریضہ میں چار پانچ آدمیوں جتنی طاقت آجانا یہ ثابت کرتا ہے' کہ اس کے اندر کوئی غیر مرئی طاقتور مخلوق گھس گئی ہے۔ اللہ کے بندو! پاگل آدمی کو کوئی جن نہیں چمٹتا بلکہ صرف اس کا دماغ خراب ہوتا ہے' اس مرض سے اس میں چار پانچ آدمیوں جتنی طاقت کیوں آجاتی ہے؟ حالانکہ وہ صرف بدنی مرض ہے! اسی طرح عورتوں کو ہسٹریا یعنی اختناق الرحم کی مرض سے دورے پڑتے ہیں' اور اس میں کئی گنا طاقت آجاتی ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بھی مرض ہے۔

تھوڑی سی بات رہ گئی کہ اگر دیندار حضرات یہ فرمائیں کہ صاحب ہم سفلی اعمال سحر وغیرہ کے "ہوا کو کر تو تسلیم نہیں کرتے' مگر "نوری" علم تو حضرت سلیمانؑ کے واقعہ سے ثابت ہے' کہ جس علم سے ان کے وزیر آصف بن برخیاہ نے ہزاروں میل دور سے پلک جھپکتے میں تخت بلقیس منگوالیا تھا" تو حضرت' عرض ہے! کہ کلام پاک کو پہلے کلام پاک سے سمجھنے کی سعی فرمائیں! اور پورے دین' کو خصوصاً اس کے بنیادی امور کو ذہن میں رکھیں' کہ کوئی بھی امر اس کے متعارض نہ ہو' واقعہ مذکور کا قرآنی مفہوم یہ ہے' کہ حضرت سلیمانؑ نے تخت بلقیس یمن سے بیت المقدس اپنے اسی منعقدہ دربار میں منگوانے کا ذکر کیا' تو ایک قوی جن نے کہا کہ میں اس مجلس کے برخواست ہونے سے پہلے لا سکتا ہوں' اس پر اس نے جس کے پاس الکتاب کا علم تھا' کہا میں اسے پلک جھپکنے تک ابھی لا سکتا ہوں' یعنی چند گھنٹوں کی بجائے چند سیکنڈ میں' اور پھر سب نے دیکھا کہ وہ تخت وہاں پڑا ہوا تھا' اس پر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا یہ میرے رب کا مجھ پر فضل ہے۔ گفتگو تو اس پر خاصی ہو سکتی ہے' مگر نہایت مختصراً! قال الذی عندہ علم من الکتاب جس کے پاس "الکتاب" کا علم تھا اس نے یہ کام کیا' واضح رہے کہ لفظ

"الکتاب" ہے یعنی "خاص کتاب" لفظ کتاب نہیں جو مکتوب سلیمانی بنام بلقیس انی القی انی کتاب کریم میں مذکور ہے' قرآن پاک میں تقریباً" ۱۳۵ جگہ لفظ "الکتاب" اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے' اور بہت کم صرف چند بار یہ لفظ معاہدہ' مدت اور لوح محفوظ وغیرہ کے لئے آیا ہے' اور اللہ کی کتاب اس کے نبی پر ہی نازل ہوتی ہے' اور اسی کو اس کا صحیح اور مکمل علم دیا جاتا ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا' کہ اس نبی کے کسی امتی کو' خواہ وہ اس کا کتنا ہی زیادہ مطیع ہو' اس کتاب کا علم اس نبی سے زیادہ عطا فرمایا جائے۔ اگر وہ امتی اتنے زیادہ علم کا مالک تھا تو پھر اللہ تعالیٰ اسی امتی کو ہی نبی بناتے' یہ کیا بات ہوئی کہ کتاب نبی پر نازل کی اور اس کتاب کا علم نبی سے زیادہ کسی اور کو دیدیا؟ بلکہ حقیقت وہ ہے جو امام ابن کثیر وغیرہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ "علم من الکتاب" والے صاحب' خود حضرت سلیمانؑ تھے"۔۔۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم خصوصی میں ملکہ عطا فرمایا تھا' اپنے والد حضرت داؤدؑ کے بکریوں والے مقدمہ کے فیصلہ میں نہایت مدبرانہ مشورہ دیا جو قبول ہوا' آپ کی متعدد صفات حضرت یوسفؑ سے مشابہ ہیں جن کے متعلق فرمایا ولنعلمه من تاویل الاحادیث باتوں یا کاموں کی تہہ تک پہنچ جانا) اور حضرت سلیمانؑ کے مذکورہ بکریوں کے واقعہ میں ان کے بمطابق مشورہ احسن فیصلہ کے متعلق فرمایا' ففهمنا ها سليمان (ہم نے وہ فیصلہ سلیمانؑ کو سمجھایا) اس طرح ہو سکتا ہے کہ سیدنا یوسفؑ کو جب بچپن میں سوتیلے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا' تو اسی ابتدائی مرحلہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس "المیہ" کا انجام ننھے یوسفؑ کو بتلادیا و لوحينا اليه لتنبئهم بامر هم هذا وهم لا يشعرون اور ہم نے (اس وقت) اس کی طرف وحی نازل کی' کہ ایک وقت آئے گا' کہ تو ان کو ان کی یہی حرکت جتلائے گا مگر وہ تم کو پہچانیں گے نہیں۔ (سورہ یوسف آیت ۱۵)اسی طرح جب ہدہد نے اس واقعہ کی ابتداء میں ہی بلقیس کے عظیم الشان تخت کا ذکر کیا' اور آپ نے بعد میں اسے خط لکھا' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اسی ابتداء واقعہ کے وقت ہی اسی طرح اس واقعہ کا انجام دکھلا دیا ہو' کہ وہ تخت دربار کے اس کمرے میں پڑا ہے' اور یہ اشارہ بھی فرما دیا گیا ہو' کہ اسے بھی خود منگوالو' اور حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کی روانگی کے بعد 'جنات سے باسانی وہ تخت منگوا کر مذکورہ مجلس

منعقد ہونے سے پہلے ہی پردہ کے پیچھے رکھوا چھوڑا ہو' اور آپ نے اس جن عفریت کے جواب کے بعد خود فرمایا ہو' کہ انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک اور پھر فوراً" آپ نے پردہ ہٹا دیا ہو' اور پھر تخت سب کے سامنے موجود!! چند سیکنڈ میں سینکڑوں ہزاروں میل دور تو آج سائنس کے زمانہ میں بھی کوئی تیز سے تیز رفتار جہاز نہیں جا سکتا' اور پھر آپ نے اسی انعام الہیہ خصوصی کا شکریہ ھذا من فضل ربی سے ادا فرمایا۔ ایک بات اور' کہ سارے امتی مل کر بھی اپنے نبی کے برابر افضل نہیں ہو سکتے' کیونکہ نبوت وھبی (عطائے الٰہی) ہے کسبی نہیں' اللہ لیصطفی من الملائکة رسلا و من الناس (اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے خود رسول منتخب فرماتے ہیں) اور ظاہر ہے حضرت سلیمانؑ کا دوسرا شخص انکا امتی ہی ہو گا' وہ نبی سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ نہ بلحاظ علم' نہ بلحاظ عمل نہ بلحاظ درجات!

دراصل بات یہ ہے کہ جب کسی قوم پر اخلاقی و مادی انحطاط کا دور آتا ہے' تو وہ عالی ظرفی و بلند حوصلگی کی بجائے توہمات جادو' ٹونے' ٹوٹکے' طلسمات' جنتر' منتر' وغیرہ کی طرف دوڑتے ہیں' کہ بغیر کسی محنت و مشقت کے محض پھونکوں سے اپنے سارے کام بن جایا کریں اور انہی چیزوں سے مخالفین کے کام بگڑ جایا کریں' حالانکہ یہ محض خام خیالی ہے! جو لوگ ایسی چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں' انہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر یہ چیز انفرادی طور پر موثر ہو سکتی ہے تو اسے افراد یا مقدار کی کثرت سے اجتماعی طور پر اتنا ہی زیادہ موثر بھی بنایا جا سکتا ہے۔ انفرادی نفع' خصوصاً ضرر کا تاثر تو عوام کے دلوں میں تقریباً پیوست ہی ہو جاتا ہے' مگر اجتماعی ضرر کا ان لوگوں کو خیال تک نہیں آتا بلکہ ان "ضرر رساں" طبقہ کو بھی شاید کبھی اس کا تصور تک نہ آیا ہو گا۔ یعنی دنیا میں آج تک ایسا نہیں ہوا' کہ کسی بادشاہ نے اپنی فن حرب میں ماہر اور مسلح فوج کی بجائے دو تین سو جادوگر ساتھ لے کر محاذ جنگ پر لڑائی لڑی ہو (کامیابی ہونا یا نہ ہونا تو بعد کی بات ہے) اور نہ کسی بادشاہ نے امور سلطنت چلانے کے لئے حسب معمول وزرا یا محکمہ جات کے افسران و کارکنان مقرر کرنے کی بجائے سو یا دو سو جادوگر بھرتی کر لئے ہوں' اور وہ سارے ملک کا انتظام جادو سے چلا رہے ہوں سب سے بڑا صحیح تاریخی قرآنی واقعہ ساحرین بتاتا ہے' کہ ان ساحرین کا آقا۔(فرعون) بھی ان کے سحر کو یقینی اور

صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ساحرین کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ڈرتا کہ وہ تو اب میرے دشمن سے مل گئے ہیں اور اب تو وہ سارے مل کر اپنے جادو سے مجھے تباہ کر دیں گے۔ مگر اسے ذرہ بھر بھی جادو گروں کے جادو کا خوف نہیں ہوا' بلکہ انہیں عام لوگوں کی طرح عام انسان سمجھ کر سولی پر چڑھانے کی دھمکیاں دینے لگا۔ اور یہ جادو گر تو اس کے مستقل ملازم اور تنخواہ دار تھے' جب بنی اسرائیل میں سے اس بچے کے پیدا ہونے کا اسے خطرہ لاحق ہوا' جو اس کی سلطنت کو ختم دے گا تو اس نے جادو گروں کو آرڈر نہیں دیا کہ تم زور و شور سے جادو کر کے بنی اسرائیل کے بچوں کی پیدائش بند کر دو (افسوس ہے کہ آج کل کے بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس عورت کے اس لیے اولاد نہیں ہوتی کہ کسی نے جادو سے اس کی "سوء بندی" (بندش ولادت) کر دی ہے) بلکہ اس نے سرکاری جلادوں کے ذریعہ بچوں کا قتل عام کروایا۔ اور پھر ساحرین کو بھی اگر اپنے سحر پر یقین ہوتا' تو وہ فرعون کی دھمکی کے جواب میں فرعون پر جادو چلاتے اور اسے تباہ کر دیتے' مگر ان ساحرین مومنین نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا' کہ تو جو کچھ تکالیف ہمیں دے گا۔ وہ صرف ہماری اسی دنیوی زندگی میں ہی دے گا۔ اور جس آخرت اور اس کی نعمتوں پر ہم ایمان لا چکے ہیں' ان پر تیرا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں جو وہ چاہیں کر سکتے ہیں' اور کرتے ہیں' مگر اس نے ہمارے انسانوں کی ضعیفی پر رحم فرما کر ہمارے کاموں کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے' اور ہم اگر اسی طریقے سے جو شریعت نے ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے وہ کام کریں گے' اور یقین اللہ کی ذات پر رکھیں گے' اور اس سے دعائیں بھی مانگتے رہیں گے' تو یہ نہایت صاف سیدھا اور آسان راستہ دونوں جہانوں کی کامیابی کا ہے' اور اگر عمل سے گریز' تن آسانی اور بہانہ سازی کی راہ اختیار کر کے خلاف فطرت طریقے اختیار کریں گے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے' اور اللہ تعالیٰ کو یہ طریقے تکوینی یا تشریعی کسی طور پر پسند نہیں' اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ کریم مذکورہ بالا غیر فطری طریقوں سے کوئی بھی کام عموماً" نہیں بناتے (معجزہ اس سے مستثنیٰ ہے) اور نہ شیاطین کو اس کا اختیار دیا ہے' ارشاد ربانی ہے ولو ان قرانا سیرت به الجبال او قطعت به الارض اوکلم به الموتی بل لله الامر جمیعا ○ (سورہ

رعد آیت ۳۱) اور کیا ہو جاتا اگر قرآن سے پہاڑ چلنے لگتے' یا زمین شق ہو جاتی یا مردے بولنے لگتے' مگر سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' کفار حضور اکرم ﷺ سے ایسی نشانیاں طلب کرتے تھے اس کے جواب میں اللہ کریم فرماتے ہیں (کہ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیمات میں' کائنات کے آثار میں اور نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انقلاب حیات میں کوئی نور حق نظر نہیں آیا' کیا وہ پہاڑوں کے چلنے' زمین کے پھٹنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے سے کوئی روشنی پالیں گے؟ یہاں غالباً" اللہ کریم کی یہ منشا معلوم نہیں ہوتی کہ اپنی کلام پاک (قرآن مجید) سے یہ تینوں کام کئے جائیں' لہٰذا جب عین کلام حق سے بھی انکا وقوع ممکن نہیں' تو کلام باطل یعنی سحر وغیرہ سے بھی انکا وقوع بالکل ناممکن ہے' اور تاریخ عالم اس پر شاہد ہے۔

اگرچہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے "دارالجزاء" نہیں بنائی اور تمام اعمال کی جزا اور سزا کے لئے "یوم الدین" مقرر فرمایا ہے' اور یہ دنیا تو صرف "دارالعمل" ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں' کہ اس دنیا میں نیک اعمال کا کوئی اثر نہیں ہوتا یا اللہ تعالیٰ کی پے درپے نافرمانیوں کی کوئی شامت اس دنیا میں نہیں پڑتی۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اچھے یا برے اعمال کا اثر اور نتیجہ' فوری یا کچھ دیر سے' اس دنیا میں بھی دکھلا دیتے ہیں' متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں' یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ دین یا دنیا کے نام پر لوگوں سے فریب دہی کے ذریعہ جو دنیا کمائی جائے گی' عموماً وہ بھی پاس نہیں رہتی' بلکہ داغ فراق لگا کر تڑپاتی رہتی ہے' اور جاتی ہوئی کچھ حصہ مزید اپنے ساتھ لے جاتی ہے' دید و شنید کے ذریعہ ایسے واقعات کا علم ہوتا رہتا ہے' جو شخص ذرا تدبر سے کام لے گا' وہ جان لے گا' کہ اس نقصان کی وجہ اللہ تعالیٰ کی فلاں حد یا حدود کا توڑنا ہے' ایک حضرت جو ایسا ہی کاروبار ڈنکے کی چوٹ سے سستے اور مہنگے کوالٹی دار تعویذات فروخت کر کے کیا کرتے تھے' ایک مسکین' بے سہارا' معذور شخص کی "امداد" کے چکر میں مقدمات میں پھنس گئے' (دراصل ایک قیمتی پلاٹ تھا جس کے حصول کا لالچ انہیں لے ڈوبا) ساری کمائی ادھر نکل گئی اور مقدمہ بھی ہار گئے' اسکا ایک عزیز (شکایتہ نہیں حکایتہ) کہہ رہا تھا کہ حج نہیں تو عمرہ ہی کر لیتے' ارادہ تو تھا' مگر جو آتا ہے کچہریوں میں چلا جاتا ہے' کیا کریں۔ اور پھر حضرت مقدمہ کیا ہارے' کہ اس کے ساتھ نقد جان بھی

ہار گئے۔ ایک صاحب فرمایا کرتے' کتنے روپے والا دم کروانا ہے؟ اور ان کو شامت اعمال نے ایسا گھیرا' کہ ان کے جوان لڑکے نے دوسرے کسی لڑکے کو معمولی سی بات پر چھرا مار دیا' جس سے وہ مر گیا' اور وہ ساری "کمائی" اس کے ورثاء کو "راضی بندہ" کر کے ادا کرنی پڑی۔ ایک حضرت صاحب مریض کو پہلے ہی مطلع فرما دیتے ہیں' کہ میری تشخیص و تجویز بہ سلسلہ تعویذات وغیرہ کی فیس سوا سو(۱۲۵) روپے ہے (علاج کا معاوضہ تو شاید علیحدہ لیتے ہوں گے) کام چلتا رہا' پھر "امرالٰہی" وارد ہوا' کچھ مریض شاندار کار میں قریبی شہر میں ایک مریضہ دکھانے کے لیے لے گئے دم ہوا' معمول سے کہیں زیادہ رقم فیس ملی اس طرح دو چار چکر لگے' پھر ذرا باہمی واقفیت اور "انس" پیدا ہو گیا' پھر انہوں نے بتایا کہ ہم "بس" خرید رہے ہیں' بڑا منافع بخش کاروبار ہے' اتنی دیر میں اتنا کما چکے ہیں' اگر آپ کا بھی شراکت کا ارادہ ہو تو دیکھ لیں' حضرت صاحب کو بڑی ہی مسرت ہوئی' اور خوشی خوشی خاصی بڑی رقم ان کے حوالے کر دی' انہوں نے قریبی دن اور تاریخ کا وعدہ کیا' کہ گاڑی آپ کے مکان کے دروازہ پر عین وقت پر پہنچ جائے گی' وہ دن اور وقت آگیا' مگر بس یا بس والوں کا نام و نشان تک نظر نہ آیا' گھبرا کر اس شہر میں ان کی "حلقہ مترفین" میں اس کوٹھی پر پہنچے' جہاں وہ مریضہ کو کئی بار "دم" فرما چکے تھے' وہاں تالا لگا ہوا تھا' بڑے پریشان ہوئے' پڑوسیوں سے پوچھا تو پتہ چلا' کہ وہ تو صرف کرایہ دار تھے' معلوم نہیں کون تھے اور کہاں کے تھے اور کہاں گئے؟______ حضرت صاحب منہ لٹکائے واپس آگئے' اور لوگوں کو تبصروں کا بڑا "رنگین اور نمکین" موضوع ہاتھ آگیا' اس طرح وہ دولت در دولت سے رخصت ہو گئی' ایک اور عامل صاحب بھی ایسے ہی کاروبار کے جھانسے میں آکر لٹ گئے۔ ایک "وہابی" نے بھی مزدوری کے ساتھ ساتھ یہ "کاروبار" بھی کیا ہوا ہے' لوگوں کو دشمنوں کے دوست بنانے کے' اور اس کے علاوہ بہت سے کاموں کے گراں قیمت تعویذ دیتا ہے' مگر خود اس کا بیٹا اس کا ایسا نافرمان نکلا ہے' کہ گھر کے ساتھ مسلک' بلکہ نماز روزہ بھی چھوڑ دیا' اور بھنگ پی کر گھنگرو باندھ کر ناچتا ہے' اور ایک مست کے مزار کا مجاور بنا ہوا ہے۔ ایک عامل صاحب کو اپنے ہی تعویذ "لڑ" گئے کہ اپنی ہمشیرہ کے بیٹے کو بیٹی کا نکاح دیا' چند روز ہوئے ہوں گے' کہ راقم کے پاس لڑکے والے آئے کہ اس لڑکی

نے (والد سے تعویذ لے کر) ہمارے لڑکے کو پلادئے' جس سے وہ ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے لگا تھا' پھر ہم نے ساہیوال سے تعویذ لا کر اسے پلائے' تو کچھ فائدہ ہو گیا۔ بندہ نے کہا یہ چکر سارا ہی شیطانی ہے' نہ تعویذوں سے لڑکا بگڑا اور نہ تعویذوں سے "ٹھیک" ہوا۔ مگر ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی' اور وہ کہتے رہے کہ لڑکا تو اتنا غصہ میں بھرا ہوا تھا' اور کہتا تھا کہ میں تو اسے طلاق دوں گا۔ اس پر راقم کو اس کے "ٹھیک" ہونے کی حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ اپنے گھر کے دوسرے افراد کا ہم خیال ہو گیا ہے' کہ میری بیوی نے مجھے تعویذ پلا دیئے' اور اس جرم کی سزا وہ "طلاق" سے کم کسی صورت میں نہیں دے رہا العیاذ باللہ! ایک اور مشہور عامل دور کے کسی شہر کے باہر ایک اہم مقام پر' غالباً ایک ہی "عمل" فرماتے تھے' کہ ہر وقت انگیٹھی کے نیچے آگ جلتی ہوئی اور انگیٹھی کے اوپر ایک چھوٹی سی کڑاہی میں کھولتا ہوا تیل موجود رہتا' کوئی بھی مریض آتا یا مریضہ' وہ اپنی ایڑی کھولتے ہوئے تیل میں ڈالتا اور درد کی جگہ اپنی ایڑی لگاتا' شروع شروع میں تو وہ بلا معاوضہ یہ عمل کرتا رہا' مگر جب خاصی شہرت ہو گئی' تو رقم لینے لگا اور پھر رقم کا ریٹ بھی مطابق گرانی بڑھتا رہا' اور وصولی میں رویہ بھی سخت ہونے لگا' کہ ٹھوک بجا کر رقم لیتا' نتیجہ" وہ مفلس و قلاش عامل کئی مربعہ زرخیز اراضی کا مالک بن گیا' اسی طرح اس عامل کا دھندا چلتا رہا' حتی کہ موت کا پھندہ اس کے گلے میں آگیا اور اس کی روح پرواز کر گئی' جب غسل دینے کے لئے اسے تختہ غسل پر رکھنے لگے' تو عجیب ماجرا دیکھا گیا' کہ چاروں طرف سے شہد کی مکھیاں آکر میت کو چمٹ گئیں' گھر والوں نے یا غسال نے اڑانے کی بہت کوشش کی مگر بے فائدہ' آخر شہد کے چھتوں سے شہد نکالنے والے "اوڈ" بلائے گئے' انہوں نے دھواں وغیرہ کر کے مکھیوں کو بھگایا' پھر جب جنازہ کے بعد' میت کو لحد میں اتارنے کے لئے پہلے ایک آدمی قبر میں اترنے لگا' تو وہ دہشت زدہ ہو گیا' کہ قبر میں بچھو اور سانپ موجود تھے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ توبہ توبہ کرنے لگے' اور چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں' کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اب کیا کیا جائے؟ نئی قبر اس خدشہ سے نہیں بنائی' کہ وہاں بھی وہی "خطرہ" موجود ہونے کا غالب گمان تھا' آخر لاش کو قبر میں پھینک کر مٹی ڈال دی اور بھاگ آئے۔ فا عتبروا یا اولی الابصار - ذرا سی تحقیق پر معلوم ہو

گیا کہ عامل صاحب مریضہ کے بھی کپڑے کے اوپر نہیں، بلکہ اس کے بدن پر "ایڑی مبارک" مقام ورد پر لگاتے تھے لا حول ولا قوۃ الا باللہ دین اسلام کے کسی بھی مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے سارے دین پر بیک وقت نظر ہونا چاہیے صرف ایک چیز کو لے کر اسے اتنی اہمیت دینا کہ وہ جز کی بجائے کل معلوم ہونے لگے صحیح نہیں! اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اسے ایک مکمل مشینری کی یا ایک پورے جسم انسانی کی مانند سمجھنا چاہیے، کہ انسانی بدن کا ہر جزو اپنی جگہ اپنی خصوصی اہمیت رکھتا ہے مگر اعضاء رئیسہ کی مثل دوسرے اعضاء نہیں ہو سکتے۔ سر سب کا سردار ہے آنکھ، ہاتھ، ٹانگ کے بغیر بھی انسان موجود ہوتا ہے، اور کام کر سکتا ہے مگر ناقص البدن ہو گا، لیکن سر کے بغیر کوئی انسان زندہ اور کار آمد نہیں ہو سکتا۔ راس العقائد والاعمال توحید ہے، دوسرے ارکان و احکام اپنی جگہ مسلم ہیں، مگر اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ توحید کی مثال جسم انسانی میں سر کی خیال فرمالیجئے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، اگر تم نے انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، وہ دو چیزیں ہیں اللہ کی کتاب اور میری سنت! کلمہ طیبہ، جو دین اسلام کی بنیاد ہے وہ بھی توحید و رسالت دو ہی چیزوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالی نے تمام امت کے لئے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی زندگی بسر کرنے کے لئے "اسوہ حسنہ" یعنی نمونہ بنائی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور اس "اسوہ حسنہ" پر سب سے پہلے اور سب سے عمدہ عمل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا، اور ان کے ایمان کو دوسروں کے لئے معیار قبولیت و ہدایت قرار دیا گیا فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا (یہ اہل کتاب اگر تمہارے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی مثل ایمان لائیں، تب انہیں ہدایت یافتہ تسلیم کیا جائے گا) اور اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیاری ایمان کے بعد، ان کے معیاری و مقبول اعمال کا ثمرہ دنیا میں ہی سنا دیا، ان کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، یا ان کی تابعین اولاد یا ان کی اولاد تبع تابعین میں، کہیں ان دو مقدس امور کے علاوہ کوئی دوسرا معیار حق و اطاعت نظر نہیں آتا، اور مذکورہ ماقبل توہمات کا تو نام و نشان تک نہیں ملتا، اللہ کریم ہمیں صحیح فہم اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین) لقد جاء کم من

اللّٰہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللّٰہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم ○
تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے' اور ایک ایسی حق نما کتاب' جس کے ذریعہ سے ان لوگوں کو جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے' اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔

تحریر ہذا باوجود معمول سے خاصی زیادہ کدو کاوش کے تقریباً" چار مہینہ میں پوری ہوئی' بوجہ عذرات متعدد جسمانی و روحانی امراض' مزید یہ کہ نہ علم نہ عمل نہ فہم اور نہ کوئی دوسرا وصف استحقاق' نہ تجربہ کاری اور مضمون نویسی کی قابلیت' اور نہ مشق' بس غالب خیال یہی تھا' کہ عملیات کی دنیا میں جو توہمات اور خرافات کثیرہ پھیلی ہوئی ہیں' ان کے بارے میں کسی حد تک اگر کسی کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے' اور اللہ کریم کی بارگاہ میں ذرہ بھر بھی قبولیت ہو جائے تو زہے قسمت! مگر اس کے ساتھ یہ احساس بھی دامن گیر رہا' کہ بعض واقعات میں راقم الحروف خاطی کا بھی ذکر (خواہ مجبوراً) آرہا ہے' اس میں بعض اعمال شرعیہ کے خوشگوار نتائج کا ذکر آگیا ہے' جو بصورت واقعہ ہے۔ اگرچہ کوشش کی گئی ہے کہ قاری کو یہی باور کرایا جائے' کہ یہ اسی احسن "عمل" کی برکت ہے نہ کہ (مشیر الیہ) مجوز کی' مگر شاید فریقین کو اس سے غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے اور وہ "ہیچ مج" کو "کچھ کچھ" نہ سمجھنے لگیں' اور ایسا سمجھنا ان کے لئے مضر نہ ہو' یہ انقباض بھی ساتھ ساتھ کسی حد تک چلتا رہا' کہ اس سلسلہ شروع کرنے کے چند روز بعد ایک عزیز دوست تشریف لائے' اور اپنا خواب سنایا' کہ امشب تم (راقم) اور ام زبیر (راقم کی اہلیہ۔ برقع میں) بس سے اتر کر سفر سے واپس آئے' سامان خاصا تھا' لہٰذا میں نے ساتھ امداد کی' اور سب (راقم کے غریب خانہ) گھر پہنچے' محترمہ اندر زنان خانہ چلی گئیں' اور ہم دونوں بیٹھک میں داخل ہوئے' جہاں حضرت مولانا حکیم الحاج محمد عبداللہ صاحب روڑوی رحمہ اللہ تشریف فرما ہیں' سیاہ داڑھی' چہرہ نہایت روشن اور خوب صحتمند۔ پہلے تم (راقم) سے بغل گیر ہوئے پھر مجھ سے' اور یہ خواب ایک گھنٹہ جاری رہا پھر منظر بدلا اور حضرت حکیم صاحب موصوف رحمہ اللہ نے مجھے آموں کی تین پیٹیاں

دیں کہ اسے (راقم) کے گھر پہنچا دو"

نبوت ختم ہو چکی' البتہ مومن کے خواب میں اس کا کچھ پر تو باقی ہے' حدیث مبارک میں مومن کے رویائے صادقہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بیان فرمایا گیا ہے' اگر معروضات کسی حد تک صحیح ہوں۔ تو یہ اللہ تعالٰی کا فضل و کرم اور نانا جی رحمہ اللہ نانی جی رحمہ اللہ والدین رحمہ اللہ کی دعائیں اور خصوصا" حضرت حکیم مولانا صاحب موصوف کا فیض ہے (آم کی تعبیر تعبیرالرؤیا میں فیض لکھی ہے) اللہ کریم اپنے کریمانہ دستور کے موافق از خود ان کو اس کا اجر انشاء اللہ عطا فرمائیں گے' اور دعا ہے کہ اس اجر کو مزید ہر لحہ مضاعف فرمائیں اور جو غلطیاں شعوری یا غیرشعوری اس میں ہیں' وہ بندہ کی ہیں' اللہ کریم ان کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں (قارئین خصوصا علماء سے بھی ان کی نشاندہی کی درخواست ہے) اور اپنی رحمت سے معاف فرمائیں۔ (آمین!) اور عجیب توارد ہے' کہ اسی رات راقم خاطی نے بھی خواب میں خود کو بمعہ اہلیہ عازم حرمین الشریفین دیکھا' ہوائی جہاز سے کراچی سے بذریعہ جدہ' یہاں بھی سامان کافی زیادہ دیکھا' خیال آتا ہے کہ فی کس مقررہ وزن سے تو یہ بہت زیادہ ہے' مگر کوئی باوردی افسر ہمراہ ہے' وہ اطمینان دلاتا ہے' کہ ہم ہی تو لیجانے والے ہیں---- حرمین الشریفین میں حاضری کی تمنا تو ہر مومن کے قلب میں رچی بسی ہے' ایک بار نصیب ہو جائے' تو بار بار حاضری کی تڑپ تڑپاتی رہتی ہے' یہاں تو تڑپ ہی ہے کوئی جا نہیں سکے' جانے کے لئے تڑپتے ہیں' کوئی جا کر اور آکر بھی تڑپتے چلے جا رہے ہیں۔ بہر حال بندہ کے نزدیک تو اگر جنت کے دو ٹکڑے اس عالم آب و گل میں ہیں' تو اللہ تعالٰی اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی حرمین الشریفین ہیں۔ وہاں پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا ہے' کہ "اب تک پردیسی تھے ادھر ادھر بھٹکتے رہے اب اپنے گھر پہنچے ہیں" دعاء تو یہی ہے کہ اے مولا! دنیا میں تیری رضاء کے گھر یہ ہیں' اور ایک آخرت میں ہے' محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و رافت اور عافیت سے دونوں جگہ کے لئے قبول فرما (آمین) حرمین الشریفین کی محبت اور تعظیم کی طرف اشارہ ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب (تقوی) اور ومن یعظم حرمات اللہ فهو خیر له عند ربه سے غالبًا اشارہ (خیر) کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی سعی ہذا سے تقوی اور عنداللہ خیر کی نسبت کی تعبیر بھی لی

جا سکتی ہے' اور دونوں رویاء میں اہلیہ کو ہمراہ دیکھنا شاید اس بات کی دلیل ہے' کہ اہلیہ محترمہ کے تعاون کے بغیر شاید یہ کوشش پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پاتی' اس کی محبت' خدمت' توجہ اور دعاؤں نے بندہ کی پست ہمت کو حوصلہ اور تسلسل بخشا فجزا ھا اللہ فی الدارین خیرا (آمین) (اہلیہ راقم' حضرت مولانا حکیم محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی دختر ہیں)

اس تحریر کو شروع کیا تو پہلے منتشر مختلف اوراق پر' حوالہ جات کے لئے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا گیا' دوسرا مرحلہ انہیں ترتیب سے کاپی پر نقل کرنا' وہ کچھ مختلف ہو گیا' پھر اپنے محترم غائبانہ دوست صاحب کی فرمائش پر موجودہ کاغذات پر' یہ کچھ دونوں سے ذرا مختلف ہو گیا' بہرحال ڈھانچہ سا کھڑا ہو گیا اور اس طرح تین صورتوں میں مقصدی مواد تو موجود ہو گیا۔ گویا یہ تین پیٹیاں کھول کر آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش خدمت کر دی گئی ہیں' اسے سلامت طبع کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں' انشاء اللہ کچھ نہ کچھ روحانی آم کا مزا آئے گا' مگر پھر بھی "بزرگوں" سے خوف آتا ہے' کہ یہ نہ فرمائیں کہ "آم" سمجھے بیٹھا ہے ہمیں تو آک معلوم ہوتے ہیں" اگر کسی صاحب کو یہ خیال آئے تو ان کے لئے حضرت حکیم صاحب موصوف رحمہ اللہ کی صرف وفات کا منظر پیش خدمت ہے' کہ وہ وقت انسان کی ساری زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے' اور اس وقت تصنع وغیرہ کے سارے ملمع اتر جاتے ہیں' اور حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ حضرت کی وفات؟ اللہ اکبر! جس طرح ان کی زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکامات کے مطابق (اختیاری) قابل رشک گذری' اسی طرح اللہ کریم نے ایسی مقبول زندگی کا اختتام بھی (غیر اختیاری) طور پر کئی اعلیٰ صفات و انعامات کے ساتھ کیا' مسنون یوم وفات (یوم الاثنین) باوضو' (غسل کے اخیر تک نواقض وضو اور آلائش سے مبرا) آخری نماز با جماعت کی ادائیگی' مہمان نوازی فرماتے ہوئے' درویشی کی حالت میں' کرایہ کے مکان میں' مستعمل کپڑے' اور دعوت کی چائے' نہ گھر اپنا' نہ کپڑے امیرانہ سلوا کر' نہ کھانا اپنا' بحالت فقیری اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اور اس کے پیارے نبی اکرم ﷺ کی نعت (اپنی تصنیف کردہ) پڑھتے ہوئے اللہ کریم کے پاس حاضر ہو گئے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اک عالم کو رشک ہے حضرت کی موت پر

اللھم ارزقنا (آمین)
ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

عمل حب

طبقہ عاملین میں "عمل حب" کا بہت چرچا ہے' اور اس کے متعلق بڑے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں' عمل تسخیر' طلسمی انگوٹھی' تعویذ حب' کچے دھاگے میں چلی آئے گی سرکار بندھی' وغیرہ کے پروپیگنڈے کا طوفان برپا کیا ہوا ہے' اور اس دنیائے شور و غوغا میں ہر دو قسم یعنی نوری علم اور کالے علم والے عاملین شامل ہیں جو ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں' کہ ہم سنگدل کو موم کر کے قدموں میں ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں' اور مطلوب خواہ کہیں بھی ہو' اپنے علم کے زور سے اسے چشم زدن میں حاضر کر سکتے ہیں——— مگر اس کلی ہاو ہو' کی حقیقت کیا ہے؟ دو واقعات کی روشنی میں اس کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے۔

صوفی بے چارہ

دو شخص' دونوں ہی مخلص اور مفلس' ایک نوجوان جو معمولی پڑھا لکھا تھا' دوسرا معمر' جو ان پڑھ مگر ذکر و اذکار و صاحب وظائف' نیز ہمہ وقت تسبیح بدست' اتفاقاً" ایک ہی مسجد کے درویش' نوجوان نے ایک روز بندہ سے پوچھا' کہ کیا کسی دور کے آدمی کو تعویذ وغیرہ سے لایا یا بلایا جا سکتا ہے؟ بندہ نے کہا نہیں! یہ امر قوانین قدرت کے خلاف ہے' جواباً" اس نے کہا' کہ یہ صوفی صاحب تو کہتے ہیں' کہ میں اس طریقہ سے بلا سکتا ہوں' بندہ نے کہا' تو بلوالو! دوسرے دن صوفی صاحب نے بندہ کو کہا' کہ مجھے ایک کاغذ پر آیت والقیت علیک محبة منی لکھ کر دیدو' بندہ سمجھ گیا کہ وہی کام ہے' مگر یہ یقین تھا کہ ہو گا کچھ بھی نہیں' شغل ہی سہی' آیتہ مذکورہ لکھ دی' اور پھر اس نوجوان کو کہا کہ لٹکتے نہ رہنا' پوچھ لینا کہ کتنے دن کا کورس ہے؟ دو تین ہفتہ بعد یہ

نوجوان بندہ کو کہنے لگا' وہ تو کچھ بھی نہیں بنا' بندہ نے کہا' اسی صوفی صاحب سے یہ بات کہو! تو جواباً" صوفی صاحب نے فرمایا' کہ دو چیزوں میں فرق رہ گیا' اول یہ کہ اس نے تو پین سے آیت لکھ دی' حالانکہ وہ زعفران کی روشنائی سے لکھنی تھی' اور قلم بھی سرکنڈے کی نئی چاہیے تھی' دوسرے یہ کہ موزوں آدمی سے لکھوانی تھی لہٰذا اب میں زعفران سے فلاں صوفی صاحب سے جو ان کے پیر بھائی تھے' لکھوا کر دوں گا' چنانچہ یہ کسر بھی پوری کر لی گئی اور دن مقررہ گزر گئے' مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ کامیابی کے آثار تک نظر نہ آئے تھے' نوجوان دل گرفتہ بندہ کے پاس آیا اور پھر وہی بات کہی کہ "اجی وہ تو کچھ بھی نہ بنا" راقم نے عرض کیا' کہ بندہ نے تو ابتدا" ہی میں آپ سے عرض کر دیا تھا کہ یہ کام اللہ کریم کے مقرر کردہ قانون فطرت کے خلاف ہے' لہٰذا یہ کام بالکل نہیں بنے گا' اور اگر اب بھی صوفی صاحب کوئی مزید کسر پوری کر کے یہ کام کر سکتے ہوں' تو انہیں کہنا کہ ایک آدمی آپ کو پانچ سو روپے پیش خدمت کرے گا' اگر وہ اسی عمل سے "اندرا گاندھی" کو یہاں بلا دیں' اس لیے کہ یہ تو دوسرے ایسے کاموں کی نسبت بہت بڑا نیکی کا کام ہے' کیونکہ وہ خبیث عورت ہر سال ہندوستان میں جب بھی کوئی مسلمانوں کا تہوار عید و بقر عید وغیرہ آئے' یا ہندوؤں کا تہوار ہولی دیوالی وغیرہ آئے' تو ہر تہوار پر ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو اس لیے شہید کرا دیتی ہے' کہ ہندوؤں کو خوش کر کے ان سے ووٹ حاصل کر لے' لہٰذا آپ اپنے عمل سے اسے یہاں بلا دیں۔ تاکہ ہم اس کا گلا گھونٹ دیں' اور ان مظلوم ہندوستانی مسلمانوں کی کچھ دیر کے لیے' اور کسی حد تک تو جان چھوٹے' اور مزید یہ کہ صوفی صاحب اخبار میں بھی اشتہار دے دیں' کہ میں اپنے اس عمل سے پھانسی کی کوٹھڑی میں پھانسی کے منتظر قیدیوں کو' تعویذ پر اسوار کرا کے' اڑا کر ان کے گھر پہنچا سکتا ہوں' اس لیے ایسے قیدیوں کے وارث صوفی صاحب سے رابطہ کریں' اور پھر ان سے فی کس ہزاروں لاکھوں روپے فیس وصول کر کے چند دنوں میں کروڑ پتی بن جائیں' وہ اب یہاں کیوں اس مسجد میں دو وقت کی روٹی کو ترستے ہیں؟ مگر صوفی صاحب بیچارے خاموش! کیوں؟ اس لیے کہ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں حضرت شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا۔

کالا علم اور نوری علم

اہلیہ کے پاس چند خواتین آئیں' ایک ضعیفہ کہنے لگی' میرا داماد میری بیٹی کو بہت تنگ کرتا ہے' کوئی ایسا تعویذ دو' کہ وہ ٹھیک ہو جائے' بندہ سے رابطہ ہوا' تو بندہ نے کہا' اماں' تیری بیٹی اپنے خاوند کی نافرمان ہو گی' وہ بولی' نہیں! میری بیٹی تو گئو (گائے) ہے' اس کے منہ میں تو زبان ہی نہیں۔ بندہ نے کہا تو تو اس کی ماں جو ہوئی' اس لیے اسی کی حمایت کرتی ہے' اس کی ساس کو لے کر آ کہ اس سے پوچھوں' کہ کس کا قصور ہے؟ اس پر وہ ضعیفہ تو چپ ہو گئی' مگر ایک دوسری عورت جو ذرا تیز طراز تھی' کہنے لگی' اماں' وہ جو ـــــــ پیر صاحب ہیں' اس کے پاس چلی جا' وہ پانچ سو روپے لے گا' اور تمہیں ایسا تعویذ دے گا' کہ تمہارا داماد تمہاری بیٹی کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے پھرنے گا۔ یہ سن کر وہ ضعیفہ بولی' اگر کسی کے پاس پانچ سو روپے نہ ہوں' (یہ ۱۹۸۰ء کے قریب کا واقعہ ہے جبکہ اس وقت کے پانچ سو روپے آج کے پانچ ہزار سے بھی زیادہ وقعت رکھتے تھے) راقم کو اس مشورہ دینے والی عورت کی بات سے خاصی کلفت ہوئی' کیونکہ اس عورت کا بہ سلسلہ علاج اکثر آنا جانا رہتا تھا' اور وہ بے شمار مشہور مزاروں' عاملوں اور گدیوں کے علاج سے ناکامی کے بعد' الحمد للہ کامیاب ہو چکی تھی' کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد (دو بیٹے ایک بیٹی) کی نعمت سے نوازا تھا' اور بندہ اسے تصحیح عقائد و اعمال کی دعوت بھی دیتا رہتا تھا' اور یہ عورت کچھ اردو تعلیم یافتہ بھی تھی' لہٰذا پھر جب وہ دوبارہ آئی' تو راقم نے اسے اس کے اس قول "بیوی کے پیچھے خاوند کے ہاتھ باندھے پھرنے کے تعویذ" کے متعلق کچھ عرض کی' کہ آپ نے کسی عورت سے سن سنا' کر بغیر تحقیق اس کی غلط بات پر یقین کر لیا' اکثر ایسی عورتیں ان ایمان کے لٹیرے عاملین کی ایجنٹ ہوتی ہیں' مسلمان کو تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کلام مبارک پر اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی کلام مبارک پر یقین کرنا چاہیے' اور جو چیز بھی ان کے خلاف ہو' اس پر ذرہ بھر یقین تو کیا' ادھر توجہ بھی نہیں کرنی چاہیے۔ احادیث مبارکہ کی کتابیں تو بہت زیادہ ہیں' مگر قرآن پاک تو ایک ہی ہے' تم خود پارہ نمبر ۲۸ سورہ التحریم کی آخری آیات کا ترجمہ پڑھ کر دیکھ لینا' وہاں اللہ جل شانہ نے یہ مسئلہ بالکل

صاف اور واضح فرمایا دیا ہے۔ آپ نے جس پیر صاحب کے تعویذ کا ذکر کیا ہے' وہ یا تو نوری علم کا تعویذ دیتا ہو گا یا کالے علم کا (جادو کا) نقش دیتے ہوں گے' تیسرا علم تو کوئی اور ہے نہیں' (ایک ثقہ راوی کے مطابق مذکورہ پیر صاحب ایک عورت کو ایک "نقش" دے کر ہدایت فرما رہے تھے' کہ کالے جو لے کر اس کی روٹی پکانا (غالباً" ناپاک حالت میں) اور اس آٹے میں یہ نقش ڈال دینا' اور پھر ایسی کالی رات کو جب چاند طلوع نہیں ہوتا (غالباً" ۲۸ ویں رات) اندھیرے میں کسی ایسے کتے کو یہ روٹی کھلا دینا' جو مکمل طور پر سیاہ ہو' یعنی ایک بال بھی سفید اس کے بدن پر نہ ہو' ظاہر ہے کہ یہ سب "کالے امور" "کالے علم" اور "کالے عمل" کے لوازمات ہی ہیں) اس لئے آیئے اب ہم دیکھتے ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ عزوجل سے عرض کرتے ہیں' کہ ہمیں نوری یا کالے علم سے کسی کو تابعدار بنانے کے مسئلہ کی حقیقت بیان فرمائیں' کہ ہم سرا سر بے علم اور محتاج ہیں' جواب سنئے وضرب اللہ مثلا" اللذین کفروا امراۃ نوح و امراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا ھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا و قیل ادخلا النار مع الداخلین ○ وضرب اللہ مثلا" للذین امنوا امراۃ فرعون اذ قالت رب بن لی عندک بیتا فی الجنۃ و نجنی من فرعون و عملہ و نجنی من القوم الظالمین ○ (ترجمانی) اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے کفار کے معاملہ میں (حضرت) نوحؑ کی بیوی اور (حضرت) لوطؑ کی بیوی کی' کہ دونوں ہمارے صالح بندوں (انبیاءؑ) کی بیویاں تھیں' مگر انہوں نے جب اپنے خاوندوں کے مقابلہ میں (اپنی قوم کے کفار کی حمایت کر کے) اپنے خاوندوں کی خیانت کی' (تو پھر) ان کے (نبی) خاوند بھی انہیں اللہ (کے عذاب سے) ذرا بھی نہ بچا سکے' اور ان کافر عورتوں کو (ہمارا سرکاری) آرڈر جاری کر دیا گیا' کہ جاؤ! جہنم کی آگ میں' تم بھی دوسرے جہنمیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اور ایمان والوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ فرعون کی بیوی کی مثال فرماتا ہے' کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' کہ "اے میرے رب! (میں اب تیری راہ میں شہید ہو رہی ہوں) آپ میرے لیے اپنے پڑوس میں جنت میں مکان عطا فرما دیں' اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا لیں' اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات عطا فرمائیں۔ فرعون کی بیوی "آسیہ" اسلام قبول کر چکی

تھیں' اور فرعون (شاید اس وجہ سے کہ جب اس کی بیوی ہی اس کی باغی ہے تو رعایا کیسے مطیع ہو گی) اسے دھمکیاں دیتا تھا' کہ تو موسیٰؑ کا دین چھوڑ دے' ورنہ میں تمہیں اپنی فرعونی سزا سے ہلاک کر دوں گا۔ (فرعون "ذو الاوتاد" تھا' یعنی "ملزم" کو چت لٹا کر اس کے سر' سینہ' ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی میخیں ٹھکوا کر ہلاک کرواتا تھا) مگر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے اس دھمکی کی کوئی پروا نہ کی' اور اس ظالم نے اسی طریقہ سے انہیں شہید کر دیا' اس آخری وقت شہادت حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ دعا کی تھی' یعنی اس جسمانی طور پر کمزور عورت نے فرعونی مظالم برداشت کئے' مگر دین حق کو نہ چھوڑا' ان دونوں واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوری علم اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کسی فرد بشر کے پاس نہیں ہوتا' مگر یہ دونوں انبیاءؑ اپنی بیویوں کو اپنے نوری علم سے اپنا تابعدار نہیں بنا سکے' اور فرعون سے بڑا کافر آج تک دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا' جس کے ماتحت کم و بیش ستر ہزار جادو گر تھے' مگر فرعون بھی معہ اپنے ہزاروں جادوگروں کے ایک کمزور سی عورت کو بھی اپنے "کالے علم" سے اپنا تابعدار نہ بنا سکا' لہٰذا کالے پیلے اور نوری علم کی کچی پلی باتیں کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کو خراب نہ کرنا چاہیے۔ اللہ کا شکر ہے' کہ اس عورت نے پھر ایسی کوئی بات نہیں کی۔

"حب زوجین کا صحیح عمل"

سب سے پہلے تو اس عمل "حب زوجین" کی ضرورت اور اس کے ضرورت مندوں کے متعلق کچھ معروضات پیش خدمت ہیں' کہ اس عمل کی ضرورت مرد حضرات کو تو بہت کم پیش آتی ہے اور یہ ضرورت بھی عموماً" فریق ثانی کے رد عمل کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے' کیونکہ مرد تو اپنی جبلی و فطری صفات کی بنا پر جنس لطیف کی طرف نسبتہً زیادہ کشش اور التفات رکھتا ہے' مگر جب اس کی اہلیہ ایک یا ایک سے زیادہ ایسے غلط اعمال پر مسلسل اصرار کرتی چلی جاتی ہے' تو اس کے تدارک کے لیے اس کو کوئی ایسا حیلہ و علاج کرنا پڑتا ہے' اور ایسی عورت کے غلط اعمال کیا ہیں؟ اول یہ

کہ نفس اور شیطان اسے اس لائن پر لگا دیتے ہیں' کہ وہ زبان یا اپنے عمل سے خاوند کو اپنے اس نظریہ کی قائل اور عامل بنانا چاہتی ہے' کہ میں تو اپنے ماں باپ کو چھوڑ آئی ہوں' لہٰذا تم بھی اپنے ماں باپ کو چھوڑ دو' بس اب تو تم ہو اور میں ہوں' تم کماؤ اور ہم دونوں کھائیں' عیش اور موج کریں' یہ بڈھے کھوسٹ کیوں ہمارے رنگ میں بھنگ ڈالتے ہیں؟ (حالانکہ یہ نظریہ کئی بنا پر غلط ہے' اول یہ کہ وہ عورت اگرچہ ظاہری طور پر والدین سے جدا ہو گئی ہے' مگر دل اس کا ابھی تک وہیں اٹکا ہوا ہے' (اگرچہ کسی حد تک تو والدین کی محبت اور تعلق فطری ہیں' جن کا کوئی ضرر نہیں) اور اس کی والدین سے اس "مزعومہ جدائی" کا بھانڈا اس وقت پھوٹ جاتا ہے' جب خاوند اس کو اس کے والدین کے پاس جانے سے منع کر دے' پھر دیکھیں کہ وہ کتنا شور شرابہ کرتی ہے' دوسری بنا اس غلط عمل کی یہ ہے' کہ یہ عمل اس اسلامی بلکہ انسانی نظریہ کے ہی خلاف ہے' کہ پہلے فریقین میں سے جس طرح قوی ضعیف کی پرورش کرتا تھا' اب بھی اسی عمل کا تسلسل برقرار رہنا چاہیے' یعنی پہلے والدین قوی تھے اور اولاد ضعیف' اب صورت حال یوں مختلف ہو گئی' کہ والدین ضعیف ہو گئے اور اولاد جوان ہو کر قوی ہو گئی' بیٹی تو پرایا دھن ہوتی ہے' لہٰذا اب بیٹوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے' کہ وہ والدین کی پرورش کریں' مگر عین اس شدید احتیاج کے وقت بی بی صاحبہ اپنے شوہر کو اپنے مذکورہ نظریہ کی قائل کر کے اپنے سسر اور ساس کو بے سہارا چھوڑنا چاہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس ظلم کی نحوست ضرور رنگ لائے گی' مگر اپنے وقت پر! ادھر والدین کا یہ حال ہوتا ہے' کہ وہ تو فطری اور موروثی جذبہ یعنی محبت اولاد کی وجہ سے اپنی اولاد پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں' (اولاد کی محبت موروثی یوں ہے کہ اولین مرد اور عورت یعنی بابا آدمؑ اور اماں حوا کی اولاد ساری دنیا کے انسان ہیں' مگر حضرت آدمؑ اور حوا کے والدین کوئی نہیں تھے' لہٰذا جو چیز موجود تھی اس کی اہمیت اور محبت بھی ان کے قلوب میں [illegible] تھی یعنی اولاد کی' اور جو چیز موجود نہیں تھی یعنی والدین' ان کی اہمیت [illegible] موجود نہ تھی' اور یہی صفت اولین سب انسانوں میں موجود ہے' یعنی والدین کی محبت نہیں موجود' اور اولاد کی محبت موجود! اسی عدم توازن کی وجہ سے والدین کے حقوق اور ان کی عظمت اور خدمت پر شریعت نے خصوصی زور دیا ہے' اور چونکہ

اولاد کی محبت تو پہلے ہی موجود تھی' لہٰذا اس کے متعلق نسبتاً" کم توجہ دلائی گئی' والدین کی عزت و مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ واعبدو اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا ○ (سورہ النساء آیت ۳۶) اور تم سب اللہ کی بندگی کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو!
سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی کا مفہوم ہے کہ "اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو' اگر ان میں سے تمہارے پاس کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں تم اف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان کے ساتھ احترام کے ساتھ بات کرو' اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو' اور ان کے لیے یہ دعا کیا کرو کہ "اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا" (آیتہ ۲۴)
اور حدیث شریف کے مضمون کے مطابق' اگر والدین تم سے راضی ہیں' تو تمہارے لیے یہی جنت' اور اگر ناراض ہیں تو یہی جہنم وغیرہ' اور اس کے برعکس اولاد کی صحیح اسلامی تربیت پر تو زور دیا گیا ہے' مگر ان کے حقوق وغیرہ کے متعلق تاکیدی انداز بیان اختیار نہیں فرمایا گیا' اس لئے کہ اولاد کی محبت تو دلوں میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ تو اب وہ والدین' جنہوں نے اپنا تن من دھن ننھے بچوں کی محبت اور پرورش میں کھپا دیا' ضعیف ہو کر ہر قسم کی امداد اور سہارے کے محتاج ہو گئے' لہٰذا ان کے بیٹوں کا یہ فرض بنتا ہے' کہ ان کے احسانات کا بدلہ چکائیں' مگر اسی وقت عین شدید احتیاج اور کسمپرسی کے عالم میں نو آمدہ بی بی صاحبہ اپنی محبت اور خیر خواہی کے رنگ میں انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ اپنے شوہر کو دیتی ہے' تو اس سلوک پر جو کیفیت بوڑھے والدین کے دلوں کی ہوتی ہو گی' آپ اس کا ذرا اندازہ ہی لگا لیں' کہ وہ بیچارے اب کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ جب ان کی حقیقی اولاد نے ان کو نہیں سنبھالا' جس کو انہوں نے بڑے ناز و نعم اور لاڈ پیار سے پالا تھا' تو غیروں سے ان بیچاروں کی خدمت یا امداد کی کیا امید؟ اور غالباً" اسی جرم عظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء! یعنی اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا یہاں

نہیں وہاں ملے گی' اگر دنیا میں ہی ہر نیکی کا انعام فوراً مل جاتا تو سب لوگ نیک بن جاتے اور اگر ہر گناہ کی سزا فوراً" ہی مل جاتی تو کوئی فرد بھی گناہ نہ کرتا' مگر والدین کو ستانے کی سزا اللہ تعالیٰ نے آخرت پر موقوف نہیں فرمائی' بلکہ دنیا میں بھی اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے' اور آخرت میں بھی! کہ جیسا سلوک' اولاد' ماں باپ کے ساتھ کرتی ہے' اس اولاد کی اولاد ویسا ہی سلوک اس کے ساتھ کرتی ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کیا خوب سودا نقد ہے۔ اور جو لوگ اپنے والدین کے حقوق بقدر استطاعت' احسن طریقہ سے ادا کرتے ہیں' اور ان کی بیش بہا دعاؤں سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں' اور دوسرے احکام شرعیہ پر بھی عمل پیرا ہیں' ان کے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بلکہ اولیاء اللہ ہونے میں کیا شبہ؟ (غالباً ایسے ہی پہلی قسم کے کچھ لوگ اپنی اہلیہ کی طرف سے اپنے والدین کے ساتھ منفی رویہ کی اصلاح کے لیے حب زوجین کی ضرورت محسوس کرتے ہیں) دوسری وجہ خاوند کے لیے حب زوجین کے عمل کی یہ ہو سکتی ہے' کہ عورت امیر گھرانہ کی اور خاوند غریب ہو' تیسری وجہ یہ کہ خاوند معمولی شکل و صورت کا اور بیوی حسینہ و جمیلہ ہو' کبھی اس کا برعکس بھی ہوتا ہے' کہ خاوند حسین و جمیل اور بیوی معمولی شکل صورت کی' (بدصورتی کا لفظ بندہ صحیح نہیں سمجھتا' کیونکہ یہ اعتراض "تصویر پر" نہیں بلکہ "مصور" پر قرار دیا جا سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ) اور اس فرد کو جسے دوسرے "بدصورت" سمجھتے ہیں' اسے تو اپنی نظروں میں اپنے سے زیادہ حسین کوئی بھی نظر نہیں آتا' اور پھر یہ "حسن" کا معیار بھی "متفقہ عالم" ابھی تک تو وجود میں نہیں آیا' کہ ہر ملک و قوم کا میعار حسن علیحدہ ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک خطہ کا "حسن" دوسری جگہ "مروجہ" بدصورتی سمجھا جاتا ہے' برصغیر ہندو پاکستان میں گورا رنگ' ستواں ناک' سرگیں آنکھیں اور لمبی گردن معیار حسن ہے' مگر افریقہ میں سیاہ رنگ' چپٹی ناک اور موٹے ہونٹ معیار حسن ہے' وہاں اگر کوئی بچہ شومئی قسمت سے گندمی رنگ کا ان میں پیدا ہو جائے' تو وہ اس بدصورت بچہ کو حسین بنانے کے لیے اسے تیل مل مل کر اس وقت تک دھوپ میں ڈالے رکھیں گے جب تک وہ دوسروں کی طرح سیاہ رنگ کا حسین نہ ہو جائے۔ چین' جاپان' انڈونیشیا وغیرہ میں چوڑا چہرہ' چپٹی ناک' چھوٹی چھوٹی آنکھیں' زرد رنگ' اور گردن عنقا' یہ میعار حسن ہے' اور پھر

یہ سارا کھڑاگ ہی نظر کا فریب قرار دیا جا سکتا ہے' مطابق غیر ملکی ضرب المثل "کہ چراغ بجھا دو سب عورتیں یکساں ہو جائیں گی" یعنی اس حسن و جمال کا مسئلہ ہی اس "روشنی نما اندھیرے" کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اپنے مقصد تخلیق کو ہمہ وقت مستحضر رکھا جائے' تو یہ امور حصول خیر و حیات طیبہ میں کوئی مانع نہیں بن سکتے' کہ اگر زوجین میں غیر اختیاری صفات کا تفاوت ہے' مگر اختیاری صفات و اعمال مطابق شریعت ہیں' تو یہی غیر اختیاری صفات' جو یہاں فریق ثانی کے لیے طبعاً" پسندیدہ نہیں' ایک وقت آئے گا کہ اتنی اعلیٰ اور احسن اور دائمی بنا دی جائیں گی کہ کسی انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتیں' یعنی مرد اور عورتیں جب جنتی مخلوق بن جائیں گے' تو ان کی صفات حسن و جمال اس شان کی بنا دی جائیں گی کہ اگر ایک جنتی کا بال اس زمین پر گر جائے' تو اس کے نور اور روشنی اور حسن سے سورج کو گرہن لگ جائے' اور اس زمین کے ہزاروں میل لمبے ہزاروں میل چوڑے' اور ہزار میل گہرے کڑوے اور بدبو دار پانی کے سمندر میں ایک جنتی صرف تھوک دے' تو یہی پانی اتنا میٹھا اور خوشبودار ہو جائے کہ لوگ بوتلوں میں بھر کر دوسروں کو تحفہ بھیجیں' اور پھر جب سب لوگ جنت میں جا چکے ہوں گے' اور جنتی زندگی وہاں جاری و ساری ہو گی' ایک دن وہاں ایسی تیز' ٹھنڈی' لطیف اور رنگین روشنی ساری جنت کی فضا میں اچانک نمودار ہو گی' جیسے ہم یہاں کبھی بڑے شہاب ثاقب ستارہ کو ٹوٹنے سے' بڑی تیز رنگین روشنی کی بڑی اور واضح لکیر دیکھتے ہیں' اس نئی روشنی سے جنت کی دوسری روشنیاں ماند پڑ جائیں گی' اور سب جنتی بہت حیران ہوں گے' کہ یہ کیسی عجیب اور اعلیٰ نئی روشنی ہے' پھر جنت کے "دفتر معلومات" میں ٹیلیفون کر کے دریافت کریں گے' تو معلوم ہو گا کہ ایک جنتی مرد اور اس کی حور آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے' کہ کسی بات پر اس کی حور کھل کھلا کر ہنس پڑی' اس کی ہنسی سے یہ روشنی پیدا ہوئی ہے' اور پھر وہاں بدن کی کثافت ختم اور لطافت باقی رہ جائے گی' بدن شیشہ کی مانند بنا دیا جائے گا' دنیا کی نایاب چیزیں ایسی عام عطا فرمائی جائیں گی کہ جنتیوں کے محلات سونے چاندی کی اینٹوں اور کستوری کے گارے سے تعمیر کیے جائیں گے' سب سے بڑی نعمت اللہ کریم کی زیارت بے حجاب اور اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا پانی زبان

مبارک سے اپنی کلام قرآن مجید کی تلاوت سے جنتیوں کو سرفراز فرمانا' غرض یہ کہ اللہ کریم کی رضا کے اس مقام (جنت الفردوس) میں ایسی ایسی بے مثال اور لازوال نعمتیں' اور دائمی زندگی عطا فرمائی جائے گی' جو اب کسی انسان کے خیال و تصور میں بھی نہیں آسکتیں مگر یہ سب کچھ اللہ جل شانہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی محبت اور تابعداری سے ہی ملے گا۔ اپنی مرضی جو خلاف شریعت ہو' چھوڑنی پڑے گی' اور مسلمان بیوی کے لیے تو یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اپنے خاوند کی (مطابق شریعت) بات ماننا صرف وہ ہے' جو اس عورت کی اپنی مرضی کے بیشک خلاف ہی ہو' اور اگر خاوند کی وہ بات اس نے مانی جو اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہی تھی' تو وہ تو اپنے نفس کی مانی بات ہی ہوئی' یہ بہت اہم نکتہ ہے' اور نفسیاتی معاملہ بھی ہے۔ بعض لوگ اپنے کسی اہم معاملہ میں کسی مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھتے ہیں' مگر جواب اپنی مرضی کے مطابق نہیں آتا' تو کسی دوسرے عالم اور مفتی صاحب کی خدمت میں مسئلہ لکھ کر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں سے بھی جواب اپنی پسند کا نہ ملا' تو تیسرے مفتی صاحب سے رجوع کیا' حتی کہ کسی مفتی صاحب نے سائل کے استفتاء کے الفاظ سے اپنے اجتہاد سے ایسا جواب عطا فرمایا' جو عین سائل کی مرضی کے مطابق ہے تو سائل اب بے حد خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے' کہ یہ (آخری) مفتی صاحب سب سے بڑے عالم اور شمس العلماء ہیں' مگر حقیقت کیا ہے؟ اگر شخص مذکور ذرا بھی فہم و تدبر سے کام لے' تو اسے معلوم ہو جائے گا' کہ اس کا پسندیدہ عالم سب سے بڑا مفتی نہیں' بلکہ خود تیرا نفس سب سے بڑا مفتی ہے' کہ جب تک تیرے نفس کی خواہش کے مطابق فتویٰ نہیں آیا' تو نے کسی اور فتوے کو قبول نہیں کیا' اور مفتی تو صرف مفتی ہوتا ہے "مفتش" یعنی تفتیش کرنے والا نہیں ہوتا' اسے اصل واقعہ کی کیا خبر' وہ تو صرف استفتاء کے الفاظ کے مطابق اپنے فہم و اجتہاد سے فتویٰ دیتا ہے' اگر تو نے واقعی شریعت کی پابندی کرنی ہوتی تو پہلے مفتی صاحب کے فتویٰ پر ہی عمل کرتا' مگر اب اس طرح تیرے نفس نے تجھے یہ بہلاوا دے کر گناہ پر مطمئن کر دیا ہے' اور حقیقتاً" یہ سارا دھندہ "خدا پرستی" کا نہیں بلکہ "خود پرستی" کا ہے۔ بعض اوقات زوجین میں اگر صوری فرق (بمطابق معیار مروجہ) انہیں زیادہ ہی محسوس ہوتا ہو' تو ان میں سے ایک فریق دوسرے کی خوبیوں کو

مستحضر کر کے' کسی خوش طبعی سے اس احساسِ منفی کا کچھ ازالہ بھی کر سکتا ہے' ابن جوزی رحمہ اللہ نے "لطائف علمیہ" میں ایک ایسا ہی لطیف واقعہ بیان کیا ہے' کہ ایک مرد۔ خوبصورت اور اس کی زوجہ مقابلتہً بہت' معمولی شکل و صورت والی تھی' (جسے ہر زمانہ میں لوگ "بدصورت" کہتے آئے ہیں) اس تفاوت کا کچھ کچھ احساس دونوں کو تھا' غالباً" ایک دن بیوی کی کسی بات پر خاوند نے انقباض محسوس کیا' مگر اس نے اس انقباض کو فساد بنانے کی بجائے خوش طبعی سے اصلاحی لطیفہ بنا دیا' کہ بیوی سے کہا' بی بی! الحمد للہ ہم دونوں جنتی ہیں! وہ بولی' کیسے؟ کہا' میں آپ کو دیکھ کر صبر کرتا ہوں' اور آپ مجھے دیکھ کر شکر کرتی ہیں' اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہیں!

مرد کی طرف سے عمل "حب زوجین" کی ضرورت اور وجوہات کے بعد' اب عورتوں کی طرف سے اس کی ضرورت اور وجوہات کا بیان ملاحظہ فرمائیے' اول یہ کہ اکثر اس کی شائق خواتین ہی ہوتی ہیں' اگرچہ عورت کا خاوند اس سے اچھا سلوک کرنے والا' اور عورتوں کی لغت میں اس کا "بندہ" ہو' مگر عورت کی پوری طرح تسلی نہیں ہوتی' کیونکہ وہ اس سے اپنی کامل اور بلا شرکت غیرے اطاعت کی طلبگار ہوتی ہے' (خواہ اسے تسلیم نہ ہی کرے) اور اسی غیر مشروط اطاعت کا نام "حاکمیت" ہے اور وہ اس حاکمیت کی حدود کی توسیع میں اتنی وسعت قلبی کا ثبوت دیتی ہے' کہ اسے اپنی اس حاکمیت کی حد ہی نظر نہیں آتی' جس کے لیے وہ ھل من مزید کا وظیفہ دل میں جپتی رہتی ہے' اور اس کے لیے وہ کسی عامل سے "حب زوجین" کے عمل کی طالب ہوتی ہے۔ مگر بہ نظر غائر اسے دیکھا جائے' تو یہ سب چکر نفسانی ہے' سب سے پہلے یہ کہ یہ الرجال قوامون علی النساء کے خلاف ہے' کہ رعایا راعی بننا چاہتی ہے' دوسرے مذکورہ دربیان سابقہ وجہ' کہ شوہر کے والدین کے حقوق کی پامالی ہے' تیسرے یہ کہ اس عورت کے لیے مقام رضاء الٰہی کے بہ آسانی حصول کی سکیم کو ناکام بنا کر' اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے مقام کی طرف دھکیلنے کی' شیطانی سکیم کی کامیابی کا عمل ہے' اور وہ اس طرح کہ مومن اس دنیا میں اپنے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی بے مثال اور لا زوال میراث "جنت" (جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے) کے دوبارہ حصول کے لیے آیا ہے' اور اس مقصد کے لیے وہ سب اعمال پر کار بند ہوتا ہے' جو سرکار عالی جل جلالہ

نے اپنی دائمی اور آخری شریعت کی صورت میں ہمارے لیے عطاء اور ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ان اعمال کا دائرہ کار مردوں کے لیے تو بہت ہی وسیع ہے' جو ساری دنیا کے معاملات پر مشتمل ہے۔ اور مرد ان سب امور میں ذمہ دار اور مسئول ہے' ان سب امور میں کامیابی کے بعد ہی اسے جنت مل سکتی ہے' مگر مقابلتہ" عورت کا دائرہ کار بمطابق شریعت بہت محدود ہے (آج کل کے ابلیسی نظرہ "کلی مساوات مردوزن کے مطابق نہیں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے احکامات پر عمل' اولاد کی صحیح اسلامی تربیت' اور خاوند کی خدمت' اور اس کی امانت میں عدم خیانت' یہ سب اعمال صرف اپنے گھر کے محدود حلقہ میں سرانجام دے کر بھی وہ جنت کی مستحق ہو سکتی ہے' بمطابق مضمون حدیث شریف کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں' ہر دروازہ ایک خصوصی عمل اور اس کے عاملین کے داخلہ کے لیے مخصوص ہے' مثلاً "باب الصلوۃ" حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری آدمی تک' جو لوگ فرض نمازوں کے بعد نوافل بکثرت ادا کرتے تھے' وہ سب اس دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے' اور جو لوگ فرض روزوں کے بعد نفلی روزوں کا زیادہ اہتمام اور کثرت پر عمل کرتے تھے' وہ باب الصیام میں سے داخل ہوں گے۔ جو لوگ زکوۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات کا بکثرت اہتمام کرتے تھے' وہ باب الزکوۃ میں سے داخل ہوں گے' اسی طرح باب الحج' باب الجہاد وغیرہ قیاس فرما لیجئے' نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا' حضور! کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو گا' جو ان مذکورہ سب اعمال میں کامل ہو' جواباً" حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم ہی ایسے شخص ہو گے' (مفہوم) ایک دوسری حدیث شریف کا مفہوم ہے' کہ جو مسلمان عورت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتی ہے' بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کرتی ہے اور خاوند کی امانت میں خیانت نہیں کرتی تو وہ جنت کے جس دروازے میں سے چاہے داخل ہو جائے' دیکھئے کس آسانی سے مسلمان عورت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جزوی مساوات حاصل ہو گئی' جبکہ کسی اور مرد کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوئی' مگر نفس اور شیطان اس کو اتنی آسانی سے یہ مقام حاصل نہیں کرنے دیتے' بلکہ اس کو دوسری لائن پر لگا دیتے ہیں جس کا پہلے ذکر ہو چکا' کہ اب تو صرف تجھے ہی اس

گھر کی ملکہ اور مالکہ ہونا چاہیے' کیونکہ تو تو اتنی زبردست قربانی دے کر آئی ہے' کہ اس شخص کے لے تو اپنے ماں باپ' بہن بھائی' سہیلیوں اور پر عیش زندگی ہی چھوڑ کر آئی ہے' لہٰذا اس قربانی کا صلہ کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہیے' کہ یہ شخص صرف "تمہاری ہی بات مانے" تمہارا اس کے سوا اب اور کون ہے؟ مگر اس کے تو یہاں سارے لوگ ہیں۔ تمہارا ہی کوئی نہیں۔ حالانکہ یہ نظریہ عقلاً" اور شرعاً" غلط ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو گھر کا "قوام" بنایا ہے' اور ظاہر ہے کہ جو ادارہ کا قوام (نگران حاکم) ہو گا' بات اسی کی مانی جائے گی مگر یہاں ترتیب الٹ کر دی گئی' کہ گھوڑا پیچھے اور تانگہ آگے کر دیا گیا' مگر زور لگا رہے ہیں کہ گاڑی چلے' مگر وہ نہیں چلتی' اس لئے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی حدود توڑے گا اس کی شامت تو ضرور پڑے گی۔فی الوقت تو جہالت اور مغربی تہذیب (ٹی وی وی سی آر بے حجابی اور مخلوط مجالس وغیرہ) نے زبردست تباہی پھیلا رکھی ہے اور ہم لوگ اس میٹھے زہر کو "نعمت غیر مترقبہ" سمجھ کر ہڑپ کر رہے ہیں' نہ ہمیں موت' آخرت یا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا خیال آتا ہے' اور نہ ہمیں "علمائے حق" سے شریعت مطہرہ کے مسائل دریافت کر کے اپنی زندگی کو صحیح طریقے پر بسر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ایک دو امور کا ذکر غالباً" بے محل نہ ہو گا۔ کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ احکام شریعت ابھی تھوڑے سے ہی نازل ہوئے تھے' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پڑوسی غیر مسلم ممالک میں بہ سلسلہ سفر گئے' اور واپس آکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی' حضور ہم نے ایران' روم اور شام وغیرہ میں دیکھا کہ وہ اقوام اپنے بادشاہ کی بے حد عزت و تعظیم کرتی ہیں' ان کے آگے ہاتھ باندھ کر چپ چاپ عاجزی سے کھڑے ہوتے ہیں جب آگے بڑھنے اور بولنے کی اجازت ہوتی ہے کہ آگے بڑھ کر وہ سب سے پہلے اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں' پھر اٹھ کر خاموشی سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں' پھر اذن بار یابی و گفتگو کے بعد اپنے بادشاہ کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ پھر حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ مگر ہم تو بے تکلفی سے صرف السلام علیکم کہہ کر آپ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' اور بات چیت شروع کر دیتے ہیں (حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں

بالکل گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ آپ کو ان سے ممتاز علامت تفوق پسند نہ تھی' اسی لئے بعض نووارد اشخاص کو پتہ نہ چلتا کہ ان لوگوں میں سے حضور نبی کریم ﷺ کون سے ہیں لہٰذا وہ دریافت کرتا تو صحابہ کرام ؓ اسے بتاتے کہ یہ صاحب جو گورے چٹے تشریف فرما ہیں یہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں) اس سے ہماری تسلی نہیں ہوتی' کہ وہ لوگ اپنے جھوٹے بادشاہوں کی اتنی زیادہ عزت کریں' اور ہم صرف اسلام علیکم پر ہی اکتفا کر لیں' اس لیے آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں' کہ ہم آپؐ کو سجدہ کیا کریں' تو آپ نے جواباً" فرمایا کہ جس ذات اقدس نے سر کو پیدا فرمایا ہے صرف وہی ذات سجدہ کے لائق ہے' اگر امت میں سے کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا' تو میں مسلمان بیویوں کو حکم دیتا' کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ ان فرامین متبرکہ کی روشنی میں خاوند کے مقام' حقوق اور ان پر عمل پیرا ہونے کے دنیوی و اخروی فوائد کا کچھ بیان ہو گیا' مگر شیطان یہ گوارا نہیں کر سکتا' کہ کوئی عورت اتنی آسانی سے جنت کی حقدار بن جائے لہٰذا وہ الٹی پٹیاں پڑھاتا ہے۔ اور بجائے اس صحیح طرز عمل کے' کہ وہ عورت اپنی روش پر نظر ثانی کرے' توبہ و استغفار اور اپنی اصلاح کرے' خاوند سے بھی معافی مانگے' وہ دوسرا عام غلط راستہ اختیار کرتی ہے۔ کہ اپنے کو بے قصور اور خاوند کو قصور وار سمجھ کر ایسے غلط عاملین کے پاس جاتی ہے' اور وہ عیار' مختلف نفسیاتی ہتھکنڈوں اور شعبدہ بازیوں سے اس کا مال اور ایمان اور عزت لوٹتے ہیں اگر تقدیراً" کسی حد تک کسی عورت کو مطلوبہ کیس میں کچھ کامیابی نظر آتی ہے تو وہ محض عارضی ہوتی ہے کہ زوجین میں پھر وہی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں کہ میں میکے ضرور جاؤں گی تم بڈھوں کے پاس نہ جانا' ساس نند' اور بچوں کی رشتوں کی ذمہ داری وغیرہ کے معاملات اختلافات کو مزید بڑھا دیتے ہیں تب وہ عورت پھر اسی عامل کے پاس جاتی ہے' تو جواب ملتا ہے کہ "مخالف نے نیا وار کر دیا ہے" پھر نیا کیس' نیا علاج اور نئی فیس' نتیجہ عامل صاحب کی چاندی' اور اس سادہ لوح عورت کے لیے کولھو کے بیل کا چکر حصہ میں آتا ہے اور یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

راقم تو ہر دو جنس "جنس کثیف" و جنس لطیف کو ان سب پریشانیوں کا علاج اپنی فہم و فراست کے مطابق کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم ﷺ پر عمل کرنا ہی بتاتا رہتا

ہے مردوں کو بیویوں سے نرمی اور در گذر کرنے کی تلقین و گذارش کرتا ہے' کہ مطابق فرمان رسول اکرم ﷺ' تم میں سے وہ شخص اچھا ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہے۔ اور میں تم سب میں سے اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہوں' (مفہوم) اور اس کے ساتھ مفہوماً" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بیان کر دیتا ہے' کہ خلافت فاروقی کا دور تھا' مدینہ طیبہ ابھی چھوٹی سی بستی تھی' ایک شخص کی بیوی بہت تیز مزاج اور لڑاکی تھی' ایک دن اس کے خاوند کو خیال آیا' کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبہ نے تو قیصرو کسری کے کس بل نکال دیئے ہیں۔ ان سے کہوں' کہ میری بیوی کو بھی بلا کر ذرا ڈانٹ ڈپٹ کریں' کیا مجال ہے کہ وہ سیدھی نہ ہو' اس خیال سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کو چلا' قریب پہنچا تو اندر سے کسی عورت کی سخت غصہ اور لڑائی بھڑائی کی آواز آئی' مگر جواباً" کسی دوسرے فرد کی کوئی آواز سنائی نہ دی' وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ یہ عورت معلوم تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہی ہوتی ہے' مگر یہ کس سے لڑ رہی ہے؟ اس کا پتہ نہ چلا' سوچا' کہ اگر مقابلے میں کوئی عورت ہوتی' تو وہ تو ضرور جواب دیتی' اور مرد اس گھر میں صرف ایک ہی ہے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں' تو کیا یہ عورت اپنے خاوند حضرت عمر کی جان کو آ رہی ہے؟ وہ ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ہی کوسنا شروع کر دیا' تو اس آدمی کو کوئی شک نہ رہا' اور وہ بد دل ہو کر واپس چل پڑا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کواڑ کی درز سے دیکھ لیا' تو دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور پوچھا' بھائی! کیا کام آئے تھے اور کیوں چپ چاپ واپس ہو گئے؟ اس نے ٹالنا چاہا' مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا تو اس نے صاف بات بتا دی' کہ حضرت جس بیماری کا علاج میں آپ سے کرانے آیا تھا' وہ بیماری تو خود آپ کے گھر میں بھی موجود ہے' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا' بھائی! تو غور تو کر! یہ میری بیوی میرے کتنے کام کرتی ہے' یہ میری دھوبن ہے' میری باورچن ہے' میری خاکروب ہے' میرے بچوں کی آیا ہے' میرے گھر کی چوکیدار ہے اور میرے نصف ایمان کی محافظ ہے' مگر ذرا تیز مزاج ہے' جلدی غصہ میں آجاتی ہے' اور جو کچھ منہ میں آیا' کہتی رہتی ہے' پھر خود ہی تھک کر چپ ہو جاتی ہے' اور میں یہ سوچ کر خاموش رہتا ہوں' کہ اتنی خوبیوں میں اگر ایک خامی ہے تو کیا ہوا؟ گرجتی ہے برستی تو نہیں! اور

میں اگر اس کو چھوڑ دوں' تو میں غریب آدمی اتنے کاموں کے لیے اتنے ملازم کیسے رکھوں؟ اسی طرح تو بھی عفو اور درگذر سے کام لیا کر' اور دیکھ کہ میں جیسے پہلے جیسا عمر تھا' اب بھی ویسا ہی عمر ہوں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت حواؑ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی' تو جو صفت پسلی کی ہے وہی عورت میں ہے' یعنی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی' طاقت سے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ تو جائے گی' مگر سیدھی نہ ہو گی' یہی حال عورت کا ہے' لہٰذا مرد کو حکمت کے ساتھ اس کی اسی حالت میں کام لینا اور گزارا کرنا چاہیے' یعنی سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا تو ٹیڑھی انگلیوں سے نکال لو۔ استغفار اور لا حول کی کثرت رکھو اور اللہ کریم سے اصلاح کی دعا کرتے رہو۔ انشاء اللہ ضرور نفع ہو گا۔

یہ گزارشات تو مرد حضرات کی خدمت میں "حب زوجین" کے سلسلہ میں تھیں' خواتین سے بہ معرفت اہلیہ راقم بندہ یہی عرض کرتا رہا ہے' کہ کہ آپ اپنی اس چند منٹ کی مزعومہ جھوٹی "حاکمیت" کا خیال چھوڑیں' اور اللہ کی بے مثال اور لا زوال دائمی نعمتوں والی جنت کی پکی الاٹمنٹ کا فکر کریں' مگر اس کے لیے کچھ قربانی دینا پڑے گی' کس چیز کی؟ اپنی ان غلط خواہشات نفسانی کی' اللہ تعالیٰ اگر توفیق فہم اور ہمت دیں تو بہت زیادہ مشکل مسئلہ نہیں' آسان سی صرف اتنی سی بات ہے' کہ اپنا ایک پاؤں اپنے نفس کی گردن پر رکھ دو' اور دوسرا جنت میں رکھ لو! صرف دو قدم کی بات ہے' حقیقی کامیابی حاصل کر لو گی' اور پھر تم میں جنتی حوروں کی سب صفات پیدا کر دی جائیں گی اور تمہیں حوروں کی نمبردارنی بنا دیا جائے گا' اگر کچھ لینا چاہتی ہو' تو ان چیزوں کو لو! اور ان ہی کی فکر کرو' و فی ذالک فلیتنا فس المتنا فسون ○

مسلمان عورت کے لیے یہ نظریہ بھی انشاء اللہ بہت نفع بخش اور فائدہ مند ثابت ہو گا کہ شادی سے پہلے وہ اپنے والدین کو اپنا پیر و مرشد سمجھے (احکام شریعت اور اصلاح نفس کے لیے) اپنی مرضی ان کی مرضی کے تابع کر دے' اور شادی کے بعد اپنی مرضی خاوند کی مرضی کے تابع کر دے' اور اس پر قائم رہے' اس عمل سے اس کو نبی کریم ﷺ کی شریعت کی پیروی کی مشق ہو گی' اور حضور اکرم ﷺ کی تابعداری کرنی آجائے

گی اور' جب حضور اکرم ﷺ کی اتباع نصیب ہو گی' اور اس پر استقامت بھی رہی' تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اتباع کرنی آجائے گی' اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا نصیب ہو جائے گی' بلکہ حضور اکرم ﷺ کے اتباع کی برکت سے اتنا اونچا مقام حاصل ہو جائے گا کہ اللہ عزوجل خود تم سے محبت فرمانے لگیں گے۔ اور تمہارے سب گناہ معاف فرما دیں گے' قل ان کنتم تحبون اللّٰه فاتبعونی یحببکم اللّٰه یغفر لکم ذنوبکم واللّٰه غفور رحیم (سورہ آل عمران آیت ۳۱)

بعض اوقات عورت کا ساس اور نند کے ساتھ چپقلش' اور خاوند کا اپنی ماں بہن کی حمایت کرنے کا معاملہ بھی بگاڑ کا باعث ہوتا ہے۔ اور پھر اس بگاڑ کو سنوارنے کے لیے حب زوجین کے عمل کی ضرورت عورت کو پیش آتی ہے۔ اس بارہ میں بھی عرض ہے کہ ان ساس بہو اور نند بھاوج کے جھگڑوں کی تاریخ تو ہزاروں سال پرانی ہے' اب تک تو یہ ختم نہیں ہو سکے تو آئندہ کیا ہوں گے؟ مگر بعض طریقوں سے اس کے ضرر کو دور یا کم کیا جا سکتا ہے' بغیر تعصب کے حقیقت پسندی کے ساتھ اس معاملہ کا تجزیہ کریں' جہاں خرابی ہو اور جتنی خرابی ہو' اصلاح کی جائے' تو انشاء اللہ اچھے نتائج برآمد ہوں گے' مریض کو کبھی کبھی کڑوی دوا بھی دی جاتی ہے جبکہ میٹھی دوا اس کو مضر ہو' اس طرح فی الوقت وہ دوا ناگوار مگر بعد میں مفید ثابت ہوتی ہے' اس لئے سب سے پہلے تو اپنی ذات سے علاج شروع کریں' اور دیکھیں کہ کیا یہ "عمل" اپنے ہی کسی "عمل" کا رد عمل" تو نہیں؟ یعنی جو سلوک تم سے اب یہاں تمہاری نند کر رہی ہے' یہی سلوک تم اپنی بھابی کے ساتھ کر کے تو نہیں آئی؟ اگر یہی بات ہے تو پھر رونا کاہے کا؟ جیسی کرنی ویسی بھرنی! اب بھی اگر اللہ تعالیٰ عقل اور ہدایت عطا فرما دے' تو سب سے پہلے جس کی حق تلفی کر کے اس کا دل دکھایا ہے' اس سے معافی طلب کرو' اور اس کو راضی کرو' اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی استغفار کرو' اور کوئی بات یا امر خلاف طبع پیش آئے تو صبر و ضبط سے کام لو اور لا حول ولا قوۃ الا باللّٰه العلی العظیم دل ہی دل میں پڑھتی رہو' کچھ دن مشق سے انشاء اللہ آسانی ہو جائے گی' اور ایسی فرحت و مسرت حاصل ہو گی' جو لڑائی جھگڑے میں جیت کر بھی کبھی محسوس نہ کی ہو گی۔ اور اس وقت اس معاملہ میں یہ سوچو کہ اگر فریق ثانی تمہارا جو نقص بیان کر رہا

ہے' اگر فی الواقع وجود ہے خواہ اس کے بیان کردہ سے کم ہی ہو تو اس نے سچ کہا ہے' تمہیں اس نقص کو خود دور کرنا چاہیے اور ناراض نہ ہونا چاہیے' کہ جسمانی امراض کے ماہرین ہمارے نقص و امراض بتاتے ہیں۔ اور ہم انہیں فیس بھی دیتے ہیں' اگر کسی شخص نے ہمارا روحانی و اخلاقی نقص بیان کر دیا' اور وہ واقعی ہم میں موجود ہے' تو اس پر ناراضگی کیوں؟ ہاں اگر وہ علیحدگی میں تمہیں مطلع کر دیتا تو دونوں کے لیے بہتر ہوتا' مگر یہ خلوت اور جلوت میں بیان کا فرق اتنا جرم عظیم نہیں ہے' کہ محض اسی بنا پر فریق ثانی کو اپنا دشمن قرار دے لیا جائے' اگر تم اس کے لیے ہدایت کی دعا کرو گی تو اجر کی مستحق قرار پاؤ گی۔ (انشاء اللہ!) اور اگر فریق ثانی نے غلط بات تم پر چسپاں کی' تو پہلے تو یہ خیال کرو' کہ یہ شاید ان کو غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے' اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو' کہ وہ عیب تم میں موجود نہیں ہے' اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس عیب سے پاک صاف ہو' اور اگر فریق ثانی جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے تو صبر کرو' جواب سے جواب الجواب اور پھر جواب جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا' اور پھر زبان کی منزل سے ہاتھوں تک بات پہنچ جائے گی' جس کے خوفناک نتائج غیر متوقع نہیں ہوتے۔ لہٰذا صبر ہی بہتر ہے۔ اور ساتھ ہی یہ خیال کرو کہ ہم تو چیز ہی کیا ہیں؟ لوگوں نے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں بخشا' مگر انہوں نے کوئی جزع فزع یا شور شرابا نہیں کیا' صرف صبر اور خاموشی اختیار کی' تو اللہ تعالیٰ کو آپ کا صبر اتنا پسند آیا' کہ پوری ۱۶ آیات ان کی برات اور شان میں اور بہتان لگانے والوں کی مذمت کے واقعہ کی نازل فرمائیں۔ اور قیامت تک ان کی تلاوت ان گنت اشخاص کرتے رہیں گے۔ حالانکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بالکل بے قصور تھیں۔ اور ہمارا تو پھر بھی کچھ نہ کچھ قصور ہوتا ہی ہو گا' بس اس کو تسلیم کر کے' حقوق کی ادائیگی کر کے ان کی اور اپنی اصلاح کے لیے سکون کے وقت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کرتے رہیں۔ انشاء اللہ کامیابی ہو گی۔ اور اگر پھر بھی کسی حد تک تلخی باقی یا موجود رہے' تو اپنے مذکورہ اعمال پر نظر ثانی کریں' اور دوبارہ جو کمی ہے' پوری کر کے یہی اعمال کریں' پھر بھی پورا کام نہ بنے تو پھر یہی اعمال کریں' گوہر مراد پائیں گی' اگر کلی حالات درست ہو گئے تو فبہا ورنہ انشاء اللہ آپ کو سکون قلب کی دولت نصیب ہو جائے گی' اس کی حفاظت کریں۔ اللہ کریم

فرماتے ہیں۔ ان اللّٰہ مع الصابرین ○ ان اللّٰہ مع المتقین ○ ان اللّٰہ مع المحسنین ○ اللہ کریم کی معیت کی نعمت صابرین' متقین اور محسنین کے لیے ہے' اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کے مذکورہ اعمال بہ صورت موجودہ صحیح ہیں' تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو بالکل صحیح ہے ہی' اسی معیت الٰہی کی نعمت سے سکون قلب حاصل ہو گا۔

یہ بھی خیال فرمایئے کہ نفس بڑا عیار ہے' اس نے اپنے نقائص تو کیا بتانے تھے' بلکہ ان نقائص یا خرابیوں کو اس کی خوبیاں بنا کر دکھاتا ہے' اس طرح ظاہر ہے' کہ اس فریب خوردہ انسان کو اپنی اصلاح کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ مخالفین کو فریق ثانی کے عیوب ضرور نظر آتے ہیں' اگرچہ کمی بیشی تو ہو سکتی ہے' مگر اسے ضرور علم ہوتا ہے' لہٰذا اگر اس سے اپنے نقائص معلوم ہوں' تو ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے اور مخالف کے لیے دعائے خیر اور ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ اپنے آپ کو تقریباً" ہر آدمی بہتر اور پاک باز ہی سمجھتا ہے (الا ماشا اللہ) اللہ کریم اس صفت کو پسند نہیں فرماتے ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم ھوا علم بمن اتقی ○ (سورہ النجم آیت ۳۲) اپنے آپ کو پاک باز نہ ظاہر کرتے پھرو' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' جو اس سے ڈرنے والے ہیں۔ (مفہوم) ایک اللہ کے مخلص بندے نے دوسرے بزرگ عالم کو اپنے کچھ روحانی حالات (غالباً" مدارج' انوارات' کشف وغیرہ) تحریر کئے' شیخ نے انہیں یہ مراقبہ تجویز کیا' کہ یوں تصور کرو کہ' میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اور اپنے اعمال اللہ کریم عالم الغیب کی خدمت میں (ھدیۃ) پیش کر رہا ہوں' اس مراقبہ کے بعد سائل مذکور کی جو کیفیت ہوئی' وہ خود انہوں نے لکھ کر بھیجی جس کا مفہوم کچھ ایسا ہے' کہ حضرت! پہلے تو میں اپنے قلب کو ایسی خوبصورت صندوقچی کی مانند سمجھتا تھا' جو ہیرے اور جواہرات سے بھری ہوئی ہو' مگر آپ کے مذکورہ مراقبہ پر عمل کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوئی' کہ میرا دل تو گوہ (پاخانے) سے بھرا ایک ٹوکرا ہے" اللہ اللہ! انسان کی خود فریبی' جس کا پردہ یہاں ہی چاک ہو جائے تو بہتر ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں تو اگر سرکار کی نظر رحمت (خدانخواستہ) نہ ہوئی تو قلوب کو اپریشن کی ٹیبل پر چیرا جائے گا' اور اس میں موجود ریا' عجب حسد' فساد' کبر وغیرہ سب عیوب باہر نکال لئے جائیں گے' اور ان اخلاق ذمیمہ سے سب اعمال آلودہ ہوں گے' کیا ان غلاظتوں سے بھرے اعمال اس

قابل ہیں' کہ اس شہنشاہ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں ہدیتہ پیش کئے جائیں؟ انعام تو گئے کہیں کھوئے کھاتے میں' یہ تو جوتیوں کے لائق سامان تیار ہو گیا۔ یا اللہ رحم فرما! معاف فرما! و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین ○ پس ابھی وقت ہے کہ اپنا محاسبہ کرتے رہیں' اس سے پہلے کہ ہمارا محاسبہ کیا جائے حاسبوا قبل ان تحاسبوا بعض خواتین یہ شکایت کرتی ہیں' کہ میرا خاوند غیر عورت یا عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے۔ مگر عموماً" یہ صرف اس خاتون کا ہی موقف ہوتا ہے حقیقت نہیں ہوتی' شاید اس لئے کہ اس کو اپنے خاوند سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے' اور وہ جائز طور پر اس محبت کا حق صرف اپنے لیے ہی محفوظ سمجھتی ہے' اور اپنے اس حق میں وہ کسی غیر عورت کی شمولیت کا تصور بھی جائز نہیں سمجھتی' لہٰذا اگر کسی رشتہ دار غیر محرم عورت سے شوہر نے ھنس کر بات ہی کر لی' تو وہ اسے بڑی تیز رفتاری سے تعلقات کی آخری منزل متصور کر لیتی ہے۔ اگرچہ ایسی قریبی رشتہ دار غیر محرم جوان خواتین سے تنہائی میں باتیں کرنا بھی جائز نہیں۔ مگر دوسروں کے سامنے اس سے ہنسی کی بات کر لینا اتنا بڑا گناہ نہیں' جتنا وہ سمجھتی ہے' غالباً" اس کی وجہ بھی خاوند کی محبت ہی ہے' جیسا کہ مشہور ہے۔ عشق است ہزار بدگمانی ـــــــ مگر ہر کام میں احتیاط' تقوی اور صحیح طرز عمل ہی اختیار کرنا اولی ہے' اور یہ خاتون جو محض اپنی محبت یا نادانی سے اتنا بڑا الزام لگا رہی ہے' اس کے ثبوت کے لیے چار چشم دید گواہ لازمی ہیں' اور ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو تو اس کا گواہ بھی موجود ہو' مگر یہ زیادہ تر بدظنی پر ہی مبنی ہوتا ہے' اور پھر وہ خاتون اپنی بے احتیاطی سے دوسری سہیلیوں سے اسے خفیہ رکھنے کی تاکید کے ساتھ نشر کرتی پھرتی ہے اور پھر ہر سہیلی اپنی اگلی سہیلی کو یہ نئی خبر اسی طرح خفیہ رکھنے کی تاکید کے ساتھ اور کسی کو ہرگز نہ بتانے کی فرمائش کے ساتھ بتاتی چلی جاتی ہے' نتیجہ یہ بات لیک آؤٹ ہو کر زبردست افتراق و انتشار اور فساد کا باعث بن جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت تھا' ایک عورت آئی اور کہنے لگی' حضرت میرا خاوند غیر عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے' اس کا کوئی علاج فرماؤ! مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی' اس عورت نے پھر یہی بات کہی' مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی' تیسری بار پھر اس عورت نے یہی بات کہی' تو آپ نے اس سے فرمایا' بی بی!

میری بات غور سے سن! اگر تو سچی ہے تو ہم تیرے خاوند کو اس کا جسم کا نصف نچلا حصہ زمین میں گاڑ کر پتھروں سے سنگسار کر دیں گے' اور اگر تو جھوٹی ہے تو تجھے بہتان لگانے کی حد ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے' بول اب کیا کہتی ہے؟ یہ سن کر وہ عورت چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔ مقصد اس عرض کرنے کا یہ ہے کہ اکثر عورتیں غیر ذمہ داری سے باتیں کرتی ہیں' اس کی بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ عربی نصیحت کے مطابق یہ بات صحیح ہے' کہ تلواروں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں مگر زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔

ایک عرض اور ہے کہ کوئی مرد یا عورت بس' ٹرین میں سفر کرے' تو ساتھ کی سیٹ والے یا والی سے وہ چند گھنٹوں میں اتنا ضرور واقف ہو جائیں گے کہ یہ ساتھی کس طبیعت' اور قماش اور کس مزاج کا مالک یا مالکہ ہے' مگر حیرت ہے کہ بیوی کو دو چار پانچ دس سال گذارنے کے باوجود خاوند کی طبیعت اور مزاج کا علم نہیں ہوا؟ ہوا تو ضرور ہو گا' مگر اس کی پرواہ نہیں کی جاتی' کیا مشکل بات ہے کہ اگر اس کی پسند کو اپنی پسند بنا لیا جائے' اور اس کی ناگواری کو اپنی ناگواری! اس طرح حسن اخلاق اور قربانی سے آپ اپنے خاوند کو "اپنا" بنا سکتی ہیں۔ اور یہ اپنائیت انشاء اللہ حقیقی مضبوط اور مستقل ہو گی' اور اگر اللہ کریم کی رحمت سے دونوں کی زندگی اسلام پر گذری' اور اس زندگی کا خاتمہ بھی .بفضلہ تعالٰی ایمان پر ہی ہوا' تو یہ جوڑی بہشت میں بھی قائم رہے گی' اللہ کریم اسکی توفیق عطا فرمائیں آمین!

حسن اخلاق سے دل جیت لینا اور اپنا بنا لینے کا ایک واقعہ دیر ہوئی پڑھا تھا' جس کا تذکرہ غالباً" مناسب ہو گا' کہ ایک بادشاہ کی افواج کا سپہ سالار خفیہ طور پر دشمن سے مل گیا' کسی مخبر نے بادشاہ کو اطلاع دے دی' بادشاہ نے کہا کہ میں ابھی اس کو جیل خانہ میں قید کراتا ہوں' اور ایک پیادے کو اسے لانے کے بھیج دیا' اور مخبر کو کہا' کہ تم پردے کے پیچھے چھپ جاؤ' سپہ سالار آیا تو بادشاہ نے خلاف معمول اس کا کھڑے ہو کر استقبال کیا' اور اپنے بائیں جانب تخت پر بٹھایا' اس سے مصافحہ و معانقہ کیا' اس کے سب اہل و عیال کی خیر و خیریت پوچھی' اور (مطابق سکیم) کہا کہ رات میں لیٹے لیٹے یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کا دادا میرے دادے کا سپہ سالار' آپکا والد میرے والد کا سپہ سالار'

اور آپ میرے سپہ سالار! ہمارا تو آپس کا بہت پرانا اور مضبوط رشتہ اور تعلق ہے اور اس کا میں نے اب تک جو آپ کو معاوضہ دیا ہے' سچی بات ہے وہ آپ کے شایان شان اور خدمت کے مطابق نہیں' لہٰذا آپ کی تنخواہ آج سے اتنی بڑھا دی گئی ہے' اور آپ کے نام فلاں جاگیر بھی کر دی گئی ہے' اور آپ کی خدمت میں یہ خلعت بھی پیش کی جا رہی ہے۔ قبول فرما کر ممنون فرمائیں! ساتھ ہی خلعت اور تحالف کا تھال بھی ملازم نے پیش کر دیا۔ بادشاہ سپہ سالار سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا اور کنکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہا تھا' ادھر سپہ سالار کا یہ حال تھا کہ بادشاہ کے ہر فقرے پر وہ شرمندگی سے دل ہی دل میں کٹتا جا رہا تھا' اور اپنے آپ کو کوس رہا تھا' کہ اے ناہنجار! بادشاہ سلامت تو تیرے باپ دادے کا احسان بھی نہیں بھولے' اور تو اب اتنا کمینہ بن گیا ہے' کہ اپنے مربی اور محسن سے غداری پر آمادہ ہو کر' اپنے آقایان نعمت کو تہ تیغ کرانا چاہتا ہے' بس اب تو توبہ کر اور اس دشمن کو جواب دے دے' ورنہ تیری دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہو جائیں گی' چنانچہ وہیں اس نے یہی فیصلہ کر لیا' اور پھر بادشاہ نے بڑے اعزاز اور انعام و اکرام اور تپاک سے بغل گیر ہو کر اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد وہ مخبر باہر نکلا' اور بہت حیران ہوا' اور عرض کیا' بادشاہ سلامت! آپ نے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ میں اس غدار سپہ سالار کو ابھی جیل خانہ میں قید کراتا ہوں' مگر آپ نے تو اس کے ساتھ بالکل برعکس معاملہ کیا' کہ سزا کی بجائے انعام و اکرام اور جاگیر' خلعت وغیرہ سے پہلے کی نسبت بہت عزت افزائی فرمائی' آپ کے اس طرز عمل کی مجھے تو بالکل سمجھ نہیں آئی! بادشاہ نے جواب دیا' میں نے جو کچھ کہا تھا' وہی کیا ہے' جسے ذرا سمجھنے کی کوشش کریں' بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں اسے حوالات بھیج دیتا تو عین ممکن ہے' کہ وہ اسی حرام کمائی یعنی رشوت سے جو اس نے میرے دشمن سے حاصل کی تھی' داروغہ جیل کو بھاری رشوت دے کر فرار ہو جاتا' اس طرح میری قوت کمزور اور دشمن کی قوت قوی ہو جاتی' لہٰذا میں نے اس کی دکھتی رگ پکڑی' کہ اس وقت اسے دنیا کے حصول کا دورہ پڑا ہوا ہے' اور اس "مرض" کی شدت میں اسے حرام و حلال کی تمیز بھی نہیں رہی' اس لئے میں نے اس کے علاج کے لیے دوہرے فائدہ کا طریقہ اختیار کیا' کہ اس کے ساتھ شفقت و رحمت کا سلوک

کیا' تاکہ اس کا دل نرم ہو' اور "اچھی بات قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے' پھر احسان و انعام کا سلوک بھی کیا کہ اسے اپنے فعل پر ندامت ہو' اور حرام دنیا کی نحوست اس کے قلب سے نکلے' اور نسبتاً" حلال دنیا اسے دی تاکہ اس کی برکت سے وہ صحیح رویہ اختیار کرے' اور اس پر وہ جما بھی رہے' اور الحمد للہ میری یہ سکیم کامیاب رہی' کہ میں اس کے چہرے سے اس کے شواہد ملاحظہ کر رہا تھا' اس طرح میں نے اسے اپنے اخلاق اور احسان کے اس "غیر مرئی" جیل خانہ میں قید کر دیا ہے' جس سے اب وہ انشاء اللہ نکل ہی نہیں سکے گا۔ اور عملاً" بعد میں ایسے ہی ہوا کہ وہ سپہ سالار' بادشاہ کا پہلے سے بھی بہت زیادہ وفادار ہو گیا' کہ اس کے لئے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو ہمہ تن تیار رہتا۔ اسی طریقہ سے ہر شخص عموماً" اپنے مخالف کو موافق بنا سکتا ہے۔ ارشاد ربانی کا مفہوم ہے "اور نیکی اور برائی برابر نہیں۔ بدی کو نیکی سے دور کرو' بہترین طریقہ سے' پھر تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن ہی اب تمہارا جگری دوست بن گیا ہے۔ مگر یہ صفت (اتنے اچھے اور اونچے احسان اور اخلاق کی) مفت نہیں ملتی' سوائے ان لوگوں کے جو صبر کرتے ہیں اور بڑے نصیبے والے ہیں" (سورہ حم السجدہ آیت ۳۵) محبت سے تو وحشی جانور بھی مطیع بن جاتے ہیں' بیوی کے لیے خاوند کے ساتھ صرف محبت ہی ہر قسم کی خیر کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے' بس ذرا ہمت' وسعت قلب و نظر' دعاؤں اور استقامت کی ضرورت ہے' اللہ کریم نصیب فرمائیں۔ (آمین!)

اگرچہ بعض مرد بھی بہت کرخت طبیعت کے مالک بلکہ ظالم ہوتے ہیں۔ مگر ان کا سخت رویہ کم و بیش سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا بیوی اگر اسے انفرادی مصیبت کی بجائے اجتماعی ضرر سمجھ کر شوہر کی ہدایت کے لیے دعائیں کیا کرے' تو انشاء اللہ زیادہ اور جلدی اصلاح کی امید ہے۔ پھر بھی اگر مطلوبہ صحیح حد تک کامیابی نہ ہو' تو اپنی رائے کو خاوند کی رائے اور مزاج کے تابع کر دے' کہ دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔ کہ بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹا نقصان برداشت کر لیا جائے' اور بڑے فائدہ کے حصول کے لیے چھوٹا فائدہ چھوڑ دیا جائے' اور ظاہر ہے کہ گھر کا باہمی فساد سب سے بڑا نقصان' اور گھر میں اتفاق و محبت سب سے بڑا فائدہ ہے۔ عورت کو بگڑا ہوا خاوند اپنا دشمن نہ سمجھنا چاہیے' بلکہ روحانی مریض سمجھنا چاہیے' اور اس سے ایسی

ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیے جو جسمانی مریض سے کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ یہ طریق کار بھی مفید ثابت ہو گا۔ بعض افراد "کو کڑو" قسم کے ہوتے ہیں، جن پر کوئی کلام نرم و نازک اثر نہیں کرتی، ایسے حالات میں یہ نظریہ تازہ اور ذہن نشین کریں۔ کہ جو انسان بھی اس دنیا میں آیا ہے، وہ ہر وقت غیر مرئی اور غیر محسوس طریقہ سے اپنا اپنا نامہ اعمال تیار کر رہا ہے۔ اور آخر میں وہ یہی اعمال نامہ اپنے ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں کھڑا ہو گا، جہاں اس سے صرف اسی کے اعمال کی باز پرس ہو گی، لہٰذا تم صرف اپنے اعمال نامہ کی فکر کرو، کہ اس میں "صبر" تو ہو ظلم نہ ہو، اور اگر متعلقہ فرد کے اعمال نامہ میں تم پر ظلم درج ہے تو یقین رکھو کہ تمہارا نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہوا ہے۔ یعنی تمہارا اتنا سرمایہ اس کے کھاتہ میں امانتا" جمع کر دیا گیا ہے، اور روز محشر جبکہ نفسا نفسی کا عالم ہو گا اور سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی یعنی ماں بھی اپنے بیٹے کو صرف ایک نیکی بھی نہ دے گی، اس وقت اس حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں تمہیں دلوا دی جائیں گی، اور اس بازار میں صرف نیکی کی کرنسی ہی چلے گی، اگر ایک نیکی سے کوئی جہنمی سے جنتی بن جائے تو اس سے سستا سودا اور اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کوئی نہیں! صرف یقین اور ہمت کی بات ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیے (آمین!)

ایک اور امر یہ ہے کہ مردوں میں عموماً اور عورتوں میں خصوصاً دینا کی محبت اور نام و نمود کی خواہش بہت زیادہ پائی جاتی ہے، اور عورت تو شاید اپنی زندگی کا مقصد واحد نہیں تو سب سے بڑا مقصد بناؤ سنگار اور زیب و زینت کو ہی سمجھتی اور اسی دھندے میں پھنسی رہتی ہے۔ اومن ینشاء فی الحلیۃ (سورہ الزخرف آیت ۱۸) وہ (عورت) جو زیوارات میں ہی پرورش پاتی ہے۔ اور سامان آرائش کے لیے خاوند کی جان کو عذاب میں ڈالے رکھتی ہے۔ اور پھر اس کی اس طلب کی کوئی حد بھی نظر نہیں آتی، جہاں کسی عورت کا نئی قسم کا کپڑا زیور کا یا نیا ڈیزائن دیکھا، بس تڑپ ہی تو گئی، اب اس وقت تک اسے چین نہیں آئے گا۔ جب تک مطلوبہ چیز حاصل نہ ہو جائے، خصوصا" آج کل تو غالبا" قوم پر سب سے بڑا عذاب یہی ہے۔ کہ مغرب زدہ ابلیس کی ایجنٹ خواتین ذرائع ابلاغ، ٹی وی، ریڈیو، پریس اور مخلوط مجالس میں اپنے نیم عریاں اور فحش فیشن کے ذریعہ قوم کی بچیوں کے ذہنوں کو مسموم اور عورتوں کو قعر ضلالت و

ہلاکت میں دھکا دینے پر ہمہ تن اور ہمہ وقت کمربستہ ہیں' حرام و حلال کی تمیز نہ رکھنے والے دنیا دار تو پہلے سے ہی اس تہذیب میں غرق تھے' افسوس ہے کہ دینی گھرانے بھی اس وبا سے محفوظ نہیں رہے۔ (الا ماشاء اللہ) اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اگر کسی متعلقہ ایسے مقتدر طبقہ کے سینہ میں "ضمیر" نام کی کوئی چیز موجود ہو' تو انہیں بلکہ ہم سب کو یہ سوچنا چاہیے' کہ دنیاوی لحاظ سے بھی ہم یہ کونسا عقلمندی کا کام کر رہے ہیں۔ کتاب سیرت المصطفی ﷺ میں حضرت مولانا ادریس کاندھالوی رحمہ اللہ کے ارشادات کا مفہوم عرض ہے' کہ ہر انسان کے جسم میں اسی کی ہمشکل روح موجود ہے' اور وہ روح ہی اصل اور اہم چیز ہے۔ جسم تو اس روح کا محض لباس ہے' سر' روح کی ٹوپی ہے' بازو روح کی آستینیں اور ٹانگیں روح کا پاجامہ ہیں۔ جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا' کہ ہمارا یہ ظاہری جسم' اصل جسم نہیں' بلکہ حقیقی جسم تو ہماری روح ہے' تب ہم پر از خود لازم ہو گیا' کہ جس طرح پہلے ہم اپنے جسم کی ضروریات اور اس کی صحت و مرض کا خیال رکھتے تھے' اب اتنا خیال اور اہتمام تو ضرور روح کے لیے کرنا چاہیے' اور اس ظاہری جسم کے لیے جو اہتمام کرتے تھے' وہ کم کر کے اتنی ہی حیثیت والا معاملہ اس سے کرنا چاہیے' جتنا اپنی پوشاک سے کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کہیں ایسی صورت حال ہو' کہ مریض کی حالت خطرناک ہو' مسلسل بیماری سے نہایت نحیف و لاغر ہو چکا ہو' کہ خود اٹھنا بیٹھنا تو درکنار' بولنا بھی مشکل ہو' اور وہ صرف اشاروں پر ہی قادر ہو' مگر اس کے گھر والے اس کی تیمار داری یوں کر رہے ہوں' کہ اس کی دوا کا کوئی فکر و ذکر تک نہ ہو' بلکہ شور مچا رکھا ہو' کہ بہترین قیمتی سوٹ اسے پہناؤ' خوشبو دار پاؤڈر لگاؤ' بہترین میک اپ کرو' اور اسے شاہی پان کھلاؤ! ---- ایسے لوگوں کو ہم لوگ یقیناً احمق قرار دیں گے' کہ مریض کی جان کی تو کوئی فکر نہیں' بلکہ صرف ظاہری ٹیپ ٹاپ اور آرائش و نمائش میں لگے ہوئے ہیں' اگر مریض چل بسا تو ان کا یہ سب اہتمام فضول اور وہ سب ابوالفضول بن کر رہ جائیں گے۔ مگر کیا ہم سب کا یہی حال نہیں ہے؟ ظاہری جسم یعنی پوشاک کا تو بہت فکر ہے' مگر اصلی جسم یعنی روح بیمار ہے' اس کا کوئی فکر ہی نہیں۔ روح بیمار ہے تو اس روح سے جسم کے ذریعہ خراب اعمال نکلیں گے' معاشرہ متاثر ہو گا' اور بناؤ کی جگہ ہر مقام پر بگاڑ پیدا ہو گا ظهر الفساد

فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس (سورہ روم آیت ۴۱) لوگوں کی کرتوتوں کی وجہ سے زمین اور سمندر ہر جگہ فساد برپا ہو گیا (مفہوم) یعنی اس طرح دنیا دارا لفساد بن جائے گی' اور اگر روح صحت مند ہوئی' تو بدن سے اعمال صالحہ نکلیں گے' ایمان اور اعمال صالحہ کی عمومی توفیق بھی نصیب ہو گی' معاشرہ میں امن و امان ہو گا اور "خلافت الٰہیہ" کی نعمت عطا فرمائی جائے گی' اور یہی دنیا جنت کا ایک چھوٹا سا نمونہ بن جائے گی۔ "حب زوجین" یا میاں بیوی میں اتفاق و اتحاد' پھر خاندان' محلّہ' شہر' ملک اور پوری دنیا میں امن و سکون کے لیے یہی صحیح طریقہ کار ہے' فرد درست ہو گا تو قوم درست ہو گی' اور اس "اصلاح یافتہ" قوم اور احسن معاشرہ کو دیکھ کر دیگر اقوام اس کی پیروی کریں گی! اور یہ محض ایک تخیل اور مفروضہ نہیں' بلکہ اس کے مثبت اور منفقی دونوں عملی نمونے یہ دنیا دیکھ چکی ہے' نبی کریم ﷺ کا قائم کردہ صالح معاشرہ جب تک صحیح بنیادوں اور اصولوں پر عمل پیرا رہا' پوری دنیا میں زمین و آسمان اپنی برکات ان پر نچھاور کرتے رہے' اس کے برعکس ماضی قریب میں دجل و فریب پر مبنی' ایک یہودی فرد کا وضع کردہ نظام (کمیونزم) اپنے فریب کی بنیاد پر اگرچہ قائم بھی ہوا' اور دنیا کے معتدبہ حصہ کو اپنی لپیٹ میں بھی لے لیا' مگر غیر فطری اور عملاً انصاف کی بجائے ظلم و جبر کے حامل و عامل ہونے کی وجہ سے' اسی نظریہ و نظام کے موجودہ ذمہ دار کمیونسٹ لیڈر کے ہاتھوں ہی وہ موت کے گھاٹ اتر گیا' لہٰذا ہر فرد مسلم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے بنائے اور بتائے ہوئے قوانین اور طرز حیات کے مطابق پوری زندگی گزارنی چاہیے' اور غیر اسلامی نظریات' نظام' تہذیب و تمدن سے کلی اجتناب کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ کا دین اسلام کامل و مکمل ہے' اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی دین (نظام زندگی) قابل قبول نہیں ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین (طریق زندگی) اختیار کرے گا' تو اسے اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ (مفہوم)

مسمریزم

بعنوان "قربانی کا بکرا" مسمریزم کے ذکر میں یہ بیان کیا جا چکا ہے' کہ یہ محض ایک نفسیاتی تاثر ہے' جو عامل و معمول پر اپنے ہاتھوں' باتوں اور نگاہوں وغیرہ سے طاری کرتا ہے' اور پھر اگر یہ تاثر شدید صورت اختیار کر لے' تو معمول اپنا ذہن و دماغ بالکل عامل کے تابع کر دیتا ہے' حتیٰ کہ اگر عامل معمول کے سامنے پڑی ہوئی رسی کو سانپ باور کرانا چاہے تو معمول اسے سانپ ہی سمجھے گا' اور اس رسی سے اسی طرح خوف کھائے گا' جس طرح سانپ سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ تماشہ کرنے والے مداری بھی اپنی چرب زبانی' حرکات و سکنات اور شعبدوں سے مجمع کو متاثر کر کے ان کی جیبوں سے پیسے نکلوا لیتے ہیں' اور کئی بہترین مقرر اپنی فصاحت و بلاغت اور طرز بیان سے حاضرین کو مسحور کر لیتے ہیں' اور کچھ شاعر بھی اپنے اشعار سے لوگوں کو بے خود بنا دیتے ہیں' ان من الشعر لحکمة و ان من البیان لسحرہ (او کما قال) یقیناً یا بعض اشعار میں حکمت اور بعض مواعظ میں سحر جیسا اثر ہوتا ہے۔

انسان جن اعضاء سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے' وہ زبان' ہاتھ' پاؤں اور آنکھیں وغیرہ ہیں' مگر ان میں سب سے زیادہ اہم اور زیادہ متاثر کن عضو آنکھ ہے' بغیر زبان ہلائے کوئی انسان دوسرے انسان کو کچھ نہیں سمجھا سکتا' ہاتھ متحرک نہیں تو بے اثر' مگر آنکھ سے انسان خاموشی سے سینکڑوں تاثرات کا اظہار کر سکتا ہے اور دوسرے کو کسی حد تک متاثر بھی کر سکتا ہے' مثلاً حیرت' مسرت' بشاشت' رغبت' فرحت' حلاوت' رافت' رحمت' محبت' الفت' عقیدت' رعایت' صداقت' اجازت' انابت' اصابت' ارادت' نجابت' طمانیت' فضیلت' ظرافت' شرافت' شرارت' بضاعت' عنایت' حمایت' لطافت' نظافت' مروت' شفقت' سطوت' شوکت' تمکنت' عزت' ذلت' وکاہت' ذکاوت' سلامت' سخاوت' فراست' اطاعت' عزیمت' ذہانت' استقامت' وقعت' شناخت' متانت' مہارت' حسرت' ملامت' ندامت' رذالت' جہالت' علالت' قباحت' دہشت' نفرت' حقارت' حماقت' علامت' جلالت' صلابت' دنائت' اہانت' سماجت' خفت' عفت' گراوٹ' خجالت' خیانت' شقاوت' برات' انانت' حفاظت' خباثت' غباوت' شرافت' ہمت' جسارت' رعونت' نخوت' نقاہت' وحشت' ہزیمت' شکایت' لجاجت' کلفت' منت' شہوت' ہیبت' قناعت' وجاہت' جلالت' دنائت' امانت' افادت'

گھبراہٹ' بوکھلاہٹ' ہچکچاہٹ' تلملاہٹ' مسابقت' ممانعت' مداومت ' متابعت' منافرت' منافقت' مناقشت' مداہنت' معاونت' مصالحت' مسامرت' مزاحمت' مرافقت' مخاصمت' مراغبت' مساعدت' مسامحت' مراجعت' منازعت' مشارکت' مخالفت' منافست' مقاومت' مراغبت' مغائرت' مصاحبت' مواظبت' موافقت' معاملت' موانست' محافظت' شرم' حیا' ادب' تعظیم' تکریم' تحسین' تمجید' تحمید' تعمیل' تعجیل' تواضع' اعتراف' غناوفا عطا' صبر' حلم' لطف و کرم' شکر' فکر' عقل' فضل ' رحم' سکون' توکل' عجز' فخر' کبر' قہر انکار' اقرار' التفات' التہاب' افتخار' افتقاد' اشتعال' اشتیاق' امتناع' انتظار اضطراب انقباض' انشراح' انبساط' انقطاع' انفصال' استہزا' انتقام' غضب' تشویش' درد' کرب' خلش' بخل' حرص' رعب' فہم' تکلف' تردد' تدبر' تفکر' تشکر' تاسف' تذبذب' اعراض' خوشامد' ضعف' غفلت' انکسار' بغض' حسد' استخفاف' استحقاق استمداد' استقرار' استحصال' استقلال' استخلاص' استغراق' استحسان' استحکام' استخفاف' استفہام' استمداد' استغفار' استعلاء' استغناء' استفسار' اداسی بے چارگی' لاچاری' ڈھٹائی' آشنائی' خوشنمائی' خود نمائی' بے وفائی' بے حیائی' پارسائی' دلربائی' ملنساری' غمگساری' شرمساری' وغیرہ غرض یہ کہ نفسانی' شیطانی' انسانی و ملکوتی اکثر صفات کے اظہار کا بڑا ذریعہ آنکھ ہے۔

عربی' یونانی' لاطینی' انگریزی' وغیرہ ہزاروں سال پرانی زبانیں ہیں' اور حکومتیں ان کی سرپرستی کرتی آئی ہیں مگر اردو ابھی تک ایک یتیم بچی ہے' جس کا کوئی پرسان حال نہیں کہ کوئی قوت مقتدرہ اس کو سہارا دینے کو تیار نہیں' کہ آقایان ولی نعمت کی انگلش مادری و پدری زبان ہے۔ لہٰذا بیچاری اردو خواص کی نہیں عوام کی زبان ہے۔ جو کسی نے بنائی نہیں بلکہ خود وجود میں آئی! صرف ڈیڑھ دو صدی پیشتر مغلیہ دور میں ہندوستان میں دوسرے ممالک سے اور خود ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے آتے کہ' یہ ملک بہت بڑا تھا' حکومت بھی بڑی اور فوج بھی بڑی' کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹا موٹا رجواڑہ شورش کھڑی کر دیتا' اسے فرد کرنے کے لیے لشکر بھیجا جاتا' مختلف ممالک اور علاقوں کے لوگ لشکر میں اکٹھے ہوتے 'اور اپنی اور دوسرے کی نئی عجیب سی مخلوط زبان میں بات چیت کرتے' اس طرح کچھ عرصہ میں یہ بہت سی زبانوں پر مشتمل ایک عجیب زبان وجود میں آگئی' جس کا نام "اردو" مشہور

ہو گیا' اردو ترکی کی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی لشکر کے ہیں اس مسکین اور غریب زبان میں "آنکھ" اور اس کے متعلق اردو لغت میں ۹۰۰ الفاظ و محاورات ہیں جن میں سے ۴۰۰ ابرو' پلک' بھنویں' نظر' نگاہ' آنسو' وغیرہ کے متعلق اور ۵۰۰ صرف آنکھ کے متعلق ہیں۔ جن سے آنکھ اور اس کے اعمال کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ویسے تو اللہ تعالٰی کی ہر مخلوق ہی اس کی قدرت کا شاہکار ہے۔ اگر انسان اس کے بارے میں تدبر و تفکر سے کام لے' تو لسے اسی چیز سے ہی اللہ تعالٰی کے وجود اور توحید کا علم و یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ دیکھئے! جتنے اعضاء ہاتھی جیسے عظیم الجثہ جانور کی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اتنے ہی اعضاء اللہ کریم نے مچھر کو بھی عطا فرمائے ہیں' بلکہ ایک ایسے جراثیم کے جسم میں بھی وہ سب اعضاء اور نظام موجود ہیں' جو اتنے ننھے ہیں کہ سوئی کی نوک پر بھی سینکڑوں آسکتے ہیں۔ انسان کے صرف بال میں ایسی قدرت کی عجیب نشانیاں ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دنیا میں کسی انسان کی شکل دوسرے سے جس طرح نہیں ملتی' اسی طرح اس کا کوئی عضو بھی دوسرے انسان کے عضو سے نہیں ملتا۔ (مشابہ ہوتا) ہاتھ کے انگوٹھے کی لکیریں میں ہر انسان کی اللہ تعالٰی نے مختلف بنائی ہیں اور' "فنگر پرنٹ" انہی لیکروں سے انسان کی شناخت کر لیتے ہیں' اسی طرح کسی انسان کا بال دوسرے ہر انسان کے بال سے بالکل مختلف ہو گا' اور بال کی نسبت آنکھ کتنا عجیب اور اہم عضو ہے' آپ اس سے خوب واقف ہیں' اس کی تخلیقی انفرادی اور خصوصی صفت کا تو بندہ کو علم نہیں۔ البتہ آنکھ کے آخری عمل کے متعلق معلوم کیجئے' کہ یہ آنکھ ہی ہے جو انسان کی آخری وقت تک بلکہ سب اعضاء کے بعد تک اس کی رفاقت کا حق ادا کرتی ہے۔ مطابق مضمون حدیث شریف' انسان کی روح پرواز کرنے کے بعد' اس انسان کی آنکھیں اس کی روح کو جاتے اور پرواز کرتے دیکھتی ہیں۔ تبھی میت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں' جس کو وارثان بعد میں بند کرتے ہیں۔ دیکھئے اس انسان کا تنفس (سانس) ختم ہو گیا' اسی کا نام زندگی تھا' یعنی زندگی ختم ہو گئی' مگر زندگی کے بعد صرف جب سب اعضاء جواب دے گئے اس وقت صرف اس کی آنکھ ہی ہے' جو اس کی زندگی کے بعد بھی جہاں تک اس کے بس میں ہے' اس کی رفاقت کا حق ادا کر رہی ہے۔

آنکھ سے خیر و شر کے کئی اعمال بھی منسوب ہیں' آنکھ سے قرآن مجید کی تلاوت کیجئے' ترجمہ و تفسیر پڑھیے' احادیث مبارکہ اور دیگر اسلامی کتب کا مطالعہ کیجئے' کلام پاک کی تلاوت پر ہر حرف کے بدلے کم از کم دس نیکیاں حاصل کیجئے' بیت اللہ شریف پر صرف ایک نظر ڈالیے اور اللہ کریم کی بیس رحمتوں کے مستحق بن جائیے' ماں باپ پر ادب اور محبت کی نگاہ ڈالئے' ایک حج کا ثواب لیجئے' اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے تنہائی میں رونے والی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کی رات جاگ کر پہرہ دینے والی آنکھ پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ حرام فرما دی ہے۔ وغیرہ------ اب آنکھ سے متعلق ایسے اعمال سنئے' جن سے اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں۔ اور ابلیس خوش ہوتا ہے' مخرب اخلاق کتب و رسائل پڑھنا سینما دیکھنا' ٹی وی' وی سی آر' پر فحش مناظر دیکھنا' غریب کو حقارت سے دیکھنا' غیر محرم عورتوں کو دیکھنا' (پہلی نظر غیر ارادی معاف ہے' جبکہ فوراً نظر ہٹالی جائے)۔

جلووں کے اژدھام میں لازم ہے احتیاط
سہو نظر معاف ہے قصد نظر حرام

عورتوں کے لیے غیر محرم مردوں کو دیکھنا بھی اسی طرح حرام ہے' ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے گھر حاضر ہوئے' ایک ام المومنین ان کی طرف دیکھنے لگیں تو آپؐ نے منع فرمایا' انہوں نے عرض کیا۔ حضور یہ تو نابینا ہیں' آپ نے فرمایا "تو تو نابینی نہیں" اللہ کریم نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اپنی نگاہیں پست رکھنے کا حکم دیا ہے' ایک دوسری حدیث کے مطابق آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں بھی زبان بھی' اور آخر میں شرمگاہ یا تو اس کی تکمیل و تصدیق کر دیتی ہے یا تکذیب! یعنی یہ سب اعضاء اس میں حصہ دار ہیں' لہٰذا ان سب اعضاء کو معمولی درجہ میں بھی گناہ میں ملوث ہونے سے بچانا چاہیے۔

پہلوان لوگ کسرت اور ورزش سے اپنے تمام جسم کو غیر معمولی طور پر مضبوط بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ اپنے بعض حصہ جسم کی ورزش کر کے اسے غیر معمولی قوت کا حامل بنا لیتے ہیں۔ بعض لوگ دانتوں کی ورزش کر کے دانتوں سے موٹرکار کھینچ لیتے ہیں' بعض لوگ آنکھ کی ہڈی کی ورزش کر کے' آہنی سریا اس ہڈی سے دبا کر اس

سریئے کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' راقم نے بچپن میں جانوروں کے ایک سرکس کے جزوی شو میں ایک جاپانی کو دیکھا' جس نے اپنے بازؤں کی ورزش کر کے انہیں اتنا قوی اور موٹا بنا لیا تھا' کہ عام آدمی کی ران بھی اتنی موٹی نہ ہو گی' وہ جاپانی شامیانے کے اندر لگے ہوئے ایک بانس کو پکڑ کر فٹا فٹ اس طرح اوپر چڑھ گیا جس طرح ہم بلندی سے نیچے اترتے ہیں۔ ایک شخص نے کان کی پریکٹس کی تھی اور وہ اپنے کانوں کو اس طرح ہلا لیتا تھا جس طرح بکری اپنا کان ہلا لیتی ہے۔ اس طرح مسمریزم اور ھپناٹزم والے بھی کچھ ایسی ہی مشقیں کر کے کچھ خصوصیات حاصل کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر آنکھوں کی پریکٹس اور اپنی قوت ارادی یاقوت متخیلہ سے ـــــ! ایسا ہی ایک عجیب واقعہ علامہ اقبالؒ کی مجلس میں پیش آیا۔ آپ بھی اس سے محظوظ ہوں۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
کی مجلس میں ایک روح کی آمد

اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر قیس مینائی ہیں اور یہ ان کی آپ بیتی ہے' وہ علامہ تاجور نجیب آبادی مرحوم کے ہموطن اور دوست تھے۔ ان کے متعلق چرچا تھا کہ انہیں روحانیت میں بڑا درک حاصل ہے' یہ بات جب علامہ اقبال کو پہنچی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود ڈاکٹر مینائی صاحب کے الفاظ میں سنئے۔ ان کی یہ روائیداد ابتداء" مجلہ حمایت اسلام لاہور کی ۲۶ جنوری ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے مینائی صاحب نے کہا "ایک روز ڈاکٹر اقبال صاحب کا پیغام پہنچا کہ جلد پہنچئے! ڈرائیور غالباً" ڈاکٹر صاحب موصوف کا ہی تھا میں بعد نماز مغرب کوٹھی پر پہنچا' تو دس گیارہ حضرات تشریف فرما تھے' علامہ تاجور بھی موجود تھے' علیک سلیک کے بعد فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے' کہ آپ کو روحانیت سے بھی شغف ہے' اس کے بعد ایک صاحب سے تعارف کرایا اور کہا کہ یہ صاحب لندن سے تشریف لائے ہیں' اور انکا بیان ہے کہ وہاں ایک شخص کی جائیداد کا اہم کاغذ گم ہو گیا تھا جو چھ ماہ کی تلاش بسیار کے باوجود جب نہ ملا' تو ایک عالم رُوحانیات سے رجوع کیا گیا تو عامل نے کسی روح کو بلا کر دریافت کیا' تو معلوم ہوا کہ وہ کاغذ اس کے گھر میں بڑے بکس کے نیچے فرش پر پڑا ہے' چنانچہ وہ اسی جگہ سے مل گیا' اس پر آپ کے وطن کے یہ نوجوان کہنے لگے' کہ ڈاکٹر قیس مینائی ہمارے وطن نجیب آباد کے ہیں' ڈیرہ دون میں کرنپورہ محلّہ میں قاضی محمد اکرم صاحب انسپکٹر پولیس کے بنگلہ پر' انہوں نے بھی ایک روح کو بلا کر ایک پوشیدہ راز معلوم کر کے بتلایا تھا' اس پر علامہ تاجور صاحب نے فرمایا' کہ قیس مینائی ہمارے ہموطن اور ہم محلّہ ہیں' مگر

مجھے تو ان کے اس "علم" کا علم نہیں' اور وہ آج کل ڈاکٹر مسعود قریشی ہومیوپیتھ کے بالکل قریب پریکٹس کرتے ہیں' اسی لیے آپ کو تکلیف دی گئی ہے کہ اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔

(اس کے بعد قیس مینائی صاحب نے لکھا ہے کہ) خاکسار نے دل میں سوچا' کہ اگر ابھی صاف کہہ دوں کہ یہ سب دھوکہ بازی ہے' کوئی روح وغیرہ نہیں آتی تو تفریح کیا ہوئی؟ سو میں نے عرض کیا کہ آخر روح کو بلا کر آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ڈاکٹر اقبال صاحب نے فرمایا کہ مولانا تاجور کو نیند نہیں آتی' بے خوابی کا مرض لاحق ہے' اس لیے کسی بڑے طبیب کی روح کو بلوا کر کوئی نسخہ معلوم کریں۔ میں نے عرض کیا کہ خاندان شریفی کے کسی طبیب مثلاً حکیم محمود خاں دہلوی کی روح کو بلا دوں؟ فرمایا مناسب ہے!

چنانچہ میں نے عرض کیا' کہ ایک قد آدم آئینہ اور ایک گلاس پانی منگا دیجیے! ڈاکٹر اقبال صاحب نے فرمایا کہ اگر قد آدم آئینہ نہ ہو' نصف قد ہو تو؟ میں نے کہا وہی سہی! چنانچہ ایک سنگار میز آگئی اور کمرے کے ایک کونے میں میز پر وہ آئینہ اور اس کے آگے پانی کا گلاس رکھ دیا گیا' اور میں اس کے عین دوسرے کنارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا' اور حاضرین سے کہا کہ آپ آئینہ کی طرف دیکھتے رہیں' تھوڑی دیر بعد پانی کے گلاس میں سے تولہ بھر پانی بھاپ بن کر اڑا' اور آئینہ کو دھندلا گیا اور اس پر ایک شبیہ (تصویر) نمودار ہوئی' اور آواز آئی "السلام علیکم" محمود خاں حاضر ہے! میں نے کہا حکیم صاحب! ہمارے مولانا تاجور صاحب کو سہر کا مرض ہے' نیند نہیں آتی' کوئی نسخہ تجویز فرما دیجیے۔' آواز آئی قیس صاحب! وہ جو آپ کا مجوزہ نسخہ "خواب راحت" ہے وہی استعمال کرائیں۔ انشاء اللہ شفاء کلی حاصل ہو گی' پھر آواز آئی' ایک گلاس پانی کا تو پلائیے! میں نے عرض کیا "بھلا روحوں کو بھی پیاس لگتی ہے؟" جواب ملا "آپ کی دنیا میں جو آگئے" چنانچہ گلاس اٹھا اور شبیہ کے منہ سے جا' لگا پھر چھت کو چھو کر آہستہ سے میز پر آ کر ٹھہر گیا۔ اور آواز آئی "الحمد للہ جزاک اللہ" اور تصویر غائب! تمام حاضرین مجلس کی حیرت و استعجاب کی حد نہ تھی۔ دوستوں نے مجھے گھیر لیا' اور علامہ اقبال اور علامہ تاجور بڑی حیرت سے مجھے لپٹ گئے' تاجور نے فرمایا کہ اب ذرا اس علم

پر روشنی بھی ڈال دیں۔ مزید ڈاکٹر صاحب اور ایک دو دیگر حضرات نے بھی اصرار کیا' تو میں نے عرض کیا کہ مولانا کے مجوزہ علاج کے بعد انشاء اللہ مجھے یقین ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ہی مکمل شفاء ہو جائے گی۔ فی الحال میں انہیں دوا دے رہا ہوں۔ اس کے استعمال کے بعد بات کریں گے' چنانچہ میں نے شوگر آف ملک میں یونہی کوئی دوائی ملائی' اور اسے مولانا تاجور صاحب کو دے دی۔

تقریباً" ایک ماہ کا عرصہ گذر گیا' تو علامہ اقبال صاحب کی جانب سے پیغام آیا' کہ آئندہ اتوار کی شام کھانا ہمارے یہاں کھایئے' چنانچہ اتوار کو میں وہاں حاضر ہوا۔ حاضرین قالینوں پر بیٹھے تھے' گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے اور پیچوان چل رہا تھا' ڈاکٹر صاحب نے وعدہ یاد دلایا' تو میں نے عرض کیا کہ پہلے تو مجھے آپ یہ بتائیں' کہ اس روز کی مجلس کے کتنے حاضرین یہاں موجود ہیں؟ بتایا گیا کہ بشمول دونوں علاماؤں کے نو حضرات وہی سابقہ افراد ہیں' صرف دو غیر حاضر تھے' میں نے کہا ٹھیک ہے اکثریت وہی موجود ہے' پھر میں نے پوچھا مولانا تاجور صاحب! آپ نے وہ دوائی استعمال کی یا نہیں؟ اگر کی ہے تو اس کا کیا اثر ہوا؟ تاجور صاحب نے فرمایا "پہلی ہی رات چار گھنٹے پھر بتدریج پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے' حتیٰ کہ رات کو آٹھ گھنٹہ روزانہ سو کر میری نیند اب بالکل نارمل ہو گئی ہے' اور اب میں روزانہ چھ گھنٹہ سوتا ہوں' اور میری نیند تو پوری ہو ہی گئی' مزید دماغ کو عجیب سکون اور قلب کو بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے' تب میں نے عرض کیا "حضرات! کیا آپ نے حکیم محمود خاں دہلوی کی روح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ سب نے جواب دیا ہاں ہم نے دیکھا! پھر میں نے پوچھا کیا آپ نے روح کی آواز سنی؟ کہا جی ہاں! بلکہ روح کو پانی پیتے بھی دیکھا' اس کے بعد میں نے عرض کیا حضرات! ذرا غور فرمایئے' قرآن حکیم کے مطالعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے' کہ عالم برزخ کے دو درجات ہیں "علیین" اور "سجین" اور یوم نشور سے قبل روح کو اپنے اس مقام سے مفر نہیں۔ ابرار کی ارواح بطور ویٹنگ روم علیین میں اور فجار (بروں) کی ارواح بطور حوالات سجین میں موجود ہیں' اور روحیں وہاں سے کسی اور جگہ آجا نہیں سکتیں' ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون مگر آپ حضرات فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے روح کو

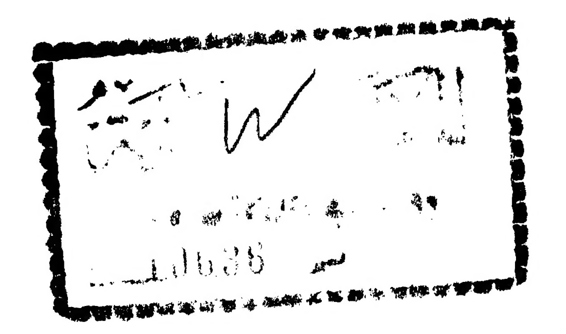
اچھی طرح دیکھا اور اس کی آواز بھی سنی ہے' لہٰذا اب آپ حضرات یہ فرمایئے' کہ آپ کا مشاہدہ غلط ہے یا نعوذ باللہ قرآنی نظریہ غلط ہے؟

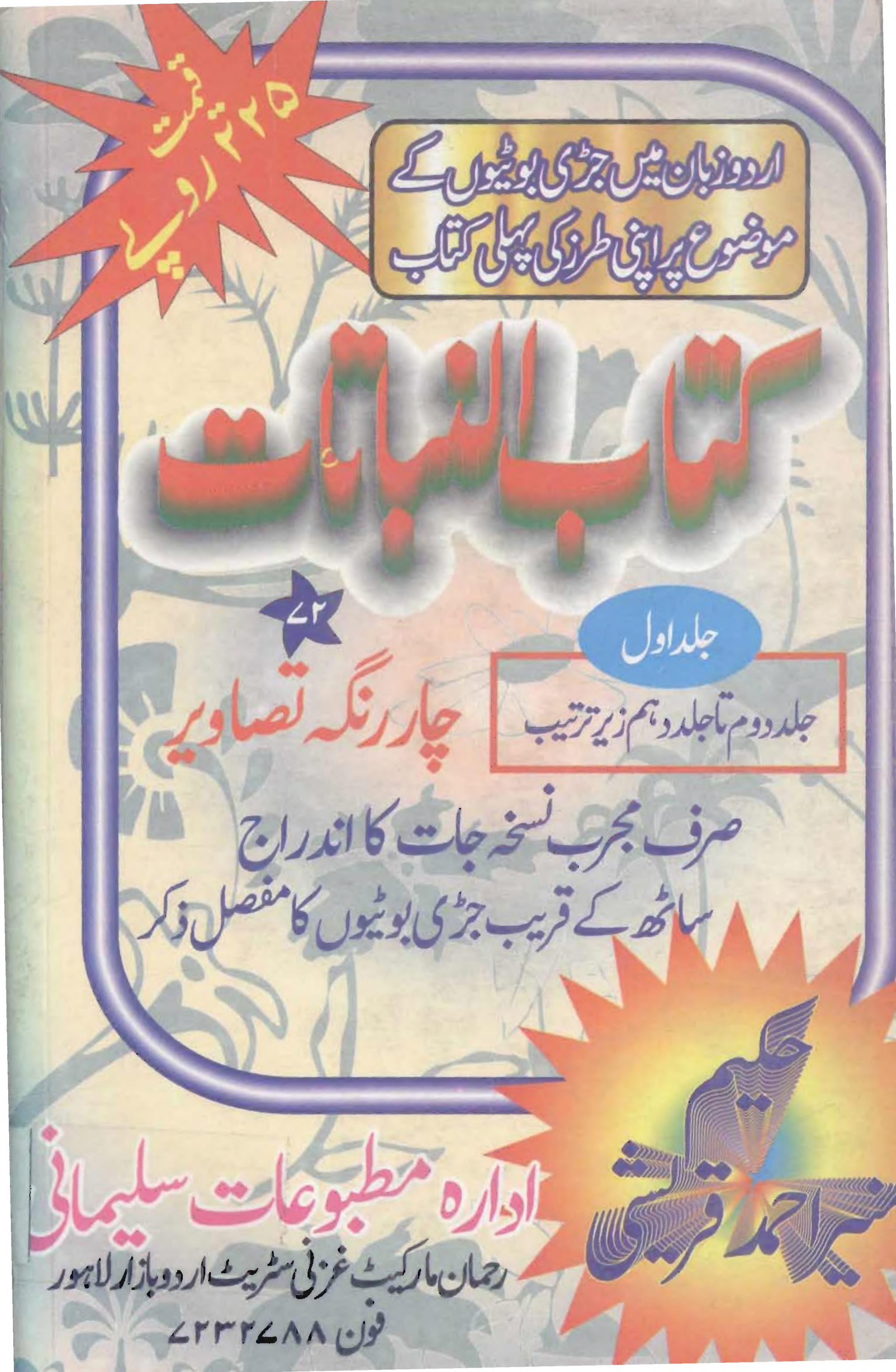
کسی نے کوئی جواب نہ دیا' تو میں نے مولانا تاجور صاحب سے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا "ہم نے اسی کے لیے تو آپ کو تکلیف دی ہے کہ آپ ہی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں" میں نے عرض کیا' ماشاء اللہ آپ فاضل دیو بند بھی ہیں' اور پنجاب یونیورسٹی کے فاضل بھی' لہٰذا میں قرآنی علوم کے متعلق آپ سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں؟ فرمانے لگے "اچھا! زیادہ نخرے نہ دکھا۔" پھر میں علامہ اقبال صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا "آپ ہی کچھ فرمایئے" تو وہ کہنے لگے "قرآن بھی سچا اور ہمارا مشاہدہ بھی سچا' صرف ہمارا فہم سچا نہیں' اس لیے ہم آپ کے تجربہ اور نظریات کو سمجھنا چاہتے ہیں" تب میں نے بطور قول فیصل یہ عرض کیا' کہ حضرات! قرآن کریم ہی سچا ہے اور آپ کا مشاہدہ غلط! کیونکہ وہ صرف فریب نظر تھا۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ' دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا ---- کیونکہ وہ کسی کی روح نہ تھی بلکہ میرے ذہن میں میرے استاد سید شبیر علی صاحب کی صورت کا جو تصور موجود تھا' وہ میں نے علم توجہ کے اثر سے پانی کی بھاپ اڑا کر آئینہ دھندلا کر وہ تصویر آپ کو دکھائی' اور وہ آواز بھی میری اپنی آواز تھی۔ آپ نے دیکھا ہو گا' کہ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا تھا اور میری آنکھوں سے باریک سی شعائیں نکل رہی تھیں' اس پر ایک نوجوان اور علامہ اقبال نے ان شعاعوں کو دیکھنے کی تصدیق کی تو میں نے کہا بس یہ سارا گورکھ دھندا انہی شعاعوں کا تھا' کہ وہ شعائیں مقناطیسی اور ایٹمی قوتیں ہیں۔

غرض یہ مختصر سی تقریر ختم ہوئی' تو بعض حضرات نے اصرار کیا تو ہم تو اس مجلس میں موجود نہ تھے' لہٰذا ہمیں بھی کچھ مشاہدہ کروا دیجئے۔ ایک صاحب نے اپنی جیب سے اپنی دھوپ کی عینک نکالی' دوسرے نے اپنی انگوٹھی میز پر رکھ دی' میں نے کہا ایک قلم بھی لایئے! تو ایک صاحب نے اپنا فونٹین پین میز پر رکھ دیا۔ تب یہ تماشہ شروع ہو گیا۔ کہ عینک اٹھی اور اس صاحب کی آنکھوں پر جا لگی' پھر انگوٹھی حرکت میں آئی' اور پین کی طرف چلی' پین نے چند قدم آگے چل کر انگوٹھی کا استقبال کیا' اور انگوٹھی میں سے گذر کر میری طرف بڑھا' اور میری شعاع نظر نے قلم کو سرفرازی بخشی' اور

قلم نے سر جھکا کر سب حاضرین کو سلام کیا' اور پھر چاروں طرف رقص کرنے لگا۔ حاضرین نے تالیوں سے داد دی' اور قلم پرواز کر کے میرے ہاتھوں میں تھا"

یہ سب ڈاکٹر صاحب کی قوت ارادی کے کرشمے تھے' اور یہ ان کی دیانتداری تھی کہ انہوں نے اسے روحانیت کے مقدس لبادہ میں لپیٹ کر پیش نہیں کیا' ۱۹۶۵ء میں "ٹائیفائڈ" اعصابی کمزوری اور موتیا بند ہو گیا جس سے وہ صرف ایک دو تولہ اشیاء کو متحرک کرنے تک آ گئے' ورنہ پہلے وہ ایک دو پاؤنڈ اشیاء بھی اپنے اشارہ چشم سے باآسانی رقصاں کر لیتے تھے۔ (ماہنامہ رفتار زمانہ لاہور مارچ ۱۹۷۳ء)




قیمت ۲۲۵ روپے
اردو زبان میں جڑی بوٹیوں کے
موضوع پر اپنی طرز کی پہلی کتاب
کتاب النباتات
۴۲
جلد اول
جلد دوم تا جلد دہم زیر ترتیب
چار رنگہ تصاویر
صرف مجرب نسخہ جات کا اندراج
ساٹھ کے قریب جڑی بوٹیوں کا مفصل ذکر
حکیم نسیر احمد قریشی
ادارہ مطبوعات سلیمانی
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون ۷۲۳۲۷۸۸